UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222092

UNIVERSAL
LIBRARY

Osmania University Library

Call No. ۸۹۱٫۵ ح ح۳ Accession No. ۵۲۸۹۳

G.4893

Author

Title ٹیگور رابندر ناتھ
الخوز مترجمہ نیر دانی جالندھری

This book should be returned on or before the date last marked bel

جملہ حقوق بحق نرائن دت سہگل اینڈ سنز محفوظ ہیں

شری ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور مرحوم کے ایک بینظیر ناول

(WREEK) کا اُردو ترجمہ

اُلجھن

مترجمہ

حضرت یزدانی جالندھری

ناشران

پنجاب پبلشرز۔ دہلی

چھٹی بار ۱۰۰۰

قیمت ۳ روپے ۲۵ پیسے

اپنی اُن تمناؤں کے نام

جو کسی کی شادی پر

حسرتوں سے بدل گئیں

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

(۱)

اس میں کسی کو ذرہ بھر شک و شبہہ نہ تھا کہ رمیش امسال وکالت کے امتحان میں ضرور کامیاب ہوگا۔ کیونکہ وہ نہایت ذہین اور محنتی تھا جب سے اس نے تعلیم شروع کی تھی۔ ہر امتحان اعزاز سے پاس کیا۔ اور برابر وظیفہ حاصل کرتا رہا۔ وکالت کا امتحان ختم ہونے پر اسے گھر جانا تھا۔ لیکن کسی نے اسے سامان قرینے سے ٹرنک میں رکھتے اور گھر جانے کی تیاری کرتے نہیں دیکھا۔ باپ نے پے در پے گھر آنے کے لئے خط لکھے لیکن رمیش نے ہر بار یہی جواب دیا "نتیجہ نکلنے کے بعد آؤں گا"۔

رمیش کی رہائش گاہ کے متصل ہی بابو آنند چرن کا مکان تھا۔ بابو آنند چرن برہمو تھے۔ اور ان کا لڑکا جوگیندر رمیش کا ہم جماعت تھا۔ ان کی لڑکی نلنی نے امسال ایف اے کا امتحان دیا تھا۔ جوگیندر سے دوستانہ مراسم کی بنا پر رمیش کی ان کے گھر بے تکلفانہ آمد و رفت تھی۔ اور اکثر چائے بھی وہیں پیا کرتا تھا۔

نلنی کا معمول تھا کہ وہ نہانے کے بعد بال سکھانے کے لئے مکان کی چھت پہ ٹہل کر پڑھا کرتی تھی۔ رمیش بھی اپنے مکان کی چھت پر بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اگرچہ بظاہر مطالعہ کیلئے یہ جگہ بیحد موزوں اور پرسکون تھی لیکن بنظر غور دیکھا جائے تو ایسا نہ تھا۔

اب تک شادی کے متعلق فریقین میں کوئی گفتگو نہ ہوئی تھی۔ بابو آنند چرن نے سلسلہ جنبانی میں پیشقدمی کیوں نہ کی۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی نظر میں ایک لڑکا تھا، جو بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے لئے انگلستان گیا ہوا تھا۔

ایک دن چائے پیتے ہوئے آپس میں خوب بحث مباحثہ ہوا۔ اکھشے کمار گو زیادہ تعلیمیافتہ نہ تھا۔ اور نہ کسی امتیازی خصوصیت کا مالک تاہم اس سے نفرت یا بیری کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا۔ اسے چائے کثرت سے پینے کی عادت تھی۔ اور نلنی کے ساتھ وہ اکثر

چائے پیتا نظر آتا تھا۔ اس دن بحث کا موضوع یہ تھا کہ مردوں کی عقل تلوار کی مانند ہوتی ہے۔ وہ صیقل کئے بغیر بھی اپنا کام کر سکتی ہے۔ لیکن عورتوں کی عقل چاقو کی طرح ہے۔ اسے خواہ کتنا ہی صیقل کیا جائے۔ وہ کوئی اہم کام سرانجام نہیں دے سکتی۔

بحث پورے عروج پر تھی، کہ نوکر نے رمیش کا رقعہ لاکر دیا۔ رقعہ پڑھتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بولا۔ "پتا جی آئے ہیں۔"

نلنی نے جوگیندر سے کہا۔ "بھیا! رمیش کے پتا جی کو یہیں کیوں نہیں بُلا لیتے؟ چائے تو تیار ہی ہے۔"

رمیش نے جلدی سے کہا۔ "نہیں، آج رہنے دو۔ اب میں جاتا ہوں۔"

رمیش کو جاتے دیکھ کر اکھشے دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہوا کہ شاید اس کے باپ کو یہاں رہنا یا ان کے ہاں کا کھانا پینا منظور نہیں۔

رمیش مکان پر پہنچا، تو اس کے باپ برجموہن بابو نے کہا۔ "کل صبح کی گاڑی سے تمہیں گھر چلنا ہوگا۔"

رمیش نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کوئی اتنا ہی ضروری کام ہے؟"

برجموہن بولے۔ "کوئی ایسا ضروری تو نہیں۔"

پھر ایسی جلدی کیوں؟ یہ جاننے کے لئے رمیش نے باپ کے چہرے پر متجسسانہ نگاہ ڈالی۔ لیکن برجموہن بابو نے جواب کی ضرورت نہ سمجھی۔

شام کے وقت جب برجموہن اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے گئے۔ تو رمیش انہیں خط لکھنے بیٹھا۔ لیکن القاب لکھنے کے بعد ہزار کوشش کے باوجود بھی ایک حرف نہ لکھ سکا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ میں نلنی کی محبت کی زنجیروں میں جکڑا گیا ہوں۔ باپ سے چھپانا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس خیال کے زیر اثر اس نے کئی خط لکھے۔ اور لکھ لکھ کر پھاڑ ڈالے۔ اسے جرأت نہ ہوئی، کہ باپ کو اپنے رازِ دل سے آگاہ کرے۔

۵

دوسرے دن صبح کی گاڑی سے رمیش کو گھر جانا ہی پڑا۔ برجموہن بابو کی جلدی کے باعث گاڑی چھوٹ جانے کا موقعہ نہ ملا۔

۲

گھر پہنچکر رمیش نے سُنا کہ اس کی شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اور لڑکی بھی دیکھی جاچکی ہے۔ جب برجموہن بابو کے بچپن کے دوست ایشان چندر بابو وکالت کرتے تھے۔ ان دنوں برجموہن بابو کی اقتصادی حالت اچھی نہ تھی۔ ایشان بابو کی امداد ہی سے ان کی حالت بہتر ہوئی۔ جب ایشان بابو کا انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ وہ کوئی ترکہ نہیں چھوڑ گئے۔ بلکہ قرضدار مرے ہیں۔ ان کی بیوہ بیوی اور یتیم لڑکی دونوں افلاس و نکبت کے پنجے میں جکڑی ہوئی ہیں۔ برجموہن بابو نے حتی المقدور ان کی مدد کی۔ اب لڑکی شادی کے قابل ہوگئی تھی۔ اور برجموہن بابو نے اسی کے ساتھ رمیش کی شادی طے کی تھی۔

رمیش کے بعض دوستوں نے برجموہن بابو کو یہ بھی بتایا کہ لڑکی اتنی خوبصورت نہیں۔ لیکن برجموہن بابو نے کہا۔ "ہم ایسی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ دنیا میں حسن ہی سب کچھ نہیں۔ لڑکی کی ماں جیسی ستی ساوتری ہے۔ اگر لڑکی بھی اخلاق وعادات میں ویسی ہی ہو، تو رمیش کو اپنے بخت رسا پر ناز کرنا چاہیئے۔"

شادی کی خبر سُن کر رمیش کا چہرہ مرجھا گیا۔ اس کے دل میں یاس وغم کی آندھی چلنے لگی۔ اس نے شادی سے بچنے کی کئی تدبیریں سوچیں۔ لیکن قابل اطمینان کوئی نہ تھی آخر جی کڑا کر کے وہ باپ کے پاس پہنچا۔ اور بولا "پتا جی! مجھے شادی منظور نہیں۔ میں کسی اور سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

برجموہن نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا کہا؟ دوسری جگہ؟ کیا سب باتیں طے ہو چکی ہیں؟"

"سب باتیں تو نہیں، لیکن ...."

"لیکن کیا؟"

"جس طرح بیاہ کی بات ہوا کرتی ہے اس طرح تو ابھی کچھ نہیں ہوا۔"

"کچھ نہیں ہوا تو جس طرح اب تک خاموش رہے ہو، اسی طرح کچھ دن اور بھی خاموش رہو۔"

قدرے خاموشی کے بعد رمیش نے سر جھکا کر کہا "کسی اور لڑکی سے شادی کرنا سراسر بے انصافی ہوگی۔"

"اگر یہ شادی نہ کروگے تو اور بھی ظلم ہوگا۔ ماں باپ کی بات نہ ماننے سے بڑھ کر اور کیا ناانصافی ہوسکتی ہے؟"

رمیش باپ سے زیادہ بحث نہ کرسکا۔ اور اس نے تقدیر کے سامنے سر جھکا دیا۔

جس دن رمیش کی شادی کی بات طے پائی تھی، اس کے بعد ایک سال تک کوئی ایسی موزوں ساعت نہ تھی، جس میں اس کی شادی ہوسکے۔ اس لئے اس نے سوچا کہ کسی طرح یہ دن ٹل جائے۔ تو وہ ایک سال تک آزاد رہ سکتا ہے۔ لیکن یہ بات نہ ہوسکی۔ اس کے بیاہ کا مہورت کسی طرح نہ ٹلا۔

ایشان بابو کی بیوہ بیوی اور لڑکی برجموہن کے گاؤں سے کافی دور شیام پور میں رہتی تھیں، راستے میں دو تین ندیاں پڑتی تھیں جنہیں کشتیوں کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا۔

برجموہن نے یہ سوچ کر کہ تین دن سفر میں بھی لگیں گے۔ ایک ہفتہ پہلے ہی روانہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ ہوا موافق تھی، اس لئے شیام پور پہنچنے میں پورے تین دن بھی نہ لگے۔ اور سب لوگ شادی سے چار دن پہلے ہی وہاں جا پہنچے۔

برجموہن بابو کی خواہش تھی کہ وہ سمدھن کو اپنے ہی یہاں لے آئیں۔ کیونکہ اس کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ شادی کا موقعہ اس کے لئے نہایت اچھا تھا۔ چنانچہ جب سمدھن نے یہ تجویز سنی تو وہ بخوشی تیار ہوگئی۔ کیونکہ اس کی ایک ہی لڑکی تھی۔ اور وہ چاہتی تھی کہ لڑکی کے پاس ہی رہے۔

شادی کے وقت رمیش نے اچھی طرح منتر پاٹھ بھی نہیں کیا۔ اور نہ دلہن کو دیکھا، بلکہ آنکھیں بند کرلیں۔ اسے اس شادی کی ذرا بھی خوشی نہ تھی۔ اس نے شادی کے

جشن میں ذرا بھی خوشی دلی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ تمام رات بے دلی سے کاٹی۔ یہ شادی نہیں تھی۔ اس کی امیدوں کا بلیدان تھا۔

شادی کے دوسرے دن سب لوگ واپس روانہ ہوئے۔ ایک کشتی میں عورتیں، دوسری میں بڑے بوڑھے اور تیسری میں رمیش اور اس کے دوست احباب سوار ہوئے۔ چوتھی کشتی میں باجے والے تھے۔ اور ان کی دل افروز تانوں سے فضا گونج رہی تھی۔

اس دن سخت گرمی تھی۔ آسمان پر بادل کا نام و نشان نہ تھا۔ سورج کی شعاعوں میں اس قدر تمازت تھی کہ آسمان تپ کر سفید ہو گیا تھا۔ درختوں کا رنگ بھی دھوپ کی شدت سے اُڑ گیا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ اور سخت حبس کا عالم تھا۔ ملاح پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ شام کے قریب ملاحوں نے کہا "بابو جی! کشتیاں یہیں ٹھہرانی چاہئیں۔ صبح آگے بڑھیں گے کیونکہ آگے بہت دور تک کشتیاں ٹھہرانے کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔"

لیکن برجموہن بابو جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا "ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ چاندنی رات ہے۔ اسلئے چلتے جاؤ۔ رام پور پہنچکر تمہیں کافی انعام دیا جائے گا۔"

ملاح انعام کے لالچ میں کشتیوں کو پوری سرگرمی سے کھیتے چلے گئے۔ افق مشرق سے ستاروں کے ہجوم میں گھرا ہوا چاند نمودار ہوا۔ لیکن اس کی رنگت بھی پھیکی تھی رات پہر بھر سے زیادہ نہ گذری ہوگی کہ یکایک بادلوں کی گرج سنائی دی۔ پیچھے دیکھا تو گھنگھور گھٹائیں گرد و غبار کے طوفان کو ساتھ لئے زور شور سے بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ "روکو، روکو، سنبھالو" کا شور مچ گیا۔ مگر وقت گذر چکا تھا۔ دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا۔ کوئی کچھ نہ کہہ سکتا۔ طوفانی ہوا کے ایک زبردست تھپیڑے نے تمام چیزوں کو منتشر کر کے کشتیوں کو اُلٹ پلٹ دیا۔ طوفان نے سواروں سے کیا سلوک کیا، کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

۳

کچھ ہی دیر کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ دریا کی پُرسکون و شفاف سطح پر چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور کنارے کی ریت دور سے ایک سفید چادر کی طرح معلوم ہو رہی

تھی۔ اب دریا میں نہ کوئی کشتی تھی اور نہ موجیں۔ مرض کے عذاب اور تکالیف کے بعد موت جس طرح تمام آلام و مصائب کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح دریا پر سکون طاری تھا۔

رمیش کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے ریت پر پڑا ہے۔ وہ دیر تک دماغ پر زور دے کر یہ سوچنے کی کوشش کرتا رہا۔ کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ اور وہ کس طرح یہاں پہنچ گیا؟ یکایک تمام واقعات ایک خوفناک خواب کی طرح اس کے دماغ میں گھوم گئے۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے اُٹھا، کہ اس کا باپ اور دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوا؟ چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن کہیں کچھ نظر نہ آیا۔ وہ دریا کے کنارے ریت پر چلنے لگا۔

پدما ندی کے عین وسط میں جو جزیرہ واقع ہے وہ کسی نوزائیدہ بچے کی طرح عریاں آسمان کی طرف منہ کئے محو خواب نظر آتا تھا۔ ندی کے کنارے چلتے چلتے یکایک رمیش کو کوئی سفید کپڑا دکھائی دیا۔ وہ دوڑ کر وہاں پہنچا۔ ایک ننھی نویلی دلہن عروسی جوڑا پہنے بیہوش پڑی تھی۔ رمیش اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دلہن نے آہستہ آہستہ سانس لی۔ ایک دفعہ آنکھیں کھولیں۔ اور پھر بند کر لیں۔ رمیش تکان سے چور چور ہو رہا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی۔ کہ اس سے کوئی سوال کرتا دلہن بھی اچھی طرح ہوش و حواس میں نہ آئی تھی۔ اس کی نگاہیں آسمان پر لگی ہوئی تھیں۔ رمیش نے دیکھا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ وہ اس سنسان میدان میں زندگی اور موت کے درمیان چاند کی چاندنی میں دیر تک لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

کون کہتا ہے سوشیلا خوبصورت نہیں؟ اگرچہ اس کا نیم شگفتہ چہرہ چھوٹا سا تھا۔ پھر بھی اس وسیع و غیر محدود آسمان کے تلے چاند کی نورانی کرنوں میں یہی تو ایک قابل دید چیز تھی۔ رمیش سب کچھ بھول کر سوچنے لگا۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے اسے شادی کے شور و شر سے لبریز گھر میں نہیں دیکھا۔ اس ظاہرہ رسم و رواج کی ادائیگی سے میں اسے جس قدر اپنا بنا سکتا تھا۔ اسے دوبارہ زندگی بخش کر میں نے اس سے کہیں

زیادہ اپنی محبت کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ منتروں سے ایک عارضی تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ رشتہ جسے قدرت نے خود جوڑا ہے کہیں زیادہ پائیدار اور کہیں زیادہ مستقل ہے۔

جب دلہن ہوش میں آئی۔ تو اس نے اپنے بے ترتیب و پریشان لباس کو درست کر کے گھونگھٹ نکال لیا۔ رمیش نے پوچھا "کیا تم بتا سکتی ہو کہ تمہاری کشتی کے دوسرے افراد کہاں ہیں؟"

اس نے جواب میں نفی کے طور پر صرف سر جھکا دیا۔ رمیش نے کہا "تم تھوڑی دیر یہاں اکیلی بیٹھ سکو تو میں ذرا چکر لگا کر پتہ لگانے کی کوشش کروں"

دلہن نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اس کا تمام جسم گویا شرم و حیا سے پکار اٹھا "مجھے یہاں اکیلی چھوڑ کر نہ جائیے"

رمیش نے دیکھا۔ دلہن دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے رو رہی ہے اور سسکیاں بھر رہی ہے۔ وہ منہ سے کچھ کہے بغیر چپ چاپ اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا لیکن اس کا رونا کسی طرح کم نہ ہوا۔ اب رمیش کی آنکھوں سے بھی سیلاب اشک رواں تھا۔

یہ رونا دھونا ختم ہوا تو چاند کے حجلۂ مغرب میں روپوش ہو جانے کے باعث اندھیرا چھا چکا تھا۔ رات کی تاریکی میں یہ سونا مقام عجیب خواب کا سا منظر پیش کرنے لگا۔ ریت کی مدھم سفید چمک دل پر خاص اثر کر رہی تھی۔ اور ستاروں کے عکس سے دریا کا کچھ حصہ سانپ کی کینچلی کی طرح جگمگا رہا تھا۔

خوفزدہ دلہن کے سرد نازک ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر رمیش نے آہستہ سے اسے اپنی طرف کھینچا۔ خوفزدہ لڑکی نے کوئی مزاحمت یا پس و پیش نہیں کی۔ وہ اس وقت تنہائی سے گھبرا رہی تھی۔ اور کسی انسان کو اپنے پاس دیکھنا چاہتی تھی۔ خوفناک تاریکی میں رمیش کے سینے پر پناہ لے کر اس نے فردوسی راحت کا احساس کیا۔ اس وقت شرمانے کا موقعہ نہ تھا۔ رمیش کے دونوں بازوؤں میں اس نے خود بخود اپنے لئے جگہ پیدا کر لی۔

جب صبح کا درخشاں ستارہ اپنی جھلملاتی ہوئی روشنی سے چھپنے کی تیاری کر رہا تھا اور شرقی حصہ میں دریا کی نیلگوں سطح پر طلوع آفتاب کی رنگت اختیار کرنے لگا، تو رمیش ریت کے نرم بستر پر بے خبر سو رہا تھا۔ اور اس کے سینے کے پاس اس کے بازو پہ سر رکھے نئی دلہن بھی دنیائے خواب کی سیر کر رہی تھی۔

بالآخر جب صبح کی دھوپ ان کی آنکھوں پر پڑی۔ تو دونوں بیدار ہوئے۔ اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ بلکہ کہیں سے بہتے ہوئے یہاں آ گئے ہیں۔

۴

صبح کو ندی میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں تیرنے لگیں۔ رمیش نے انہیں میں سے ایک کشتی کرائے پر لی۔ اور تھانے میں کشتیوں کی غرقابی کی اطلاع دے کر عزیز و اقارب کو تلاش کرتا دلہن کو ساتھ لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ گاؤں کے گھاٹ پر پہنچتے ہی اس نے سنا کہ اس کے باپ اور دیگر خویش و اقارب کی لاشیں دریا سے ملی ہیں۔ چند ملاحوں کے سوا اور کوئی زندہ نہ بچا تھا۔ گھر پر رمیش کی بوڑھی دادی تھی۔ وہ رمیش اور بہو کو دیکھ کر زور زور سے چلانے لگی محلے کے جو لوگ برات میں گئے تھے۔ سب کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور شور گریہ و فریاد بلند ہو گیا۔ کسی کے گھر بھی سنکھ نہ بجا اور نہ کسی نے بہو کا خیر مقدم کیا بلکہ کسی نے منہ پھیر کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔

رسوم مرگ کی ادائیگی کے فوراً بعد ہی رمیش نے بہو کو ساتھ لے کر کسی اور جگہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر جائیداد کا معقول انتظام کئے بغیر جانا دشوار تھا۔

خاندان کی غمزدہ عورتیں پہلے ہی تیرتھ یاترا پر جانے کے لئے دق کر رہی تھیں۔ ان سب کو مطمئن کرنا بھی فرض تھا۔

شادی سے پہلے سننے میں آیا تھا کہ بہو کمسن ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ گاؤں کی نوعمر لڑکیاں اسے بڑی عمر کی سمجھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتی تھیں۔ پھر ایسی لڑکی کے ساتھ کس طرح محبت کا کھیل رچایا جائے؟... رمیش کو کافی تلاش کے باوجود کسی

کتاب میں کوئی ایسی بات نہ ملی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ رمیش کا نورِ علم سے منور دماغ اندر ہی اندر عجیب و غریب کیف و سرور سے لبریز ہو کر اس کم عمر لڑکی کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اسے گھر کی لکشمی سمجھ کر آئندہ زندگی کو خوشگوار بنانے کے منصوبے باندھنے لگا۔ اور عالمِ تصور میں اس نو عمر دلہن کو جوان اور بچوں کی ماں کی صورت میں دیکھ کر عجیب و غریب مناظر میں کھو گیا۔ جیسے مصور اپنی خیالی تصویر اور شاعر اپنی نظم کا خاکہ اپنے ذہن میں رکھتا ہے۔ اسی طرح رمیش اس چھوٹی سی لڑکی کو پیشِ نظر رکھ کر دل میں ایک تصویر بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

(۵)

اس طرح تقریباً تین ماہ اور گذر گئے۔ گھر گرہستی اور جائیداد وغیرہ کا معقول بندوبست ہو گیا۔ بوڑھی عورتیں اور بیاہی تیرتھ یاترا کی خواہش کرنے لگیں۔ پڑوس کی چند عورتیں بھی تیار ہو گئیں۔ کئی ایک بہوئیں اس نئی بہو سے ملیں۔ رمیش سے اس لڑکی کی محبت کا رشتہ مضبوط تر ہونے لگا۔

اب شام کے وقت اکثر دونوں آسمان کے نیچے کھلی چھت پر اٹھتے بیٹھتے۔ رمیش کبھی کبھی پیچھے سے آ کر اس کی آنکھیں بند کر دیتا۔ کبھی اس کا سر اپنی آغوش میں کھینچ لیتا۔ بہو جب رات کو کھانے سے پہلے بغیر سو جاتی، تو رمیش اسے کوشش کر کے جگاتا۔ کھانا کھلاتا اور اس سے ہنسی خوشی باتیں کرتا۔

ایک دن شام کو رمیش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "سوشیلا! آج تمہارا جوڑا اچھا نہیں بندھا۔"

اس نے قریب بیٹھ کر کہا۔ "بھلا تم لوگ مجھے سوشیلا کہہ کر کیوں پکارتے ہو؟"

رمیش اس سوال کو سمجھ نہ سکا۔ اور حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

بہو نے کہا۔ "کیا میرا نام تبدیل کرنے سے میرے بُرے دن پھر جائیں گے؟ میں تو بچپن ہی سے بدنصیب واقع ہوئی ہوں۔ مرنے سے پہلے میری قسمت بدل نہیں سکتی۔"

یکایک رمیش کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے دل میں ایک بھاری شک پیدا ہو گیا۔ اس نے پوچھا: "تم بچپن ہی سے بدنصیب کیوں ہو؟"

بہو نے کہا: "میری پیدائش سے پہلے ہی میرے پتا چل بسے۔ اور میری پیدائش کے چھ ماہ بعد میری ماں بھی اُن کے پاس چلی گئیں۔ ماموں کے گھر میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ یکایک سُنا کہیں سے تم نے آ کر مجھے پسند کر لیا۔ دو دن میں شادی ہو گئی۔ اس کے بعد تم نے سب کچھ دیکھا ہی ہے۔ کہ کیسی ہولناک مصیبتیں پیش آئیں۔"

رمیش تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اس وقت چاند نکل آیا تھا۔ لیکن اس کی روشنی کیسی پھیکی اور سیاہی مائل تھی۔ رمیش دوسرا سوال کرتے ہوئے خوف محسوس کرنے لگا۔ جو کچھ اُسے معلوم ہوا تھا، وہ اُسے ایک خواب سمجھ کر بھولنا چاہتا تھا بے ہوش آدمی جس طرح ہوش میں آنے پر ہلکی ہلکی سانس لیتا ہے۔ اسی طرح بادِ جنوب چلنے لگی۔ چاند کی مدھم لرزتی ہوئی روشنی میں، کوئل کوک رہی تھی۔ لبِ دریا بندھی ہوئی کشتیوں میں ملاحوں کے گیت گونجنے لگے۔ بہو نے بہت دیر تک جواب نہ پا کر آہستہ آہستہ رمیش کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "سو رہے ہو؟"

رمیش نے کہا: "نہیں جاگ رہا ہوں۔"

اس کے بعد کوئی بات نہ ہوئی۔ بہو انتظار کرتے کرتے آہستہ آہستہ سو گئی۔ رمیش اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور بہو کے چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ کاتبِ تقدیر نے اس کی پیشانی پر جو پوشیدہ تحریر رقم کی ہے۔ اس کا ایک حرف بھی آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ اس دلفریب حُسن میں یہ کیسا خوفناک انجام چھپا ہے!

(۶)

رمیش سمجھ گیا کہ یہ اس کی بیوی نہیں۔ اور نہ اس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے۔ پھر یہ کس کی بیوی ہے؟ یہ اسے کسی طرح معلوم نہ ہو سکا۔ اور نہ یہ معلوم کرنا آسان ہی تھا۔

ایک دن اس نے پوچھا۔ "شادی کے وقت جب پہلی مرتبہ تم نے مجھے دیکھا تھا تو تمہارے دل میں کیا خیال پیدا ہوا تھا؟"

لڑکی نے کہا: "میں نے تو نہیں دیکھا تھا۔ آنکھیں جھکا لی تھیں۔"

"تم نے میرا نام بھی نہیں سُنا تھا؟"

"جس دن یہ سُنا کہ میری شادی ہونے والی ہے۔ اس کے دوسرے ہی دن شادی بھی ہوگئی۔ میں نے تمہارا نام نہیں سُنا۔ ماموں نے مجھے فوراً تمہارے ساتھ رخصت کردیا!"

"اچھا، تو تم کچھ لکھنا پڑھنا تو جانتی ہی ہو۔ اپنا نام لکھو۔ ذرا دیکھوں تو!"

یہ کہہ کر رمیش نے اسے کاغذ اور پنسل دی۔ اس نے کہا: "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اپنا نام بھی نہ لکھ سکوں گی؟ میرا نام بہت آسان ہے۔ اور پھر بڑے بڑے حروف میں لکھا: "شری متی کملا دیوی!"

رمیش نے کہا: "اچھا اب اپنے ماموں کا نام لکھو۔"

کملا نے کہا: "شری یت تارنی چرن!"

پھر پوچھا۔ "کہیں غلط تو نہیں لکھا؟"

اس نے کہا "نہیں!"

رمیش نے کہا: "اپنے گاؤں کا نام لکھو۔"

اس نے لکھا: "دھرم پور!"

اس طرح رمیش نے بصد مشکل اس کا کسی حد تک نام و نشان معلوم کیا۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس کا شوہر اسی طوفان میں ڈوب گیا ہو۔ اگر کسی طرح اس کے سسرال یا ماموں کے گھر بھیج دوں، تو بھی فساد کا اندیشہ ہے۔ اتنے عرصے تک دوسرے کے گھر میں بہو بن کر رہنے کے بعد آج اگر اصل صورت حال کا انکشاف کیا جائے۔ تو نہ معلوم سماج اس کی کیا گت بنائے۔ اس سے کیا سلوک روا رکھے۔ اسے کہاں پناہ ملے گی۔ اس کا شوہر زندہ بھی ہوا تو کیونکر اسے قبول کرے گا؟ اس

جاؤں گی ؟

رمیش نے ہنس کر کہا: "تم سے بہت بڑی بڑی لڑکیاں سکول جاتی ہیں۔"

کملا نے اس کے بعد کچھ نہ کہا۔ ایک دن گاڑی میں سوار ہو کر وہ اسکول گئی۔ بہت بڑا مکان تھا۔ اس نے دیکھا کہ بہت سی چھوٹی بڑی لڑکیاں ہیں۔ اسے سکول کی ہیڈ معلمہ کے سپرد کر کے جب رمیش واپس آنے لگا، تو کملا بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ رمیش نے کہا: "کہاں آتی ہو؟ تمہیں تو یہیں رہنا پڑے گا۔"

کملا نے خوف آمیز لہجے میں پوچھا: "آپ یہاں نہیں رہیں گے؟"

رمیش نے کہا: "مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں۔"

کملا نے رمیش کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "تو میں بھی یہاں نہ رہ سکوں گی۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلیے۔"

رمیش نے ہاتھ چھڑا کر کہا: "چھی، کملا! کیسی باتیں کرتی ہو؟ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔"

یہ ملامت آمیز فقرہ سن کر کملا خوف زدہ سی ہو گئی۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ اور رمیش غمگین ہو کر جلدی سے چل دیا۔ مگر کملا کی وہ خوف زدہ و مغموم صورت اس کے دل پر نقش ہو گئی۔

(۷)

رمیش کا پختہ ارادہ تھا کہ اب علی پور میں وکالت شروع کر دوں گا لیکن اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اتنی ہمت نہ رہی کہ وکالت کا کام شروع کرے۔ وہ گنگا کے کنارے باغوں اور پارکوں یا کلکتہ کے گرد و نواح کی تفریح گاہوں میں بلا مطلب گھومتا رہا۔ ایک بار خیال آیا کہ مغرب کی سیر کر آئے۔ انہی دنوں اچانک بابو آنند چرن کا خط ملا۔ انہوں نے لکھا تھا: "گزٹ میں دیکھا کہ تم پاس ہو گئے ہو۔ لیکن تمہاری طرف سے یہ خوشخبری نہ پا کر بہت افسوس ہوا۔ بہت دنوں سے تمہاری کوئی خیر موصول نہیں ہوئی۔ کیسے ہو اور کلکتہ کب آؤ گے؟ ــــ جلد لکھو تاکہ اطمینان ہو ــــ" یہاں یہ کہہ دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ہلینی کے لئے آنند چرن بابو کی نگاہ جس لڑکے پر تھی، وہ ولایت سے بیرسٹری پاس

کر کے آگیا تھا۔ اور ایک دولتمند شخص کی لڑکی سے اس کی شادی کی گفتگو ہو رہی تھی۔

بابو آنند چرن کا خط پا کر رمیش یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس عرصہ میں جو واقعات پیش آئے ہیں۔ ان کے بعد بھی نلنی کے ساتھ ملاقات اس کا فرض ہے یا نہیں؟ کملا کے ساتھ اس کا جو تعلق پیش نظر تھا، کسی کے روبرو اس کا ذکر بے سود تھا۔ بے قصور کملا کو وہ دنیا بھر رسوا نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ بے سہارا چھوڑ سکتا تھا۔ پھر تمام باتیں صاف صاف نہ کہنے سے وہ نلنی کے متعلق اپنے پچھلے حقوق سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ مگر بابو آنند چرن کے خط کے جواب میں دیر کرنا مناسب نہ تھا۔ اس نے لکھا: "بہت ضروری کاموں میں مصروفیت کے باعث حاضر نہ ہو سکا۔ معاف کیجئے گا۔"

لیکن اس خط میں اپنی نئی سکونت کا پتہ تحریر نہ کیا۔ یہ خط لیٹر بکس میں ڈال کر دوسرے دن سے وہ علی پور کی عدالت میں جانے لگا۔

ایک دن عدالت سے نکل کر ذرا دور ہٹ کر وہ گاڑی والے سے کرایہ طے کر رہا تھا کہ اچانک ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ آواز میں بے تابی اور اشتیاق کے ملے جلے جذبات تھے: "پتا جی! وہ دیکھو رمیش بابو!"

"گاڑی بان! روکو! روکو!!"

گاڑی رمیش کے قریب آکھڑی ہوئی۔ اس دن آنند چرن بابو اور ان کی لڑکی علی پور کے چڑیا گھر گئے تھے۔ اور اب وہیں سے واپس آرہے تھے۔

گاڑی میں نلنی کا وہی ملاحت آمیز متین چہرہ، عطر میں بسی ہوئی دلفریب ساری، بالوں کا سادہ جوڑا اور ہاتھ میں سونے کی چوڑیاں دیکھتے ہی ایک عجیب غریب لہر سی رمیش کے دل میں دوڑ گئی۔

آنند چرن بابو نے کہا: "رمیش! بڑی خوش قسمتی ہے کہ آج تم راستے میں مل گئے۔ تم نے تو خط کتابت ہی بند کر دی۔ خط لکھتے بھی ہو تو پتہ ندارد! اس وقت کدھر جا رہے ہو۔ کوئی ضروری کام ہے کیا؟"

رمیش نے کہا: "نہیں، کوئی خاص کام تو نہیں، عدالت سے آرہا ہوں۔"

آنند چرن بابو نے کہا: "تو گھر چلو! چائے تیار ہوگی۔"

اس وقت پس و پیش کا موقعہ نہ تھا۔ وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اور شرم و حجاب دور کر کے نلنی سے پوچھا: "آپ اچھی تو ہیں؟"

نلنی نے اس کا کوئی جواب نہ دیتے ہوئے کہا: "بڑے غفلت شعار ہیں آپ! پاس ہو گئے۔ مگر خبر تک نہ دی!"

رمیش اس سوال کا جواب سوچنے پر بھی نہ پا کر بولا: "آپ پاس ہو گئیں!"

نلنی نے مسکرا کر کہا: "شکریہ آپ ہماری خبر تو رکھتے ہیں۔"

آنند چرن بابو نے پوچھا: "آج کل کہاں رہتے ہو؟"

"دورگی پاڑے میں!" رمیش نے جواب دیا۔

بابو آنند چرن نے کہا: "کیوں؟ کولوٹولہ میں تمہارا پہلا مکان کیا برا تھا؟"

جواب کے انتظار میں نلنی نے رمیش کے چہرے پر اشتیاق آمیز نگاہ ڈالی جس نے رمیش کے دل پر گہری چوٹ پہنچائی۔ اس نے کہا: "ہاں پھر اسی مکان میں آنے کے متعلق سوچ رہا ہوں!"

رمیش نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ نلنی اس کا مکان دور ہونے کی بابت سوچ کر مغموم ہو اٹھی ہے۔ لیکن اب صفائی پیش کرنے کا موقعہ نہ تھا۔ یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں درد سا محسوس کرنے لگا۔ اب سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ نلنی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ رمیش خود بخود کہہ اٹھا: "وہاں میرا ایک عزیز رہتا ہے۔ اس کی خبر گیری کے لئے دورگی پاڑے میں مکان لینا پڑا ہے۔"

رمیش نے کچھ جھوٹ نہ کہا تھا۔ نلنی اب بھی بدستور باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ کیا کہے۔ اس کا رمیش فیصلہ نہ کر سکا۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد اس نے صرف اتنا ہی کہا۔

"جوگیندر کا کیا حال ہے؟"

بابو آنند چرن نے کہا: "وہ وکالت کے امتحان میں فیل ہو گیا ہے۔ اور اب مغرب کی سیر کو گیا ہے۔"

گاڑی مکان پر پہنچی۔ اس جانے پہچانے مکان اور اس کے آراستہ ساز و سامان نے رمیش پر جادو سا کر دیا۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ چائے پینے لگا۔

یکایک آنند چرن نے پوچھا: "اس مرتبہ تو تم بہت دن گھر پر رہے۔ کیا کوئی خاص کام تھا؟"

"پتا جی کا انتقال ہو گیا" رمیش نے غم آلود لہجے میں کہا۔

"ایں، کیا کہا ___؟ کیسے ___؟" آنند چرن بابو نے حیرت و غم کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"وہ پدما ندی کے راستے گھر آ رہے تھے" رمیش نے کہا۔ "یکایک طوفان آ گیا۔ کشتی ڈوب گئی اور وہ بھی......"

جس طرح ہوا کے تیز و تند جھونکے سے آسمان بادلوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ غم آگیں خبر سن کر نلنی کا دل رمیش کی طرف سے شکوک و شبہات کے گرد و غبار سے صاف ہو گیا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا: "میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ رمیش بابو باپ کی موت کے باعث غمگین و متفکر تھے۔ میں ناحق انہیں قصوروار ٹھہراتی رہی۔"

نلنی رمیش کو اور بھی محبت آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ رمیش کی توجہ کھانے پینے کی طرف نہ تھی۔ تاہم نلنی نے طرح طرح سے تسلی دے کر اسے کھلایا۔ اور کہا: "آپ بہت لاغر ہو گئے ہیں!"

پھر آنند چرن بابو سے کہا: "پتا جی! رمیش بابو آج رات یہیں کھانا کھائیں، تو اچھا ہے؟"

آنند چرن نے کہا: "ہاں بہت اچھا۔"

عین اسی وقت اکھشے آ گیا۔ رمیش کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں جل اٹھا مگر بظاہر ہنس کر بولا: "رمیش بابو! میں سمجھا تھا آپ ہم لوگوں کو بھول گئے۔"

رمیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف مسکرانے لگا۔ اکھشے کمار نے کہا: "آپ کے والد آپ کو جس طرح جلدی سے گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ میرا خیال ہے انہوں نے آپ کی شادی

کئے بغیر یہاں نہ آنے دیا ہوگا۔ کیسے سب جھگڑے طے کر آئے؟"

نلنی نے اکشے پر غضب آلود نگاہ ڈالی۔ آنند چرن بابو نے کہا "ان کے والد اچانک موت کا شکار ہو گئے۔"

رمیش اپنا سر رخ چہرہ جھکائے بیٹھا رہا۔ نلنی دل ہی دل میں اکشے پر بے حد ناراض ہو رہی تھی۔ وہ رمیش سے مخاطب ہو کر بولی "رمیش بابو! آپ نے میرا نیا البم نہیں دیکھا؟"

یہ کہہ کر وہ البم اٹھا لائی اور ایک علیحدہ میز پر لے جا کر رمیش کو تصاویر دکھلانے لگی۔ یکایک اس نے آہستہ سے پوچھا "رمیش بابو! کیا آپ نئے مکان میں تنہا رہتے ہیں؟"

"ہاں!" رمیش نے جواب دیا۔

"ہمارے پاس والے مکان میں آنے میں دیر نہ کیجئے گا۔"

رمیش نے کہا "نہیں، میں سوموار کو آ جاؤں گا۔"

نلنی نے کہا "میں سوچ رہی ہوں کہ آپ سے فلسفہ پڑھ لیا کروں گی۔"

رمیش نے دل میں مسرت کا اظہار کیا۔

(۸)

رمیش نے پرانے مکان میں آنے میں واقعی دیر نہ کی۔ اس سے پیشتر نلنی سے جو مغائرت سی تھی، اب وہ بالکل جاتی رہی۔ رمیش ان سب میں ایسا مل گیا گویا وہ اس گھر کا ایک فرد ہو۔ ہنسی مذاق، راگ رنگ اور دعوتوں کی دھوم مچ گئی۔

رات دن تعلیم میں مصروف رہنے اور سخت محنت کرنے کے باعث نلنی کا چہرہ قدرے پژمردہ ہو گیا تھا۔ وہ بہت کم گو ہو گئی تھی۔ اور اس سے بات کرتے ہوئے اندیشہ لاحق رہتا تھا کہ مبادا کوئی غیر مناسب بات زبان سے نکل جائے۔ اور وہ ناراض ہو جائے۔

لیکن اب چند ہی روز میں اس کی حالت یکسر تبدیل ہو گئی۔ زرد رُخساروں پہ

سرخی جھلکنے لگی۔ بات بات پر اس کی آنکھیں مسرت کی دلفریب جھلک سے تلملا اٹھتی تھیں۔ پہلے وہ اپنے لباس کی طرف چنداں توجہ نہ دیتی تھی لیکن اب اس کا خاص خیال رکھنے لگی تھی۔ یکایک یہ تبدیلی کیوں ہوئی؟ یہ کوئی بھی جان نہ سکا۔

احساسِ فرض کے بارِ گراں کے نیچے دب کر رمیش بے حد سنجیدہ و خاموش طبع ہوگیا تھا۔ ہر وقت کے غور و فکر نے اسے لاغر و مضمحل بنا دیا تھا۔ لیکن اب وہ بھی کسی قدر خوش رہنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ اگر کوئی اس کے مذاق کا معقول جواب دے سکتا ہوتا، تو وہ ہنس دیتا تھا۔ اگرچہ بال بنانے کی طرف اس نے دھیان نہ دیا تھا۔ لیکن اس کی چال ڈھال پہلے کی مانند سست نہ رہی تھی۔ اس کے تبسم میں ایک لطیف شوخی آگئی تھی۔

(۹)

شاعری میں محبت کے لئے جو لوازمات قرار دئے گئے ہیں۔ وہ کلکتہ ایسے پُر ہجوم کاروباری شہر میں ناپید ہیں۔ وہاں پھولوں سے لدے ہوئے اشوک اور مولسری کے باغیچے کہاں؟ مالتی اور مادھوی کی خوشگفتہ پھولوں سے لدی ہوئی جھکی بیلیں کہاں؟ کوئل کے دلکش نغمے کہاں؟ اس کے باوجود اس حسنِ فطرت سے خالی شہر سے محبت کا ساحر دیوتا مایوس واپس نہیں جاتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ گاڑی گھوڑوں کے ہجوم اور ٹرام کے شور و شر سے لبریز راہوں میں عشق کا دیوتا اپنی کمان سنبھالے دن رات چکر نہیں لگاتا۔

رمیش اور نلنی کولوٹولہ میں چیٹرجی کی دوکان کے سامنے ایک بنئے کی دکان کے متصل کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے وہ عشق و محبت میں کسی سے پیچھے تھے۔

نلنی نے امتحان کی تیاری کے باعث سلائی کی طرف زیادہ توجہ نہ دی تھی۔ مگر اب وہ کچھ دنوں سے اپنی ایک سہیلی سے سلائی کا کام سیکھنے لگی تھی۔ رمیش سلائی وغیرہ کو فضول اور بے کار سمجھتا تھا۔ اسے علم و ادب پر نلنی سے مباحثہ میں لطف آتا تھا۔ اسی لئے اب وہ نلنی سے اچھی طرح گفتگو نہ کرتا تھا۔ بلکہ بے رخی کا اظہار کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کہا۔

"آج کل سلائی کی طرف آپ کی اس قدر توجہ کیوں ہے؟ جس کے لئے وقت گزارنے کا کوئی مشغلہ نہ ہو، اس کے لئے یہ چیز بے شک اچھی ہے۔"

نلنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف کسی قدر مسکرا کر رہ گئی۔ اکھشے نے طنزیہ انداز میں کہا "گھر گرہستی کے لئے جو کام ضروری ہیں۔ وہ مسٹر رمیش کی نگاہ میں بیکار ہیں حضرت! آپ کتنے ہی بڑے فلسفی اور شاعر کیوں نہ ہوں۔ مگر جن باتوں کو آپ بیکار اور فضول سمجھتے ہیں، ان کی اہمیت کا آپ کو اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔"

رمیش اکھشے کی بات کا جواب دینے کے لئے کمر باندھ ہی رہا تھا، کہ نلنی نے دخل دیتے ہوئے کہا "رمیش بابو! آپ ان باتوں کا جواب دینے کے لئے اتنے مضطرب کیوں ہو رہے ہیں؟ باتوں ہی باتوں میں معاملہ بڑھ جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا۔ اور رمیش کی تعریف کرنے لگی۔ پھر دہی فلسفہ کا ذکر چھڑ گیا۔

ایک دن صبح رمیش نے اپنے مطالعے کے میز پر آ کر دیکھا۔ ایک خوش رنگ و خوبصورت پیڈ رکھا ہے۔ اس پر مخمل لگی ہوئی ہے۔ اور اس پر ریشمی پھول بنے ہوئے ہیں۔ ایک کونے میں "ر" لکھا ہے۔ اور دوسرے کونے میں سنہری تاروں سے کنول کا پھول بنا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر اندر ہی اندر رمیش کا دل مسرت سے کنول کے پھول کی طرح کھل اٹھا۔ اس کے دل نے بغیر کسی پس و پیش کے تسلیم کر لیا کہ یہ سلائی کا کام فضول و بیکار نہیں۔ اس پیڈ کو سینے سے لگا کر وہ اکھشے سے ہار ماننے کو تیار ہو گیا۔ پیڈ کھول کر اس نے اس پر لکھا۔ "اگر میں شاعر ہوتا، تو اس قابلیت و سلیقہ شعاری پر نظم میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔ مگر قسمت نے مجھے اس نعمت عظمےٰ سے محروم رکھا ہے۔ میں اس تحفہ محبت کو کس شوق اور عقیدت سے قبول کرتا ہوں، اسے عالم الغیب ہی جانتا ہے۔ مگر کسی چیز کو قبول کرنا بھی ایک طاقت ہے۔ دینا نظر آتا ہے۔ مگر قبول کرنا دکھائی نہیں دیتا۔"

نلنی نے یہ تحریر پڑھ لی۔ لیکن اس کے بعد دونوں میں اس کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہوا۔

برسات کا موسم آیا۔ شہری اس موسم سے زیادہ محظوظ نہیں ہوتے۔ یہ صرف انہیں کی دلبستگی وتفریح کا باعث ہوتا ہے، جنہیں حسن فطرت سے دلچسپی ہو۔ اس موسم کو صرف دیہات کے لوگ ہی چاہتے ہیں۔ بادلوں کو کبھی وہیں برسنے میں لطف آتا ہے۔ شہروں میں تو چھاتوں اور مکانوں کی چھتوں سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر گاؤں میں اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ وہاں زمین وآسمان کے ملاپ کا نظارہ نہایت دل کش ہوتا ہے۔

محبت کے والہ وشیدا بھی اسی صف میں شامل ہیں۔ ان کی محبت کی بارش بھی رُکنے نہیں پاتی۔ اُدھر بارش نے بابو آنند چرن کو خرابیٔ ہاضمہ کی شکایت پیدا کر دی۔ لیکن ادھر رمیش اور نلنی کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ بادلوں کا سایہ، بجلی کی کڑک، بارش کا نغمہ سب نے مل کر اُن کے دلوں میں وجدانی کیف وسرور کی لہر موجزن کر دی۔ اسی بارش کی وجہ سے رمیش کا کچہری جانا بند ہو گیا۔ کبھی کبھی اس زور کی بارش ہوتی کہ نلنی اضطراب بھرے لہجے میں کہتی۔" رمیش بابو! ایسی بارش میں گھر جا کر آپ کیا کریں گے؟"

رمیش شرماتا ہوا کہتا۔" گھر بہت دور نہیں ہے۔ کسی نہ کسی طرح چلا ہی جاؤں گا۔"

نلنی کہتی۔" سردی لگ جائے گی۔ یہیں ٹھہر جائیے۔ کھانا کھا کر چلے جائیے گا۔"

رمیش کو سردی کی پرواہ نہ تھی، مگر بارش کے دنوں میں اسے نلنی کی نگرانی میں رہنا پڑا۔ اگر رمیش کا گھر چار قدم کے فاصلے پر بھی ہوتا، تو نلنی اس کا جانا گوارا نہ کرتی جب بادل آسمان کو گھیر لیتے، تو نلنی کے یہاں رمیش کو کچہری سے ناشتہ کرنا پڑتا تھا رمیش کو دن میں کئی بار کھلانے سے اسے بدہضمی ہو جائے گی۔ اس بات کا نلنی کو اتنا خوف نہ تھا۔ جتنا بارش کے پانی میں بھیگ کر سردی لگنے کا!

اسی طرح دن گذرتے گئے۔ اس خود فراموشی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ رمیش نے اس پر کبھی غور نہ کیا تھا۔ لیکن آنند چرن بابو برابر سوچتے رہتے تھے۔ اور سماج کے بعض افراد

بھی اس پر حاشیہ آرائی کرنے لگے تھے۔ رمیش جس قدر تعلیمیافتہ تھا۔ اس میں قوت تمیز اتنی نہ تھی۔ اسی لئے اس کے فہم پر پردہ پڑ گیا تھا۔ آنند چرن بابو اس کی طرف آرزو مندانہ —— نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ لیکن انہیں کوئی جواب نہ ملتا تھا۔

(۱۰)

اکھشے کمار کی آواز اتنی اچھی نہ تھی۔ لیکن جب وہ ستار بجا کر گاتا، تو ماہرین کے سوا کوئی اس پر اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ بلکہ کتنے ہی لوگ تو اس سے گانے کے لئے اصرار کرتے تھے۔ آنند چرن بابو کو گانا سننے سے اتنی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن وہ برابر یہ کوشش کرتے تھے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں انہیں گانے بجانے کا شوق نہیں۔

جب کوئی اکھشے کمار سے اصرار کرتا تو وہ کہتے "تم لوگوں میں یہی ایک بڑا نقص ہے۔ وہ بیچارہ گانا جانتا ہے تو کیا ہے چارے پر ایک دم اتنا ظلم کرنا چاہئے"

اکھشے کمار ہاتھ جوڑ کر کہتا تھا "نہیں صاحب اس کی آپ فکر نہ کریں۔ ظلم کی اس میں بات ہی کیا ہے؟"

اصرار کرنے والا خوش ہو کر کہتا "اچھا تو سنائیے"

اس دن دوپہر کے بعد آسمان پر بادل گھر آئے۔ خوب زور سے پانی برسنے لگا۔ شام ہو گئی۔ مگر بارش بند نہ ہوئی۔ اکھشے کمار گھر نہ جا سکا۔ نلنی نے کہا "اکھشے بابو! کچھ گائیے؟"

یہ کہہ کر وہ خود ہارمونیم لے کر بیٹھی۔ اکھشے کمار ستار کا سُر ملا کر گانے لگا۔ اکھشے کمار کیا گا رہا ہے، یہ صاف طور پر کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ سمجھنے کی ایسی کوئی ضرورت بھی نہ تھی اتنا ضرور سمجھ میں آیا کہ پانی برستا ہے۔ مور ناچتا ہے۔ بجلی چمکتی ہے۔ رعد کڑکتی ہے اور ایک شخص سے ملنے کے لئے ایک شخص کا دل بے چین ہو رہا ہے۔

اکھشے کمار ستار میں اپنے دلی جذبات، واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس آواز کا مطلب صرف دو ہستیاں ہی سمجھتی تھیں۔ اس آواز کی لہریں دو ہستیوں ہی کے دلوں میں خاص تاثیر پیدا کر رہی تھیں۔

اس دن جس طرح لگاتار مینہ برس رہا تھا اسی طرح گانے کی بھی جھڑی لگ

گوئی تھی نلنی بار بار اصرار کرکے کہنے لگی : انکھنٹے کمار! آپ کو قسم ہے۔ ابھی گانا ختم نہ کیجئے۔ ایک گیت اور گائیے :

انکھنٹے کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے خوب محنت اور توجہ سے گانا شروع کر دیا۔ بڑی دیر تک اسی طرح محفلِ سرود جاری رہی۔ جب رات کافی گذر گئی۔ اور بارش بند ہو گئی تو انکھنٹے کمار رخصت ہوا۔ رمیش نے اجازت لیتے ہوئے تشنہ نگاہوں سے ایک بار نلنی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ نلنی نے بھی متحیر سی نگاہ سے رمیش کو دیکھا۔ اس کی نگاہ میں بھی گانے کا اثر تھا۔

دوسرے دن صبح رمیش بستر سے اٹھ کر سوچنے لگا ـــــ اگر میں صرف گانا جانتا تو اس کے معاوضے میں اپنی بہت سی چیزیں دے ڈالنے سے نہ ہچکچاتا۔

لیکن کبھی کسی طریق سے گانا آسکے گا، رمیش کو یہ امید نہ تھی۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا، کہ گانا نہ آیا تو نہ سہی۔ لیکن ساز وہ ضرور سیکھے گا۔ اس سے پہلے اس نے ایک دن آنند چرن بابو کے سونے والے کمرے میں ستار لے کر چونہی کھونٹی اینٹھی، اس کا ایک تار ٹوٹ گیا۔ اس کا سارا حوصلہ ختم ہو گیا۔ تب وہ ایک چھوٹا سا ہارمونیم خرید لایا کواڑ بند کرکے بڑی ہوشیاری سے اس پر انگلی پھیر کر دیکھا۔ تو اس نے ستار کی بجائے ہارمونیم کو زیادہ اچھا سمجھا۔ اسے امید بندھ گئی کہ ہارمونیم ضرور سیکھ سکے گا۔

دوسرے دن آنند چرن بابو کے گھر قدم رکھتے ہی نلنی نے پوچھا۔ کہیے! کل آپ کے گھر سے ہارمونیم کی آواز کیسی آتی تھی؟

رمیش نے سوچا تھا دروازہ بند کرکے ہارمونیم بجانے سے کسی کو خبر تک نہ ہو گی۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ کوئی کان ایسے بھی ہیں، جو اس کے بند گھر کی بھی خبر رکھتے ہیں۔ رمیش کو تھوڑے ندامت کے ساتھ تسلیم کرنا پڑا کہ " میں ایک ہارمونیم لایا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں ہارمونیم بجانا سیکھ سکوں "۔

نلنی نے کہا۔ " گھر میں کواڑ بند کرکے کیوں بیکار کوشش کرتے ہیں۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ آپ یہیں آکر مشق کریں۔ میں جہاں تک جانتی ہوں آپ کو مدد دوں گی "۔

رمیش نے کہا۔ "میں اس معاملہ میں بالکل کورا ہوں۔ میرے ساتھ آپ کیوں خواہ مخواہ تکلیف اُٹھائیں گی؟"

نلنی بولی "میں جو کچھ جانتی ہوں اُسے بتانے میں مسرت محسوس کروں گی۔"

نلنی ایسے شفیق استاد کے محبت سے سکھانے پر بھی رمیش کا دماغ سُروں کو نہ سمجھ سکا۔

نلنی سکھاتے سکھاتے تھک گئی۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ جس طرح تیرنے سے ناواقف آدمی پانی میں گر کر پاگلوں کی طرح اُلٹے سیدھے ہاتھ پیر پھینکنے لگتا ہے اسی طرح رمیش بھی موسیقی کے گہرے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتا نظر آتا تھا۔ اس کی کون سی انگلی کب کہاں جا پڑتی تھی، اس کا بھی اسے کچھ خیال نہ رہتا تھا۔ اس کی بے سُری موسیقی سُن کر نلنی ہنس کر کہتی "یہ کیا کر رہے ہیں۔ بالکل غلط بجا رہے ہیں۔ پھر بجائیے!"

رمیش فوراً دوسری غلطی سے پہلی غلطی کی اصلاح کرتا۔ نلنی کے بار بار کہنے پر بھی رمیش کا ہاتھ اپنا الھڑپن نہ چھوڑتا تھا۔ جس طرح سڑک کوٹنے کا انجن آہستہ آہستہ سڑک پر چلتا ہوا یہ نہیں دیکھتا، کہ اس کے نیچے کون دبتا اور کون پستا ہے اسی طرح رمیش کا ہاتھ تال اور سُر کو پیستا چلا جاتا۔

نلنی اس کی اس حماقت پر ہنستی تھی، رمیش بھی ہنستا تھا۔ رمیش کی غلطی کرنے کی غیر معمولی طاقت پر نلنی کو مسرت ہوتی تھی، بھول جانے سے، ہارمونیم بے سُرا بجانے سے، یا اور کسی طرح کی عدم قابلیت سے محظوظ و مسرور ہونے کی خوبی ایک محبت ہی میں ہے۔ چھوٹا بچہ چلنا سیکھتے وقت اُلٹے سیدھے پیر رکھ کر بار بار گرتا ہے۔ اس سے بچے پر ماں باپ کی محبت اور بڑھتی ہے۔ ہارمونیم بجانے میں رمیش جو عجیب و غریب غلطیاں کرتا تھا وہ نلنی کے لئے ایک طرح کی دلچسپی کا باعث بن گئی تھیں۔

رمیش کبھی کبھی نلنی سے کہتا "اچھا تم جو اتنا ہنستی ہو۔ تو کیا جب تم نے پہلے پہلے ہارمونیم سیکھا تھا۔ تو غلطیاں نہیں کرتی تھیں؟"

"غلطی ضرور کرتی تھی۔ لیکن سچ کہتی ہوں رمیش بابو! آپ کی غلطی سے اس کا موازنہ

نہیں ہو سکتا۔"

رمیش اس پر نہ جھینپتا تھا، نہ بُرا مانتا تھا۔ بلکہ ہنس کر پھر کوشش کرنے لگتا تھا
آنند چرن بابو موسیقی میں بُرے بھلے کی تمیز نہ کر سکتے تھے۔ وہ کبھی کبھی کان کھڑے کر کے
کہتے تھے "دیکھتا ہوں، اب رمیش کا ہاتھ آہستہ آہستہ جمتا جا رہا ہے۔ پختہ ہوتا جا
رہا ہے۔"

نلنی کہتی "ہاتھ پختہ ضرور ہوتا جاتا ہے لیکن بے سُرا بجانے میں!"

آنند چرن بابو کہتے "نہیں، نہیں، اب اس نے پہلے سے بہت ترقی کر لی ہے۔
میرے خیال میں تو اگر رمیش دل لگا کر سیکھے گا، تو جلد ہی سیکھ جائے گا۔ گانے بجانے
میں رکھا ہی کیا ہے۔ صرف مشق کی ضرورت ہے۔ ایک دفعہ جہاں سرگم کا اچھی طرح
علم ہوا، پھر گانا بجانا سب آسان ہو جاتا ہے۔"

کسی کو ان باتوں کی تردید کی جرأت نہ ہوتی۔ سب چپ چاپ رہ جاتے۔

(۱۱)

آنند چرن بابو ہر سال درگا پوجا کی تعطیلات میں نلنی کے ہمراہ اس کے بہنوئی سے
ملنے جبلپور جایا کرتے تھے۔ بھادوں کا مہینہ نصف سے زائد گزر چکا تھا۔ اور تعطیلات میں
دیر نہ تھی۔ آنند چرن بابو سفر کی تیاریوں میں منہمک تھے۔

رمیش ان دنوں نہایت تن دہی اور جانفشانی سے ہارمونیم سیکھنے میں محو تھا۔
ایک دن دوران گفتگو میں نلنی نے کہا۔ "رمیش بابو! میرا خیال ہے کچھ دنوں کے لئے
تبدیل آب و ہوا کی بے حد ضرورت ہے۔"

آنند چرن نے سوچا نلنی کا کہنا درست ہی ہے۔ وہ بولے: "رمیش! مغربی صوبوں
کی آب و ہوا نہایت اچھی اور صحت بخش ہے۔"

نلنی نے کہا: "رمیش بابو! آپ نے نربدا ندی کا جھرنا دیکھا ہے؟"

"نہیں" رمیش نے جواب دیا۔

نلنی بولی: "تو آپ کو ضرور دیکھنا چاہئے۔"

"ضرور، ضرور!" آنند چرن بابو نے تائید کی۔ "رمیش ہمارے ساتھ چلو۔ تبدیل آب و ہوا کے ساتھ سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔"

رمیش کچھ سوچ کر رضامند ہو گیا۔ اس کا دل تصورات کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہواؤں میں اُڑنے لگا۔ وہ بے خود سا اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے ہارمونیم لے کر بیٹھ گیا۔ اور اس کی انگلیاں دیوانہ وار ہارمونیم کے پردوں پر رقص کرنے لگیں۔ نلنی کے ساتھ جانے کے خیال سے اس کے دل و دماغ میں کیف و سرور کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ اور اس جوشِ مسرت میں وہ موسیقی کی ہر پابندی کو بھول سا گیا۔

اچانک کسی نے زور سے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کہا "ٹھہرو رمیش بابو! یہ کیا کرتے ہو؟"

رمیش نے نادم ہو کر دروازہ کھولا۔ اکھشے نے اندر داخل ہو کر کہا "کمرے میں چھپ کر یہ کیا غلط سلط بجا رہے ہو۔"

رمیش نے اپنا قصور تسلیم کر لیا۔ اکھشے نے کہا "رمیش بابو! اگر بُرا نہ مانیں، تو ایک بات کہوں؟"

رمیش مضطربانہ اس کے منہ کی طرف دیکھ کر اس کی بات کا انتظار کرنے لگا۔ اکھشے نے کہا۔ "رمیش بابو! کیا آپ نے سمجھ رکھا ہے کہ میں نلنی کی بُرائی بھلائی کے خیال سے بے پرواہ ہوں؟"

رمیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اکھشے نے پھر کہا: "آنند چرن بابو کا دوست ہونے کی حیثیت میں مجھے یہ دریافت کرنے کا پورا حق حاصل ہے کہ اس معاملے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

رمیش کو یہ بات نہایت بُری معلوم ہوئی۔ لیکن اُسے تُرکی بہ تُرکی جواب دینے کی عادت نہ تھی۔ اس نے نرم لہجے میں کہا: "آپ کے دل میں یہ شک کیوں پیدا ہوا کہ اس کے متعلق میرا کوئی بُرا مقصد ہے؟ آخر آپ نے کوئی بات دیکھی ہوگی۔"

اکھشے نے کہا۔ "دیکھیے آپ ہندو ہیں۔ آپ کے والد کٹر سناتن دھرمی تھے۔

اس خوف سے کہ آپ کسی برہمو سماجی کے یہاں شادی نہ کر لیں۔ وہ آپ کی شادی کے لئے آپ کو گھیرے گئے تھے۔"

اکھشے تک یہ اطلاع پہنچنے کا خاص سبب تھا۔ در اصل اکھشے ہی نے رمیش کے والد کے دل میں یہ شک پیدا کیا تھا۔ رمیش کچھ دیر تک اکھشے کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکا۔

اکھشے نے پھر کہا۔ "کیا اپنے والد کی وفات کے بعد آپ اپنے کو خود مختار سمجھتے ہیں ان کی خواہش کیا تھی۔ کیا یہ تھی ....."

اب رمیش سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے ٹوکتے ہوئے کہا "دیکھئے اکھشے بابو، اگر آپ کو میرے ساتھ کسی اور کو لپیٹ کر مجھے نصیحت کرنے کا اختیار ہے تو ضرور کیجئے میں خاموشی سے سنوں گا لیکن میرے اور میرے پتا جی کے تعلقات کے بارے میں کوئی بات کہنے کا آپ کو قطعاً حق نہیں۔"

اکھشے نے کہا "بہت، لیکن یہ تو بتائیے کہ نلنی سے شادی کرنے کا خیال ہے یا نہیں، یہ بات آپ کو بتانا ہی ہوگی۔"

چوٹ پر ایک اور چوٹ لگی۔ رمیش تلملا کر بولا۔ "دیکھئے اکھشے بابو۔ آپ نند چرن کے دوست ہو سکتے ہیں لیکن مجھ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ براہ کرم مجھ سے ایسی گفتگو نہ کیجئے!"

اکھشے نے کہا:-

"میرے طے کرنے سے پیشتر اگر آپ زیادتی سے کام نہ لیتے، تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ اگرچہ آپ بڑے آدمی ہیں۔ اور آپ کی نگاہ میں ایسی باتیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن آپ خود غور کیجئے کہ ایک شریف اور معزز آدمی کی لڑکی سے آپ جو سلوک کر رہے ہیں، وہ کہاں تک جائز و روا ہے۔ آپ اس کی جواب دہی سے اپنے آپ کو کسی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ جس سے آپ کو محبت ہے۔ آپ کی اس محبت ہی کے باعث سماج میں اسے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔"

رمیش نے جواب دیا: "آپ کے اس دوستانہ مشورہ کا شکریہ! میں اپنے فرض راہِ عمل کا فیصلہ بہت جلد کروں گا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

لکھشمے نے کہا: "رمیش بابو! آپ کے اس دانشمندانہ جواب سے مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ آخر آپ نے اپنے فرض کی طرف توجہ تو کی۔ اور اس کی تکمیل کے لئے آمادگی کا اظہار تو کیا۔ مجھے آپ سے اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ معاف فرمائیے گا۔ میں خواہ مخواہ آپ کے گانے بجانے میں خلل انداز ہوا۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

لیکن اس کے جانے کے بعد باجے کی بے سُری آواز سُنائی نہیں دی۔ رمیش سر جھکا کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے نیم دراز سا پڑا رہا۔ دیوار گیر نے پانچ بجائے تو وہ اُٹھا۔ اور نلنی کے ہاں پہنچ گیا۔

"آج کی چائے میں کوئی لطف نہیں آیا؟" نلنی نے متعجب ہو کر پوچھا "رمیش بابو! آج اس قدر اداس اور متفکر کیوں ہیں؟"

رمیش نے کہا "نہیں، کوئی ایسی بات تو نہیں۔"

آنند چرن بابو نے کہا: "نہیں کچھ نہیں، ہاضمہ کی خرابی معلوم ہوتی ہے۔ میں ایک گولی دیتا ہوں۔ وہ کھا لیجئے۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

نلنی نے فوراً کہا ــــــ "نہ بابا، گولی انہیں نہ دیجئے۔ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔"

"تو کچھ نقصان بھی نہ پہنچائے گی؟" آنند بابو نے کہا "میں نے اب تک جتنی گولیاں استعمال کی ہیں۔ ان سب میں اسے مفید پایا ہے۔"

نلنی نے کہا "میرے خیال میں تو کچھ ایسی فائدہ مند نہیں۔"

"تمہیں تو کسی بات پر یقین آتا ہی نہیں۔ اچھا، لکھشمے سے پوچھو۔ اسے ان سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔"

اس خوف سے کہ کہیں شہادت کے لئے گواہ کو نہ بلا لیا جائے۔ نلنی کو شکست

مان لینی پڑی لیکن گواہ خود ہی آموجود ہوا۔ آتے ہی کہا۔ "بابو جی! مجھے ایک گولی اور دیجئے۔ اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ آج طبیعت ہلکی معلوم ہوتی ہے۔" آنند چرن بابو فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ نلنی کی طرف دیکھنے لگے۔

(۱۳)

تبدیلِ آب و ہوا کے لئے صوبہ سے باہر جانے کا وقت رفتہ رفتہ قریب آرہا تھا۔ نلنی دل ہی دل میں اس سفر کے متعلق سوچ کر بے حد خوش ہوتی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔ کہ صبح رمیش بابو آئیں گے۔ تو ان سے مشورہ کروں گی، کہ وہاں کون کون سی کتابیں لے چلنا ہوں گی۔ یہ طے ہو چکا تھا، کہ رمیش آج معمول سے بہت پہلے آجائے گا۔ کیونکہ چائے پیتے وقت اکھٹے یا کسی اور شخص کے آجانے سے اُسے رمیش سے صلاح مشورہ کا موقعہ نہ ملتا تھا۔

لیکن رمیش آج اُلٹا بہت دیر سے آیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بھی متغیر تھا۔ اور اس پر رنج و فکر کے آثار ہویدا تھے۔ نلنی کی امیدوں اور حوصلوں پر اوس پڑ گئی۔ اس نے موقعہ پاکر آہستہ سے پوچھا "آج آپ اتنی دیر سے کیوں آئے؟"

رمیش نے لاپرواہی سے جواب دیا "ہاں آیا۔ ذرا دیر ہو گئی"

آج نلنی نے اپنے بالوں کو نہایت دلکش انداز میں سنوارا تھا۔ اور لباس تبدیل کر کے کتنی ہی بار گھڑی دیکھی تھی۔ وہ بہت دیر تک سوچتی رہی، کہ غالباً گھڑی غلط ہے۔ ورنہ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ جب بہت دیر ہو گئی اور وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی سلائی کرتی ہوئی اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی۔ تو رمیش آیا۔ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار دیکھ کر اسے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ رمیش کی اس حالت کے باعث نلنی چائے بھی دلجمعی سے نہ پی سکی۔

گھر کے ایک کونے میں چھوٹی سی میز پر کتنی ہی کتابیں پڑی تھیں۔ نلنی کسی طرح رمیش کی توجہ ادھر منعطف کرنے کے لئے کتابیں اُٹھا کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

رمیش یکایک قریب آکر بولا "یہ سب کہاں لئے جا رہی ہو؟ ساتھ لے جانے کیلئے؟"

کتابوں کا انتخاب نہ کروگی؟"

نلنی کے ہونٹ کانپنے لگے۔ انتہائی کوشش سے اپنے آنسوؤں کو روکتے ہوئے وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "جانے دیجئے۔ کتابوں کے انتخاب سے کیا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلی گئی۔ اور اوپر خواب گاہ میں جا کر کتابیں فرش پر پٹخ دیں۔

رمیش کا دل اور بھی مضطرب ہو اٹھا۔ اکھشے نے دل ہی دل میں ہنس کر کہا۔ "رمیش بابو! معلوم ہوتا ہے آج آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے!"

جواب میں رمیش نے ہونٹ بڑبڑا کر مبہم سے الفاظ میں کچھ کہا۔ جسے کوئی نہ سمجھ سکا۔ طبیعت کی خرابی کا لفظ کان میں پڑتے ہی آنند چرن نے کہا۔ "میں نے تو رمیش کو دیکھتے ہی کہا تھا!"

اکھشے نے منہ بگاڑ کر ہنستے ہوئے کہا "صحت کی طرف سے تو رمیش بابو بالکل بے پرواہ ہیں۔ ان کا ہاضمہ شاندار ہے۔ کھانا ہضم نہ ہو، تو کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ رمیش بابو! میرا کہنا مانیے۔ آپ کو بابو آنند چرن کی گولی کھانی چاہئے۔"

رمیش نے کہا "بابو آنند چرن سے مجھے آج ایک خاص بات کہنا ہے۔ اس لئے بیٹھا ہوں۔"

اکھشے نے کرسی سے اٹھ کر کہا "دیکھئے، رمیش بابو تمام باتیں دل میں چھپائے رکھتے ہیں۔"

اکھشے کے چلے جانے پر رمیش نے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے اپنے عزیزوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ میری زبان اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔"

آنند چرن نے کہا "تم میرے جوگیندر کے دوست ہو۔ اگر تمہیں عزیز نہ مانوں تو اور کیا مانوں؟"

اب دماغ پر کافی زور دینے کے باوجود رمیش کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس تمہید کے بعد گفتگو کس طرح شروع کرے۔ بابو آنند چرن نے رمیش کی مشکل کو حل کرتے ہوئے کہا
"رمیش! میں کہہ نہیں سکتا کہ تم ایسے لڑکے کو پا کر میں کتنا خوش ہوں"
لیکن اب بھی رمیش کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلا۔

آنند چرن نے کہا: "باہر کے لوگ تمہارے متعلق بہت سی باتیں کہنے لگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نلنی اب جوان ہو گئی ہے۔ اس کے ملنے جلنے والوں پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ میں نے سب کو یہی جواب دیا ہے کہ مجھے رمیش پر اعتماد ہے۔ وہیں وہ کبھی فریب نہ دے گا۔"

اب رمیش کچھ کہنے کے قابل ہوا۔ بولا: "آپ تو میرے متعلق سب کچھ جانتے ہیں، اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں، تو ....."

"یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تقریباً سب کچھ ٹھیک کر لیا ہے۔ مگر صرف تمہاری مصروفیتوں کی وجہ سے دن مقرر نہ کر سکا۔ مگر اب دیر کرنا مناسب نہیں۔ سماج میں اس موضوع پر تبصرے ہو رہے ہیں۔ اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو۔ اس تذکرہ کو روک دینا چاہئے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

رمیش نے سر جھکا کر جواب دیا: "جو کچھ آپ کہیں گے وہی ہو گا۔ لیکن سب سے پہلے نلنی کی رائے دریافت کرنا ضروری ہے۔"

آنند چرن نے کہا: "یہ تو درست ہے۔ لیکن اب بات طے پا گئی ہے۔ تاہم کل صبح اس سے دریافت کر دوں گا۔"

"اب آپ کو سونے میں دیر ہو رہی ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

"ذرا ٹھہرو، میری خواہش ہے کہ جبلپور روانہ ہونے سے پہلے ہی شادی ہو جائے۔"

"لیکن روانگی میں تو اب زیادہ دیر نہیں۔"

"ہنیں ابھی تو دس دن باقی ہیں۔ آئندہ اتوار کو اگر تمہاری شادی ہو جائے تو پھر بھی دو تین دن باقی رہیں گے۔ اس لئے میں جلدی کر رہا ہوں۔ مجھے اپنی صحت

کی بھی فکر ہے ۔"

رمیش نے اتفاق کا اظہار کیا۔ اور ایک گولی کھا کر رخصت ہوا۔

(۱۳)

کملا کے سکول میں ابھی تعطیلات ہونے والی تھیں۔ رمیش نے معلمہ سے مل کر چھٹیوں میں بھی کملا کو بورڈنگ ہی میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

علی الصبح اُٹھ کر شہر کے باہر میدان میں گھومتے ہوئے رمیش نے فیصلہ کیا کہ نلنی سے کملا کے تمام حالات کہہ دے گا۔ اس کے بعد کملا سے بھی تمام حالات کہنے کا موقعہ مل جائیگا۔ اور کملا نلنی کے ساتھ آرام سے رہ سکے گی۔ چونکہ دھوں میں رہنے سے لوگ طرح طرح کی باتیں کہیں گے۔ اس لئے ہزاری باغ میں رہائش اختیار کر لوں گا۔

میدان سے واپس آ کر رمیش بابو آنند چرن کے گھر گیا۔ زینہ طے کرتے ہوئے اچانک نلنی سے اس کا سامنا ہو گیا۔ اگر کوئی اور دن ہوتا۔ تو نلنی ضرور اس سے گفتگو کرتی۔ لیکن آج اس کا چہرہ رمیش کو دیکھتے ہی سُرخ ہو گیا۔ اور اس سُرخی میں مسکراہٹ کی ہلکی سی جھلک بھی نمایاں تھی۔ اس نے منہ پھیر کر سر جھکا لیا۔ اور تیزی سے چلی گئی۔

تھوڑی دیر تک آنند بابو سے باتیں کرنے کے بعد رمیش اپنے گھر چلا آیا۔ اور نلنی سے جو نئی طرز سیکھی تھی، ہارمونیم پر اس کی مشق کرنے لگا۔

چائے کے مقررہ وقت سے پیشتر ہی رمیش نلنی کے گھر آ پہنچا۔ اس سے پہلے نلنی کے ملنے میں کسی قسم کی دیر نہ ہوتی تھی۔ مگر آج اس نے چائے کے کمرے میں آ کر دیکھا کہ نلنی وہاں نہیں۔ دوسری منزل میں بھی وہ نظر نہ آئی۔ وہ اب تک اپنی خواب گاہ میں بیٹھی سلائی میں مصروف تھی۔ اور اس کی امنگیں اور آرزوئیں مسرت سے اس کے چاروں طرف رقص کر رہی تھیں۔

آنند چرن میز کے پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ رمیش رہ رہ کر منتظر اور مضطرب نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یکایک پاؤں کی آہٹ ہوئی۔ رمیش کی پُراشتیاق نگاہیں اُٹھیں۔ لیکن فوراً مایوس ہو کر رہ گئیں۔ اکھشے اندر داخل ہوا۔ اور پر تکلف لہجے میں بولا "رمیش بابو! میں تو آپ کے گھر گیا تھا۔"

رمیش کے چہرے پر اضطراب کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اکھشے نے ہنس کر کہا "رمیش بابو گھبرانے کی کیا بات ہے؟ میں آپ پر حملہ کرنے تو نہیں گیا تھا۔ دوستوں کا فرض ہے کہ خوشخبری سن کر مبارکباد دیں۔ میں بھی اپنا فرض ادا کرنے گیا تھا۔"

یہ سن کر بابو آنند چرن کو خیال آیا، کہ نلنی موجود نہیں۔ انہوں نے اسے آواز دی۔ اور کوئی جواب نہ پاکر خود ہی اسے بلانے اوپر گئے۔ "نلنی! یہ کیا۔ تم ابھی تک سلائی میں مصروف ہو! چائے تیار ہے۔ رمیش اور اکھشے بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔"

نلنی نے سُرخ چہرے سے جواب دیا "پتا جی! میری چائے اوپر ہی بھیج دو۔ آج میں سلائی کا کام ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہی تو تم میں نقص ہے۔" آنند چرن نے کہا "کوئی چیز لے بیٹھتی ہو تو اور کسی طرف تمہاری نظر ہی نہیں جاتی۔ جب پڑھنے پر آتی ہو تو ہر وقت ہاتھ میں کتاب! اب سلائی کا جنون سوار ہوا ہے۔ تو اور سب کام بند! یہ کبھی نہ ہوگا۔ چلو چائے پیو!"

یہ کہہ کر بابو آنند چرن نے نلنی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور نیچے لے آئے۔ نلنی آنکھیں جھکائے چائے بنانے لگی۔

یکایک آنند چرن نے کہا۔ "یہ کیا کر رہی ہو نلنی؟ میرے پیالے میں شکر کیوں ڈال دی؟ میں کبھی چائے میں شکر ڈالتا ہوں؟"

اکھشے نے ہنستے ہوئے کہا "وہ آج کوئی احتیاط نہیں رکھنا چاہتیں۔ آج سب کو مٹھائی تقسیم کریں گی!"

رمیش کے لئے نلنی سے اکھشے کا یہ مذاق ناقابل برداشت ہو گیا۔ لیکن آنند چرن بابو کے سامنے وہ کہے کیا؟"

اتنے میں اکھشے اس کی طرف مخاطب ہوا۔ "رمیش بابو، آپ اپنا نام بدل ڈالئے؟"

رمیش نے تیوری چڑھا کر کہا "کیوں ؟"

اکھشے نے اخبار کھول کر کہا "یہ دیکھئے، آپ کے نام کے ایک شخص نے دوسرے کا نام رکھ کر امتحان پاس کیا تھا اور اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

نلنی جانتی تھی کہ رمیش اس کا جواب نہ دے سکے گا۔ وہ خود اکھشے کی اس چوٹ کا جواب دینے کے لئے تیار ہو گئی مسکرا کر اس نے تلخ لہجے میں کہا "اکھشے نام کے بہت سے لوگ جیل خانے میں بند ہیں۔"

اکھشے نے کہا "اور لیجئے۔ دوست ہو کر نیک مشورہ دینے پر آپ ناراض ہوتی ہیں تو لیجئے۔ پھر یہی بات پوری وضاحت سے کہتا ہوں۔" آپ تو جانتی ہی ہیں، میری چھوٹی بہن شاردا گرلز سکول میں پڑھنے جاتی ہے۔ کل شام اس نے آ کر کہا — بھیا تمہارے رمیش بابو کی بیوی ہمارے سکول میں پڑھتی ہے — میں نے کہا — مس پگلی! کیا ہمارے رمیش بابو کے سوا اور کوئی رمیش نہیں؟ — شاردا نے کہا — خیر کچھ بھی ہو، لیکن وہ اپنی بیوی سے بڑی بے انصافی کرتے ہیں۔ تعطیلات میں عموماً سب لڑکیاں اپنے اپنے گھر چلی جاتی ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو بورڈنگ ہی میں رکھتے ہیں۔ میں نے اسی وقت اپنے دل میں کہا۔ یہ اچھی بات نہیں۔"

آنند چرن ہنس کر بولے "اکھشے! تم کیسی پاگلوں کی سی باتیں کر رہے ہو! کسی رمیش کی بیوی سکول میں پڑھتی ہے۔ تو ہمارے رمیش بابو کیا اپنا نام تبدیل کر لیں؟"

رمیش کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اکھشے نے کہا "رمیش بابو! آپ ناراض ہو کر کیوں جاتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے آپ پر شک کیا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ رمیش کے پیچھے پیچھے چلا۔

آنند چرن نے کہا "بات کیا ہے؟"

نلنی رونے لگی۔ آنند چرن نے بے تابانہ کہا "نلنی کیوں روتی ہو؟"

نلنی نے روتے روتے رندھے گلے سے کہا "اکھشے بابو بہت زیادتی کرتے ہیں۔ وہ ہمارے گھر میں ایک شریف آدمی کی اس طرح بے عزتی کیوں کرتے ہیں؟"

آنند چرن نے کہا "اکھشے نے تو صرف مذاقاً کہا تھا۔ تم اسے اتنا بڑھا کیوں رہی ہو ــــــ ؟"

"اس قسم کا مذاق ناقابل برداشت ہے" کہہ کر نلنی اوپر چلی گئی۔

اب کے کلکتہ آکر رمیش نے کملا کے شوہر کا پتہ لگانا شروع کیا۔ بڑی جدوجہد کے بعد اسے کملا کے ماموں تارنی چرن بابو کا پتہ معلوم ہوا۔ وہ دھوبی پاڑے میں رہتے تھے۔ رمیش نے انہیں خط لکھ کر کملا کے شوہر کا پتہ دریافت کیا۔

آج صبح ہی رمیش کو تارنی چرن بابو کا خط موصول ہوا۔ لکھا تھا ــــ "اس حادثہ کے بعد ان کے داماد نلن بین کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ وہ رنگ پور میں ڈاکٹر تھے۔ وہاں خط لکھنے پر اطلاع آئی کہ وہاں بھی کسی کو ان کا پتہ نہیں لگا۔"

آج رمیش کے دل سے اس امید کی آخری کرن بھی غائب ہو گئی۔ کہ کملا کا شوہر زندہ ہوگا۔ ڈاک میں دوسرے خط رمیش کے دوستوں کے تھے۔ انہوں نے اسے نئے رشتے پر مبارکباد دی تھی۔ اتنے میں آنند چرن بابو کے نوکر نے آکر اسے ایک خط دیا۔ طرز تحریر دیکھ کر رمیش کا دل دھڑکنے لگا۔

خط نلنی کا تھا۔ رمیش نے دل ہی دل میں سوچا ــــ اکھشے کی باتوں سے غالباً نلنی کو شک پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس نے رفع شک کے لئے یہ خط لکھا ہے لیکن خط کھول کر دیکھا، تو اس میں صرف یہ لکھا تھا ــــ

اکھشے بابو نے کل آپ کے ساتھ انتہائی بے انصافی کی ہے۔ میں نے سوچا تھا، کہ آپ علی الصبح ہی آئیں گے۔ مگر آپ آئے کیوں نہیں؟ اکھشے بابو کی باتوں کا خیال نہ کیجئے۔ آپ دیکھتے ہیں، میں ان کی باتوں کی پرواہ ہی نہیں کرتی۔ آج آپ بہت جلد آیئے گا۔ آج میں سلائی وغیرہ کا کام نہ کروں گی۔"

ان چند سطور میں نلنی کے نازک دل کی دھڑکن محسوس کر کے رمیش کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ کل ہی سوچ رہا تھا، کہ اب نلنی سے سب باتیں صاف کہہ دینی چاہئیں۔ لیکن کل کے واقعہ کے بعد اب اور کچھ کہنا مشکل ہو گیا۔ نلنی شاید یہ سوچے کہ اس نے قصور کیا ہے۔

اور اب حیلہ سازی سے کام لے رہا ہے۔
رمیش سوچنے لگا کہ اکھشے کے دل میں یقیناً یہی خیال ہے، کہ کملا کا شوہر کوئی اور رمیش ہے۔ ورنہ وہ اب تک صرف اشاروں میں گفتگو نہ کرتا، بلکہ محلہ بھر میں یہ خبر پھیلا دیتا۔ اب جس طرح بھی ہو، مجھے تدبّر سے کام لینا چاہیئے۔
اتنے میں ڈاک سے ایک اور خط آیا۔ رمیش نے کھول کر دیکھا، گرل اسکول کی ہیڈ معلمہ نے لکھا تھا، کہ کملا بے حد غمگین اور اداس ہے۔ وہ تعطیلات میں کسی طرح بورڈنگ میں رہنا نہیں چاہتی۔ آئندہ سنیچر کو تعطیلات ہوں گی۔ اس دن اس کا گھر چلا جانا ضروری ہے۔
آئندہ سنیچر کو کملا کو بورڈنگ سے لانا ہوگا۔ اور اس سے اگلے دن اتوار کو رمیش کی شادی ہے۔
"رمیش بابو، مجھے معاف کیجیے گا" کہتا ہوا اکھشے داخل ہوا۔ پھر بولا "آپ تو معمولی سے مذاق میں ناراض ہو جاتے ہیں۔ مذاق میں سچائی نہ ہونے کے باوجود لوگ چڑ جاتے ہیں۔ لیکن جو سچی بات ہے اور جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کا امکان نہیں۔ اس کا آپ نے اتنا بُرا کیوں مانا؟ آنند بابو کل سے مجھ سے کشیدہ خاطر ہیں۔ نلنی نے تو بولنا ہی بند کر دیا ہے۔ آج صبح میں وہاں گیا تھا۔ لیکن سب کا رنگ ڈھنگ بدلا ہوا دیکھ کر چلا آیا۔"
رمیش نے کہا: "ان سب باتوں پر پھر کسی وقت غور کیا جائے گا۔ اس وقت مجھے معاف کیجیئے۔ بہت ضروری کام ہے۔"
"معلوم ہوتا ہے باجے والوں کو بیعانہ دینے جا رہے ہیں۔" اکھشے نے کہا: "دن بھی تو بہت کم رہ گئے ہیں! اچھا آداب عرض!"
اکھشے کے چلے جانے پر رمیش آنند چرن بابو کے مکان پر پہنچا۔ مکان میں داخل ہوتے ہی نلنی سے ملاقات ہوئی۔ نلنی صبح سے رمیش کی منتظر تھی۔ سوچا تھا۔ آج کچھ گانا بجانا ہوگا۔ لیکن رمیش کے مکان میں داخل ہوتے ہی نلنی کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا۔ رمیش نے قریب جاتے ہی پوچھا۔

"بابو جی کہاں ہیں؟"

نلنی نے جواب دیا "بیٹھک میں ہیں۔ کیوں، ان سے اسی وقت کام ہے؟ وہ چائے کے وقت تو آئیں گے ہی!"

"بہت ضروری کام ہے۔ دیر مناسب نہیں"

"تو جائیے۔ بیٹھک میں جا کر مل لیجئے۔"

رمیش چلا گیا۔ اور نلنی بادلِ ناخواستہ سلائی کا کام لے بیٹھی۔ سوئی بار بار چبھتی تھی۔

صرف انگلی ہی میں نہیں، دل میں بھی!

(۱۴)

رمیش جب آنند چرن بابو کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ ایک اخبار ہاتھ میں لئے آرام کرسی پر سو رہے تھے۔ رمیش کے کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ کھانس کر اُٹھ بیٹھے۔ اور اخبار ایک طرف رکھ کر بولے۔

"رمیش! اس مرتبہ ہیضے سے کتنے آدمی مرے؟"

رمیش نے کہا "شادی کچھ دنوں کے لئے ملتوی کرنی پڑے گی۔ مجھے بہت ضروری کام ہے!"

آنند چرن بابو کے دماغ سے ہیضے سے مرے ہوئے آدمیوں کی فہرست غائب ہو گئی۔ چند لمحے غور سے رمیش کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولے "یہ کیا بات ہوئی۔ سب کو اطلاع دی جا چکی ہے!"

رمیش نے کہا "اس اتوار کی بجائے اس سے اگلے اتوار پر ملتوی کر دیجئے! اس عرصہ میں سب کو اطلاع دے دی جائے گی"

لیکن یکا یک ملتوی کرنے کی کیا وجہ ہے؟ ذرا بتاؤ تو سہی۔ کون سا ایسا کام آ پڑا ہے؟"

"بہت ضروری کام ہے بابو جی! دیر کرنے سے خرابی کا اندیشہ ہے"

آنند چرن بابو کٹے ہوئے درخت کی طرح دھم سے کرسی پر لیٹ گئے۔ بولے۔
"اچھا اگر تمہارا نقصان ہے، تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ لوگ پوچھیں گے، تو کہہ دوں گا مجھے کچھ خبر نہیں۔ رمیش کو جس میں سہولت نظر آئی۔ انہوں نے وہی کیا ——"

رمیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ آنند چرن نے پوچھا "یہ سب باتیں تم نے نلنی سے کہہ دی ہیں؟"

"نہیں، ان سے اس سلسلے میں کوئی ذکر نہیں آیا"

"اسے بتانا بھی تو ضروری ہے۔ شادی صرف تمہاری ہی تو نہیں"

"میرا خیال تھا آپ سے بات کرنے کے بعد اُسے کچھ کہا جائے"

آنند چرن نے آواز دی "نلنی! نلنی!!"

نلنی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "کیا ہے پتا جی!"

"رمیش بابو کہتے ہیں، انہیں کوئی اشد ضروری کام ہے، اس وقت وہ شادی سے معذور ہیں"

نلنی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، تو رمیش مجرم کی طرح خاموش اور لاجواب بیٹھا تھا۔

رمیش کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا، کہ یہ اطلاع اس طرح نلنی تک پہنچے گی۔ اس نے محسوس کیا، کہ اس اطلاع سے نلنی کے دل پر چوٹ لگے گی، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اور پھر اس میں بھی تو جھوٹ نہ تھا، کہ رمیش کو ضروری کام تھا۔ اور شادی کا التوا ناگزیر تھا۔

آنند چرن نے نلنی کی طرف دیکھ کر کہا "چونکہ معاملہ تمہارے متعلق ہے اس لئے تمہیں بھی تو رائے کا اظہار کرنا چاہیئے"

نلنی نے سر جھکا کر جواب دیا "پتا جی! میں یہ کچھ نہیں جانتی"

یہ کہہ کر نلنی وہاں سے چلی گئی۔ آنند چرن اخبار منہ کے سامنے رکھ کر پڑھنے کا

بہانہ کر کے سوچنے لگے ۔ اور رمیش خاموش بیٹھا رہا ۔

یکا یک چونک کر رمیش اُٹھا ۔ اور بڑے کمرے میں جا کر دیکھا ۔ نلنی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دیکھ رہی ہے ۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا ۔ اور رُندھے ہوئے گلے سے بولا " آپ سے میری ایک درخواست ہے ۔"

نلنی نے رمیش کی بھرائی ہوئی آواز محسوس کی ۔ لمحہ بھر میں نلنی کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ۔ رمیش نے پھر کہا ۔

" تم مجھ پہ بے اعتمادی کا اظہار نہ کرنا "

اس سے آگے رمیش کچھ نہ کہہ سکا ۔ آج اس نے پہلی بار نلنی کو " آپ " کے بجائے " تم " سے مخاطب کیا تھا ۔

نلنی کی اُداس آنکھیں رمیش کے چہرے پر جم گئیں ۔ پھر اُن سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے ۔ اور اس کے رخسار تر ہو گئے ۔

کچھ دیر تک آنسوؤں کے اس طوفانی دریا میں غوطے کھانے کے بعد ایک گہری سانس لے کر رمیش نے کہا ۔

" کیا تم جاننا چاہتی ہو کہ میں نے ایک ہفتے کے لئے شادی کو ملتوی کرنے کی تجویز کیوں کی ہے ؟"

نلنی نے خاموشی سے سر جھکا لیا ۔۔ گویا وہ نہیں جاننا چاہتی !

رمیش نے کہا " شادی کے بعد سب حالات تمہیں بتاؤں گا "

یہ سُن کر نلنی کا چہرہ پھر قلب سے سُرخی مائل ہو گیا ۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش کھڑے رہے ۔ پھر نلنی نے کہا " آپ ایک بار پتا جی کے پاس جائیں ۔ وہ کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں ۔"

اور رمیش دل میں درد کی خلش محسوس کرتا آنند چرن بابو کے کمرے کی طرف چلا گیا ۔

(۱۵)

آنند چرن نے پھر رمیش کو اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر اس پر تحیر آمیز نگاہ ڈالی۔
رمیش نے کہا: "اگر آپ مہمانوں کی فہرست مجھے دے دیں، تو میں آج ہی سب کو خط لکھ دوں"

آنند چرن نے کہا: "تو پھر تم نے تاریخ ملتوی ہی کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟"
"جی ہاں، اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا"
"دیکھو رمیش! پھر میں اس معاملے میں کوئی دخل نہ دوں گا۔ سب انتظامات تمہیں کو کرنے پڑیں گے۔ مجھ سے لوگوں کی طنز و تمسخر آمیز ہنسی برداشت نہ ہو سکے گی۔ تم نے بیاہ شادی کو بچوں کا کھیل بنا دیا ہے، اس لئے مجھ ایسے عمر رسیدہ کا ایسے معاملے میں دخل نہ دینا ہی بہتر ہے۔ یہ لو فہرست! اس پر میں نے کتنے ہی روپے ضائع کر دئے ہیں۔ اور مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا، کہ اس طرح بار بار روپے ضائع کروں"

رمیش نے تمام اخراجات اپنے سر لئے۔ اور اُٹھنے کی تیاری کر رہا تھا، کہ آنند چرن نے کہا: "رمیش! تم نے کچھ فیصلہ کیا کہ شادی کے بعد کہاں وکالت کرو گے، کلکتہ یا کہیں اور؟"
رمیش نے کہا: "مغرب میں کسی اچھے مقام کی تلاش میں ہوں"
آنند چرن نے کہا: "یہ بہتر ہے۔ اٹاوہ بھی تو بُری جگہ نہیں۔ وہاں کا پانی ہاضمہ کے لئے نہایت اچھا ہے۔ میں وہاں ایک ماہ رہا تھا۔ کھانا خوب ہضم ہوتا تھا۔ خوراک سے دوگنا کھا جاتا تھا۔ دیکھو بھئی، یہ میری اکلوتی لڑکی ہے۔ اگر میں اس کے ساتھ نہ رہا تو یہ خوش نہ رہے گی۔ اور میں بھی سکون و راحت سے نہ رہ سکوں گا۔ اسی لئے میری خواہش ہے کہ تم کوئی اچھی جگہ منتخب کرو"
رمیش نے کہا: "آپ جو حکم دیں گے، میں اس پر عمل کروں گا" یہ کہہ کر وہ فہرست لے کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اکھشے آیا، تو آنند چرن بابو نے کہا: "رمیش نے ایک ہفتہ کیلئے شادی ملتوی کر دی ہے۔"

"یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ پرسوں تو شادی ہے!"

"ایسا نہ ہوتا تو اچھا ہی تھا۔ لیکن آج کل کے نوجوانوں کی جو حالت ہے۔ اس سے سب کچھ ممکن ہے۔"

اکھشے نے چہرے پر متانت کے آثار پیدا کر کے کہا: "آپ نے جسے ہر لحاظ سے موزوں سمجھ کر منتخب کیا ہے مجھے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا، کہ جس کے ہاتھوں میں آپ اپنی لڑکی کو سونپ رہے ہیں۔ اس پر پورا پورا غور کر لینا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے وہ دیوتا ہو' پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔"

آنند چرن نے کہا: "اگر رمیش ایسے لڑکے پر بھی کوئی شک وشبہ کا اظہار کرے' تو پھر دنیا بھر میں کسی سے تعلق یا رشتہ ناطہ غیر ممکن ہو جائے گا۔"

"اچھا رمیش نے تاریخ ملتوی کرنے کی کوئی وجہ بھی بتائی؟"

"نہیں' وجہ تو نہیں بتائی۔ پوچھنے پر صرف اس قدر کہا۔ کہ بہت ضروری کام ہے۔"

اکھشے منہ پھیر کر مسکرایا اور کہا: "معلوم ہوتا ہے آپ کی لڑکی کو انہوں نے وجہ بتادی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"اُسے بُلا کر ذرا پوچھئے تو سہی۔"

آنند چرن نے نلنی کو آواز دی۔ وہ اکھشے کو دیکھ کر باپ کے پیچھے اس طرح کھڑی ہوگئی، کہ اکھشے کی نگاہ اس پر نہ پڑ سکے۔ آنند چرن نے پوچھا: "رمیش نے شادی کی تاریخ ملتوی کرنے کی تمہیں کوئی وجہ بتائی ہے؟"

نلنی نے سر جھکا کر کہا: "نہیں!"

"تم نے اس سے دریافت بھی نہیں کیا؟"

"نہیں!"

"بڑی حیرت کی بات ہے۔ جیسا رمیش ہے ویسی ہی تم ہو۔ اس نے آ کر کہا۔ 'اس وقت شادی ملتوی کر دی جائے' اور تم نے کہہ دیا 'ٹھیک ہے!'"

اکھشے نے نلنی کی طرف دیکھ کر کہا "جب ایک شخص کوئی بات چھپانا چاہتا ہے، تو اُسے مجبور کرنا مناسب نہیں۔ اگر وہ بتانا چاہتے۔ تو پوچھے بغیر بتا دیتے"

نلنی کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس نے کہا "میں اس موضوع پر باہر کے کسی آدمی کی بات نہیں سننا چاہتی" یہ کہہ کر وہ جلدی سے باہر چلی گئی۔

اکھشے نے ہنس کر کہا "بعض اوقات دوستوں کے لئے بڑی سے بڑی مصیبت، اُٹھانا پڑتی ہے۔ آپ لوگ خواہ مجھے کچھ ہی کہیں۔ لیکن رمیش پر شک کرنا ہی میری دوستی کا اہم ترین فرض ہے۔ خیر جوگیندر کل آ ہی رہا ہے۔ اگر وہ سب کچھ دیکھ سُن کر بہن کی شادی کے بارے میں مطمئن ہو گیا، تو میں اس معاملے میں بالکل خاموش ہو جاؤں گا۔"

آنند چرن بابو غصّے سے بولے "اکھشے! تمہاری طبیعت بڑی شکی ہے۔ ثبوت نہ ہونے کے باوجود تم ....."

اب اکھشے کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ اس نے جوش میں آ کر کہا "آنند چرن بابو کسی شریف النفس شخص کی لڑکی کو فلسفہ پڑھانے اور اس سے شعر و سخن پر مدلل گفتگو کی مجھ میں لیاقت نہیں۔ میں ایک معمولی شخص ہوں لیکن آپ لوگوں سے دیرینہ تعلقات محبت ہیں۔ میں آپ سے کبھی کوئی چیز نہیں چھپاتا۔ ضرورت کے موقعہ پر میں آپ سے بھیک مانگنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتا۔ لیکن نقب زنی اور چوری میری عادت نہیں۔ میری ان باتوں کا مطلب کل ہی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔"

(۱۶)

دوسرے دن صبح کی گاڑی سے جوگیندر مغرب سے واپس آیا۔ سنیچر کا دن تھا اور دوسرے روز اتوار کو نلنی کی شادی تھی۔ لیکن جوگیندر نے دروازے پر آ کر دیکھا، کہ شادی کے کوئی آثار نہیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا آ رہا تھا، کہ اس کے گھر میں برآمدے پر خوش رنگ پتوں کی مالا جھولتی ہوگی۔ لیکن یہاں آ کر دیکھا کہ حقیر مالن کے

اور اس کے گھر میں کوئی فرق ہی نہیں۔"

اس کے دل میں خوف پیدا ہوا، کہ کہیں کچھ بُرا بھلا نہ ہو گیا ہو۔ اندر داخل ہو کر دیکھا، کہ چائے کی میز پر اس کے کھانے پینے کا سامان موجود ہے۔ اور آنند چرن بابو چائے کی پیالی سامنے رکھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی کہا۔

"نلنی کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔" آنند چرن نے جواب دیا۔

"شادی کب ہو رہی ہے؟"

"آئندہ اتوار کو۔"

"کیوں؟"

"یہ اپنے دوست سے پوچھو۔ اسے کوئی بے حد ضروری کام آ پڑا ہے۔ اس لئے اس نے شادی اگلے اتوار تک ملتوی کر دی ہے۔"

جوگیندر نے دل ہی دل میں باپ پر ناراض ہو کر کہا۔ "اگر میں یہاں نہ رہوں، تو آپ ہمیشہ غلطیاں ہی کرتے ہیں۔ اب بھلا رمیش کو کیا کام ہے؟ اب وہ آزاد و خود مختار ہے۔ کوئی مجبوری نہیں ——— اور اگر اس کی جائیداد کے متعلق کوئی جھگڑا ہو گیا تھا، تو اسے صاف صاف کہہ دینا چاہئے تھا۔ آخر آپ نے مفصل بات پوچھے بغیر اسے کیوں چھوڑ دیا؟"

"تو اب کیا ہو گیا ہے!" آنند چرن نے کہا۔ "وہ کہیں چلا تو نہیں گیا۔ تم ہی اس سے پوچھ لو۔"

جوگیندر چائے کی ایک پیالی پی کر باہر جانے لگا ——— !

آنند چرن نے کہا۔ "جلدی کیا ہے، کچھ کھا پی تو لو۔"

جوگیندر اس بات پر دھیان دئے بغیر باہر نکل گیا۔ اور رمیش کے گھر کی طرف چل دیا۔

رمیش کے گھر پہنچکر آوازیں دینے پر بھی جب کوئی نہ بولا۔ تو اس نے خواب گاہ،

چھت، برآمدہ سب کچھ چھان مارا۔ لیکن رمیش کہیں نظر نہ آیا۔ آخر کافی تلاش کے بعد نوکر نظر آیا۔ اس نے بتایا "بابو صبح ہی سے کہیں گئے ہوئے ہیں۔"

"کب تک آئیں گے؟"

"بابو کتنے ہی کپڑے لتے اور سامان وغیرہ لے کر گئے ہیں۔ اور کہتے تھے کہ پانچ چھ دن میں واپس آئیں گے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں۔"

جوگیندر گھر واپس آیا تو آنند چرن نے کہا "کیوں، کیا ہوا؟"

جوگیندر نے ناراض ہو کر کہا "ہوگا کیا؟ جس سے لڑکی کی شادی کی جا رہی ہے اس کی خبر رکھنا ضروری ہے کہ وہ کس وقت کہاں جاتا ہے؟ لیکن آپ کو کچھ خبر ہی نہیں!"

" آنند چرن نے کہا "کیوں؟ ابھی رات کو رمیش گھر پر ہی تھا؟

جوگیندر نے جوش میں آ کر کہا "آپ کیا جانیں، کہ وہ کہاں ہیں؟ اس کے نوکر تک کو پتہ نہیں، تو آپ کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ نہ جانے یہ کیا کھچڑی پک رہی ہے مجھے تو یہ رنگ ڈھنگ اچھے معلوم نہیں ہوتے۔"

آنند چرن متفکر ہو کر بولے "آخر بات کیا ہے؟"

جوگیندر نے ان کی بات کا جواب نہ دیتے ہوئے پوچھا "نلنی کہاں ہے؟"

"وہ آج جلد ہی چائے پی کر اوپر چلی گئی ہے۔"

مایوس و غمگین نلنی کو تسلی دینے کے لیے جوگیندر اوپر گیا۔ نلنی بڑے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی۔ جوگیندر کے پاؤں کی چاپ سن کر کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ جوگیندر کے اندر داخل ہوتے ہی کتاب پھینک کر بولی "ایں بھیا! کب آئے؟ تمہاری صحت کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔"

جوگیندر نے اس کے قریب تخت پر بیٹھ کر کہا "اچھے ہونے کی بات ہی نہیں پھر اچھی کیونکر ہو؟ نلنی مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ مگر تم کوئی فکر نہ کرو میری غیر حاضری کے باعث ہی یہ سب خرابیاں ہوئیں۔ اب میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔ ہاں

رمیش نے تمہیں شادی ملتوی کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی؟"

نلنی عجیب مشکل میں پھنس گئی۔ رمیش کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نے کہا" وہ مجھے وجہ بتانے کو تیار تھے لیکن میں نے سُننا گوارہ نہیں کیا۔"

جوگیندر نے سوچا" عورت کا غرور فطری ہے۔ اس نے کہا" خیر فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں آج ہی معلوم کر لوں گا۔"

نلنی نے کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا" فکر کی کیا بات ہے لیکن تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ میں وجہ معلوم کرنا پسند نہیں کرتی۔"

جوگیندر نے سوچا، یہ بھی غرور ہی کی وجہ سے کہہ رہی ہے۔ وہ" اچھا" کہہ کر چلنے کے لئے تیار ہوا۔

نلنی نے کہا" بھیا! میں تمہیں اس موضوع پر رمیش سے بحث کرنے کے لئے نہ جانے دوں گی۔ تمہیں خواہ مخواہ ان پر کوئی شک ہو، لیکن مجھے کوئی شک نہیں۔"

جوگیندر کو اٹھتے دیکھ کر نلنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا" بھیا! عہد کرو کہ ان سے اس بات کا ذکر نہ کرو گے!"

جوگیندر نے کہا" دیکھا جائے گا۔"

"نہیں بھیا! دیکھنے کی بات نہیں، مجھ سے وعدہ کرو۔"

نلنی کے اس اصرار سے جوگیندر کو یقین ہوگیا، کہ رمیش نے نلنی کو تمام باتیں بتا دی ہیں لیکن وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔ اس نے کہا" دیکھو نلنی، بے اعتمادی یا شک کی کوئی وجہ نہیں لیکن اسے ہمیں بھی تو بتانا چاہئے تھا۔"

یہ کہہ کر جوگیندر چلا گیا۔

جوگیندر کے باہر آتے ہی اکھشے نے کہا" جوگیندر تم آگئے؟ سب باتیں تو تم نے سُن ہی لی ہوں گی۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"دل میں تو طرح طرح کے خیالات آتے ہیں۔" جوگیندر نے کہا" مگر ان جھوٹی باتوں

کی بناء پر جھگڑا کرنے سے کیا حاصل ؟ تم یہ بتا سکتے ہو کہ رمیش کہاں ہے ؟"

"ہاں، بتا سکتا ہوں۔"

"کہاں ہے ؟"

"اس وقت نہیں بتاؤں گا۔ البتہ آج تین بجے رمیش سے تمہاری ملاقات ضرور کرا دوں گا۔"

"آخر یہ بات کیا ہے ؟ تم سب یہ کیا معمّے پیش کر رہے ہو ؟ اکھشے بابو، صاف صاف کہو۔ یوں چھپانے سے کام نہ چلے گا۔"

اکھشے نے دل ہی دل میں خوش ہو کر کہا: "میں نے تو کچھ چھپایا نہیں! اسی وجہ سے میں عجب مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ تمہاری بہن میرا منہ تک دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ تمہارے والد الگ ناراض ہیں۔ اور رمیش تو پہلے ہی مجھ سے مل کر خوش نہیں تھا۔ اب صرف تم باقی ہو، اس لئے ڈرتا ہوں۔"

"دیکھو اکھشے، تمہاری یہ باتیں مجھے پسند نہیں۔ میں خوب سمجھ گیا، کہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔ لیکن اُسے چھپانے کی کوشش کر کے اس کی قدر و اہمیت بڑھا رہے ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔ کیا بات ہے ؟"

"بہت اچھا، میں شروع ہی سے سب باتیں کہتا ہوں۔ کیونکہ تمہیں بہت سی باتیں معلوم نہیں۔"

(۱۷)

رمیش نے دردزی پاڑے میں جو مکان لے رکھا تھا۔ اس کا کرایہ ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ اور نہ رمیش نے اسے کرایہ پر کسی اور کو دے دینے کے متعلق غور کیا تھا۔ وہ ان دنوں دنیا سے کچھ بے تعلق سا رہتا تھا، اس میں سوچنے کی قوت سلب ہو چکی تھی۔

آج صبح اس نے مکان میں جا کر صفائی کروائی۔ تخت پر بستر بچھوایا۔ کھانے کا انتظام کیا۔ کیونکہ آج سکول بند ہونے پر اسے کملا کو یہاں لانا تھا۔

ابھی سکول بند ہونے میں کافی دیر تھی۔ اس لئے رمیش تخت پر لیٹ گیا۔ اس کا

مستقبل اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ اس نے اٹاوہ نہیں دیکھا تھا لیکن مغربی مناظر کا تصور کچھ مشکل نہ تھا۔ شہر سے باہر اس کا مکان درختوں کے سائے میں سے ہو کر باغ کا راستہ، اس پر وسیع میدان، اس میں کتنے ہی کنوئیں، کہیں کہیں پرندوں کو اُڑانے کے لئے مچان، بیلوں کی گھنٹیوں کی آواز، کبھی کبھی سڑک پر سے گذرتے ہوئے اِکوں اور گاڑیوں کی کھڑکھڑاہٹ، اور ان کی آواز سے آتش رنجیدہ سماں گویا ایکا یک بیدار ہو جاتا ہو، اس بہت دور گرم اداس دوپہر اور آدمیوں سے خالی جگہ میں اپنے کمرے کے دروازے بند کئے تنہا! وہ اس تصور سے دکھ کا احساس کرنے لگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کملا کا خیال آتے ہی اس کا دُکھ دور ہو گیا۔ اُسے ایک روحانی کیف و سرور کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا — شادی کے بعد تنہا کملا کو سینے سے لگا کر اسے تمام واقعات سے آگاہ کرے گی۔ اور یہاں سماج سے دُور کملا آسانی سے اس کے ساتھ گھل مل جائے گی۔

اس وقت دوپہر ہو چکی تھی، گلی سنسان تھی اور رمیش خیالات میں محو تھے میں گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ اور وہ مکان کے سامنے آکر رُک گئی۔ رمیش نے سوچا۔ سکول کی گاڑی کملا کو پہنچانے آئی ہے۔ نوکر نے جلدی سے کملا کا ٹرنک لاکر برآمدے میں رکھ دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے کملا آکر دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

رمیش نے کہا۔ "کملا آؤ۔ اندر آجاؤ۔"

وہ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ رمیش اسے چھٹیوں میں بورڈنگ ہی میں رکھنا چاہتا تھا۔ اور وہ رو دھو کر چلی آئی تھی۔ اس واقعہ سے اور کئی ماہ کی علیحدگی کے باعث اس کا دل جیسے رمیش کے دل سے جدا ہو گیا تھا۔ اسی لئے کمرے میں داخل ہو کر رمیش کی طرف دیکھنے کی بجائے وہ گردن کو ذرا پھیر کر کھلے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

رمیش کملا کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ان کئی مہینوں میں اس میں حیرت انگیز تبدیلی

آگئی۔ وہ درخت سے لپٹی ہوئی پیپد ار بیل کی طرح بڑھ گئی تھی۔ دیہاتی دوشیزاؤں کی طرح اس کے عضو عضو میں دلکش شگفتگی آگئی تھی۔ اور ملاحت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے گول رخسار قدرے لمبے ہو کر خاص وضع کے ہو گئے تھے۔ اور اپنی پہلی سانولی چکناہٹ چھوڑ کر قدرے نازک اور زردی مائل ہوتے جا رہے تھے۔

اس کے بالوں کے اگلے حصّے میں سُرخ فیتے کی گرہ بندھی تھی۔ اور سیاہ گیسو پشت پر لہرا رہے تھے۔ بسنتی ساری اس کے نو شگفتہ پھول سے چہرے اور جسم پر عجیب بہار دکھا رہی تھی۔ رمیش چپ چاپ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

بالآخر اس نے کہا "کملا بیٹھو!"

کملا ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ رمیش نے کہا "سکول میں تمہاری تعلیم کا کیا حال ہے؟"

کملا نے اختصار سے جواب دیا۔ "اچھا"

رمیش سوچنے لگا کہ اب کیا کہنا چاہئے۔ یکایک ایک بات اس کے ذہن میں آئی۔ بولا "معلوم ہوتا ہے تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ تمہارے لئے سب کچھ تیار رکھا ہے۔ کہو تو یہیں لے آؤں!"

"نہیں، میں کھا کر آئی ہوں"

"کیا تھوڑا سا بھی نہیں کھاؤ گی؟ مٹھائی نہیں، تو تھوڑے سے پھل ہی سہی۔ شریفہ، سیب، ناشپاتی، انگور تمہارے ہی لئے تو رکھے ہیں"

کملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف سر جھکا لیا۔

رمیش نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ وہ سر جھکائے اپنی انگریزی کتاب کی تصاویر دیکھ رہی تھی۔ اس کا خوبصورت بیضوی چہرہ سونے کے ہار کی طرح چمک کر کمرے کو جگمگا رہا تھا۔ رمیش جلدی سے اٹھ کر ایک تھال میں پھل لے آیا۔ اور بولا "معلوم ہوتا ہے تم تو نہیں کھاؤ گی۔ لیکن مجھے تو سخت بھوک لگی ہے۔ مجھ سے اب صبر نہیں ہو سکتا"

یہ سُن کر کملا مسکرا اٹھی۔ اس مسکراہٹ کے نور نے دونوں کے دلوں سے ناامیدی

اور اُداسی کو جڑ سے اکھاڑ باہر پھینک دیا۔ دونوں کے دل مسرت و خوش دلی سے مسکرا اُٹھے۔ رمیش نے چاقو لے کر سیب کا ٹنا شروع کیا۔ بھوک کے مارے وہ جلدی جلدی کاٹنا چاہتا تھا۔ لیکن اچھی طرح کاٹ نہ سکتا تھا۔ اسے اس طرح کاٹتے دیکھ کر کملا بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ رمیش نے اس ہنسی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے میں اچھی طرح نہیں کاٹ سکتا اسی لئے تم ہنس رہی ہو۔ اچھا تم کاٹو۔ دیکھیں تم کتنی ہوشیار ہو"

کملا نے کہا "اگر چھری ہو تو کاٹ سکتی ہوں چاقو سے نہیں"

رمیش نے نوکر کو آواز دے کر چھری منگوائی۔ کملا سیب کاٹنے لگی۔ اور رمیش سامنے بیٹھا پھلوں کے ٹکڑے تھال میں سجانے لگا۔

"تمہیں بھی کھانا ہوگا" رمیش نے کہا۔

"نہیں، میں نہ کھاؤں گی"

"تو پھر میں بھی نہیں کھاؤں گا"

کملا نے رمیش کے چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا "اچھا پہلے تم کھاؤ پھر میں کھاؤں گی"

"دیکھو، زبان سے پھر نہ جانا"

"نہیں، سچ کہتی ہوں، ضرور کھاؤں گی"

رمیش نے تھال سے ایک ٹکڑا لے کر منہ میں رکھا ہی تھا، کہ اس کا منہ بند کا بند رہ گیا۔ اس نے دیکھا، سامنے دروازے میں جوگیندر اور اکھشے کھڑے ہیں۔

اکھشے نے کہا "رمیش بابو، معاف کیجئے گا۔ میں نے سمجھا آپ یہاں تنہا ہوں گے۔

جوگیندر: بغیر اطلاع دئے ہمارا یہاں آنا اچھا نہیں ہوا۔ چلو ہم نیچے چل کر بیٹھیں"

کملا چھری رکھ کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن دروازے میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ وہ بھاگ کر کہاں جائے۔ جوگیندر نے رستہ چھوڑ دیا۔ لیکن اس کی تیز نگاہیں بدستور کملا کے چہرے پر جمی رہیں۔ کملا جھجک کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

(۱۸)

جوگیندر نے پوچھا: "رمیش، یہ لڑکی کون ہے؟"

"میری ایک رشتہ دار!" رمیش نے جواب دیا۔

"کیسی رشتہ دار؟ معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی رشتہ نہیں۔ محبت کا تعلق بھی معلوم نہیں ہوتا۔ تمہارے تمام رشتہ داروں کے متعلق بھی تمہاری زبانی سن چکا ہوں لیکن اس رشتہ کا تو کبھی ذکر نہیں آیا؟"

اکھڑتے لہجے نے کہا۔ جوگیندر! یہ تم بے انصافی کرتے ہو۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں، جنہیں دوستوں سے بھی پوشیدہ رکھنا پڑتا ہے؟

جوگیندر نے سوال کیا: "کیوں رمیش، کیا یہ واقعی چھپانے کی بات ہے؟"

رمیش کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا: "ہاں، اس لڑکی کے متعلق تم سے کوئی بات کرنے کے لئے تیار نہیں؟"

"مگر بدقسمتی سے میں اس پر مجبور ہوں۔ نلنی سے تمہاری شادی کی تجویز نہ ہوتی تو خواہ کسی سے تمہارا کتنا ہی گہرا تعلق ہوتا۔ میں کبھی دریافت کرنے کی جرأت نہ کرتا!"

رمیش نے کہا: "اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں، کہ دنیا میں کسی سے میرا کوئی ایسا تعلق نہیں جس سے نلنی کے ساتھ میری شادی میں رکاوٹ پیدا ہو سکے؟"

"نہ سہی، مگر میں ایک بات پوچھتا ہوں جس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے چھپانے کا سبب؟"

"اگر یہی بتا دوں تو پھر چھپانے سے کیا فائدہ تھا؟ کیا تم مجھے سچا سمجھتے ہو؟ تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیئے۔"

"اس لڑکی کا نام کملا ہے نا؟"

"ہاں!"

"تم نے کسی شخص سے اس کا تعارف اپنی بیوی کہہ کر کرایا تھا؟"

"ہاں!"

"پھر بھی تم پر اعتماد کرنا ہوگا؟ تم میرے ذہن نشین تو یہ کرانا چاہتے ہو کہ یہ تمہاری بیوی نہیں۔ اور دوسروں سے یہ کہتے ہو کہ تمہاری بیوی ہے — کیا دنیا میں ایسی سچائی کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟"

اکھشے نے دخل دیتے ہوئے کہا: "سکول کے قانون کے مطابق اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مگر جوگیندر! دنیا کے کام اسی طرح چلتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں حقیقت ہی ہو۔ رمیش باوجود کچھ لیتے ہیں، وہ درست ہی ہوگا۔"

رمیش بولا: "میں تم سے کوئی بات نہیں کہتا۔ میں صرف یہی کہنا چاہتا ہوں، کہ نلنی سے شادی میرے فرض کے خلاف نہیں۔ کملا کے متعلق تمہارے سامنے سب باتوں کی تفصیل میں ایک بھاری رکاوٹ ہے۔ تمہیں اگرچہ مجھ پر شک ہے۔ مگر پھر بھی میں کوئی بے انصافی نہ کروں گا۔"

جوگیندر نے پوچھا: "تم نے نلنی سے سب باتیں کہی ہیں؟"

"نہیں، شادی کے بعد اس سے کہنے کا ارادہ ہے۔ اور کہے بغیر کام بھی نہ چلے گا لیکن اگر وہ اس وقت ہی سننا چاہے، تو اسے اس وقت بھی بتا سکتا ہوں۔"

"اچھا، کملا کے متعلق میں ایک دو سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

"نہیں، کسی طرح نہیں! تم مجھے قصوروار سمجھتے ہو تو میرے متعلق ہر قسم کی سزا بھی تجویز کر سکتے ہو۔ میں اس سوال و جواب کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"خیر مجھے سوال و جواب کی ضرورت بھی نہیں۔ جو کچھ میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ کر لیا۔ مجھے کافی ثبوت مل گیا ہے۔ اب میں تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں، کہ اس کے بعد اگر تم نے میرے مکان میں قدم رکھنے کی جرأت کی، تو تمہاری سخت بے عزتی ہوگی۔"

رمیش کا چہرہ زرد ہوگیا۔ اور وہ خاموش بیٹھا رہا۔

جوگیندر نے کہا: "ایک بات اور! تم نلنی کو خط بھی نہیں لکھ سکتے۔ اب اس سے تمہارا ظاہری اور باطنی کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر تم خط لکھو گے، تو جس بات کو تم پوشیدہ رکھنا

چاہتے ہو' وہ ظاہر ہو جائے گی۔ میں وہ بات پورے ثبوت کے ساتھ عوام کے روبرو پیش کر دوں گا۔ اس وقت تم سے یہ میری آخری گفتگو ہے۔ اگر تمہیں اپنی بے عزتی کا کچھ خوف ہے تو میری بات کو نہ بھولنا۔"

اکھشے نے کہا۔" واہ جوگیندر' رمیش بابو لاجواب ہو گئے' پھر بھی تمہیں خیال نہیں آتا۔ چلو' اب چلیں۔ رمیش بابو' آپ ان باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے گا۔"

جوگیندر اور اکھشے دونوں چلے گئے۔ رمیش پتھر کے بے جان بُت کی طرح وہاں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اُٹھا۔ اور گھر سے باہر نکل گیا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ان تمام واقعات و حالات پر غور کرنے لگا۔

(۱۹)

باہر سے واپس کمرے میں آ کر رمیش نے دیکھا کہ کملا دوسرے کمرے میں کھڑکی کھول کر دروازے کے قریب خاموش بیٹھی ہے۔ رمیش کے قدموں کی آہٹ سُن کر اس نے مُنہ پھیرا۔ اور کھڑکی کو بند کر دیا۔ رمیش کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تو اس نے پوچھا "وہ دونوں کون تھے؟ آج صبح وہ میرے سکول بھی گئے تھے۔"

رمیش نے کہا۔" وہ پوچھتے تھے کہ تم میری کون ہو؟"

کملا نے اس کے سوال کا جواب دئیے بغیر پھر پوچھا۔" وہ تم سے کیا کہتے تھے؟"

رمیش نے کہا۔" وہ پوچھتے تھے کہ تم میری کون ہو؟"

کملا نے اگرچہ سسرال کے نہ ہونے کے باعث اب تک شرم کرنا نہ سیکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جوانی کے تاثرات سے رمیش کی اس بات سے اس کا چہرہ گلگوں ہو گیا۔

رمیش نے کہا۔" میں نے ان سے کہا تھا کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔"

کملا نے سوچا ــــ رمیش اسے شرم دلا کر محبت کی چٹکی لینا چاہتا ہے! اس نے منہ پھیر کر جھنجھلاتے ہوئے کہا۔" جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ چیل اُٹھا لائی۔ رمیش نے کہا۔" تم نہ کھاؤ گی؟"

کملا نے کہا۔" پہلے تم کھاؤ!"

بات معمولی تھی، مگر رمیش کی موجودہ حالت میں اس نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور زبردستی کھانے لگا۔ کھانے کے بعد اس نے کہا۔ "کملا! آج رات ہم لوگ گھر چلیں گے۔"

کملا نے آنکھیں جھکا کر کہا۔ "وہاں مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔"

"سکول رہنا اچھا معلوم ہوتا ہے؟"

"نہیں، مجھے سکول نہ بھیجنا۔ وہاں مجھے شرم آتی ہے۔ لڑکیاں صرف تمہاری ہی باتیں پوچھتی ہیں۔"

"تم کیا کہتی ہو؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ پوچھتی ہیں کہ تم مجھے چھٹیوں میں بھی کیوں وہاں رکھنا چاہتے ہو۔ میں ......"

لیکن وہ فقرے کو مکمل نہ کر سکی۔ رمیش نے کہا۔ "تم نے کیوں کہہ نہیں دیا کہ وہ میرے کوئی نہیں۔"

کملا ناراض ہو کر ترچھی نظر سے رمیش کی طرف دیکھ کر بولی۔ "جاؤ بھی!"

رمیش گہری فکر میں ڈوب گیا۔ اس نے سوچا کہ کملا کے ساتھ اس کے تعلق کی خبر کلکتہ کے تمام دوست دشمنوں کے حلقہ میں پھیل گئی ہے۔ اس لئے اب کلکتہ میں ایک دن بھی رہنا اچھا نہیں۔

رمیش کو مغموم و متفکر دیکھ کر کملا نے کہا۔ "تم کیا سوچ رہے ہو؟ اگر وطن میں رہنا چاہتے ہو تو میں بھی وہیں رہوں گی۔"

لیکن رمیش پھر غور و فکر میں ڈوب گیا۔ کملا نے متین صورت بنا کر کہا۔ "اچھا میں چھٹیوں میں سکول نہیں رہنا چاہتی تھی اسی لئے تم ناراض ہو؟ سچ سچ بتا دو!"

رمیش نے کہا۔ "سچ کہتا ہوں۔ میں تم سے قطعاً ناراض نہیں۔" پھر اس نے اپنے آپ کو افکار کے گہرے سمندر سے نکالنے کے لئے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "کملا! ذرا بتاؤ تو تم نے اتنے دنوں تک سکول میں کیا سیکھا ہے؟"

کملا اپنی تعلیم کا جائزہ دینے لگی۔ رمیش کو حیران کرنے کے لئے اس نے کہا۔

"زمین گول ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" رمیش نے بناوٹی حیرت سے کہا۔

"واہ! میری کتاب میں لکھا ہے۔ ہم سب نے پڑھا ہے۔"

"ذرا بتاؤ تو کیا لکھا ہے کتاب میں۔ کتنی بڑی کتاب ہے؟"

"بہت بڑی کتاب تو نہیں۔ چھاپے کی ہے۔ اس میں تصویریں بھی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ کتاب کھول کر رمیش کو نقشے دکھانے لگی۔ ان ہی باتوں میں شام ہو گئی۔

(۳۰)

آنند چرن تنہا پڑے پڑے سوچ رہے تھے کہ جوگیندر کوئی اچھی خبر لائے گا۔ جس وقت جوگیندر اور اکشے گھر میں داخل ہوئے آنند چرن نے بیم و رجا سے لبریز آنکھوں سے اکشے کی طرف دیکھا۔

جوگیندر نے کہا: "پتا جی! آپ جو رمیش پر اتنا اعتقاد رکھتے تھے اس کا انجام دیکھا؟"

آنند چرن نے کہا: "رمیش کے ساتھ نلنی کی شادی تمہاری رائے سے طے کی گئی تھی! میں نے جو کچھ کیا، تمہاری رائے سے کیا۔"

اکشے بول اٹھا: "جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب اس کی فکر کیا؟ اب تو جو پیش نظر ہے۔ اس کے متعلق غور کرنا چاہئے۔"

آنند چرن نے ڈرتے ڈرتے دریافت کیا: "رمیش سے تمہاری ملاقات ہوئی؟"

جوگیندر نے طنزیہ لہجے میں کہا: "ہوئی اور خوب ہوئی — صرف اسی کے ساتھ کیوں؟ اس کی بیوی سے بھی تعارف ہوا۔"

فرطِ حیرت سے آنند چرن چند لمحے کوئی بات نہ کر سکے۔ قدرے توقف کے بعد بولے: "کس کی بیوی سے تعارف ہوا؟"

"رمیش کی بیوی سے!"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو، رمیش کی بیوی کون ؟"

"ہمارے رمیش کی اور کس کی ؟ آج سے پانچ چھ مہینے پہلے وہ شادی کرنے ہی تو گھر گیا تھا"

"لیکن اس کے باپ کی ناگہانی موت کے باعث شادی نہ ہو سکی"

"شادی ان کی وفات سے پہلے ہی ہو گئی تھی"

آنند چرن کچھ دیر تک خاموشی سے سر پر ہاتھ پھیر کر بولے "تو میری نلنی سے اس کی شادی نہیں ہو سکتی"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں"

"تم تو کہہ رہے ہو، مگر ادھر شادی کا سب سامان تیار ہے۔ اگلے اتوار کو شادی ہے۔ دعوت نامے بھی جاری ہو چکے ہیں۔ اب کیا پھر خط لکھنے ہوں گے کہ شادی ملتوی ہو گئی ہے"

یوگیندر نے کہا "اس دفعہ ملتوی کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ کسی قدر تبدیلی سے کام چلانا پڑے گا"

آنند چرن نے متحیر ہو کر پوچھا "تبدیلی کیونکر ہو سکے گی ؟"

"رمیش کی بجائے کسی اور لڑکے کو تلاش کر کے اسی دن اس فرض سے سبکدوشی حاصل کر لی جائے۔ ورنہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے"

"لڑکا اتنا جلد مل جائے گا ؟"

"اس سے آپ بے فکر رہیں"

"مگر نلنی کو تو رضامند کرنا پڑے گا"

"رمیش کے تمام حالات سن کر وہ یقیناً رضامند ہو جائے گی"

"تو پھر جو کچھ مناسب سمجھو، کرو۔ لیکن رمیش بہت اچھا تھا۔ تعلیم یافتہ بھی تھا۔ ابھی پرسوں تو میرے ساتھ سب باتیں طے کر رہا تھا۔ وہ اٹاوہ جا کر وکالت کریگا..."

"اس کی کیا فکر ہے ؟ اٹاوہ میں تو وہ اب بھی وکالت کر سکتا ہے"

کچھ دیر بعد جوگیندر نلنی کو وہاں بلا لایا۔ اکھشے کمرے کے ایک کونے میں کتابوں کی الماری کے پیچھے کھڑا تھا۔

جوگیندر بولا "نلنی بیٹھو، تم سے ایک بات کرنی ہے "

نلنی خاموشی سے تخت پر بیٹھ گئی۔ جوگیندر نے کہا "رمیش نے شادی ایک ہفتہ کے لئے ملتوی کر دی۔ اس کا کیا سبب ہے جسے وہ ہمیں نہیں بتا سکتا "

نلنی نے آنکھیں جھکا کر کہا "کوئی خاص ہی سبب ہوگا "

" یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن کیا یہ شک پیدا نہیں کرتا ؟"

نلنی نے گردن جھکا کر اشارے سے کہا " نہیں ! "

جوگیندر غضب آلود لہجے میں کہنے لگا "تمہیں معلوم تو ہوگا۔ رمیش چھ مہینے پیشتر اپنے باپ کے ساتھ گھر گیا تھا۔ اس کے بعد بہت دنوں تک اس کا کوئی خط نہ آیا۔ پھر جب وہ واپس کلکتہ آیا، تو ہمارے گھر کے پاس مکان لینے کی بجائے دوسرے مکان میں چھپ کر رہائش اختیار کی۔ ہمیں ملا تک نہیں۔ اس کے باوجود تم اسے کھینچ کر اپنے گھر لے آئیں۔ میں ہوتا تو کبھی ایسا کرتا ؟"

نلنی خاموش رہ گئی۔

جوگیندر نے کہا "رمیش کے اس سلوک سے تمہیں کوئی خیال نہیں آیا۔ تمہارے دل میں اس کے متعلق کوئی سوال پیدا نہیں ہوا ؟"

نلنی نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

جوگیندر نے کہا "تم بھی عجیب سادہ دل ہو۔ میں نے خود سکول جا کر پتہ لگایا۔ رمیش اپنی بیوی کو بورڈنگ میں داخل کر کے تعلیم دلا رہا ہے۔ وہ چھٹیوں میں بھی اسے بورڈنگ ہی میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن دو تین دن ہوئے اسے معلمہ کا خط ملا کہ چھٹیوں میں کملا کسی طرح بورڈنگ میں نہیں رہ سکتی۔ آج سکول بند ہو گیا ہے اور کملا سکول کی گاڑی میں رمیش ہی کے ساتھ آگئی ہے۔ آج میں خود وہاں گیا تھا۔ دیکھا کملا بیٹھی پھل کاٹ رہی ہے اور رمیش سامنے بیٹھا کھا رہا ہے۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ وہ

اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی کہہ دیتا کہ کملا اس کی بیوی نہیں، تو کسی نہ کسی طرح دل کو تسلی دی جا سکتی تھی۔ لیکن اس نے تو کچھ کہنے کی قسم کھالی ہے۔ کیا اس پر بھی اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

یہ کہہ کر جوگیندر جواب کے انتظار میں نلنی کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر تمتما اٹھا۔ اس نے زور سے تخت کو پکڑ لیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

آنند چرن نے گھبرا کر نلنی کا سر اپنی گود میں لے کر کہا "تم اس کی بات پر ذرا یقین نہ کرو۔ یہ سب جھوٹ ہے"

جوگیندر نے باپ کو ہٹا کر جلدی سے اسے ایک آرام کرسی پر لٹا دیا۔ قریب ہی گلاب رکھا تھا۔ اسے اس کے چہرہ پر چھڑکا۔ اکھشے پنکھا کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نلنی نے آنکھیں کھولیں، اور چاروں طرف خوف زدہ نظریں دوڑا کر کہا "پتا جی! اکھشے بابو سے کہو یہاں سے ہٹ جائے۔"

اکھشے پنکھا رکھ کر باہر چلا گیا۔ اور دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ آنند چرن نلنی کے پاس آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کے سر اور منہ پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے نلنی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ باپ کے زانو سے سینہ دبا کر جوش گریہ کو روکنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ آنند چرن رقت آمیز لہجہ میں بولے "بیٹی! تم بے فکر رہو۔ میں رمیش کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ اتنا ناقابل اعتبار ہرگز نہیں۔ جوگیندر کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے"

جوگیندر سے نہ رہا گیا۔ بولا "پتا جی! مجھ پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ۔ اس وقت تھوڑی دیر نلنی کو سوچنے دو"

نلنی باپ کا زانو چھوڑ کر اٹھ بیٹھی۔ اور جوگیندر کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مجھے جو کچھ سوچنا تھا وہ سوچ چکی۔ جب تک میں خود اُن کے منہ سے نہ سنوں گی، مجھے کسی طرح یقین نہ آئے گا"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آنند چرن نے ہاتھ پکڑ کر کہا "گر پڑو گی" ۔
نلنی باپ کا ہاتھ پکڑ کر خواب گاہ میں پہنچی اور بستر پر لیٹ کر بولی "پتا جی!
مجھے اکیلا چھوڑ دیجئے۔ میں ذرا سوؤں گی"

آنند چرن نے کہا "ہری کی ماں کو بلا دوں؟ وہ پنکھا کرے گی"

"نہیں پتا جی! ہوا کی ضرورت نہیں"

آنند چرن پاس والے کمرے میں جا کر حالات پہ غور کرنے لگے۔

جوگیندر شروع ہی سے عورتوں کو ناقص العقل سمجھتا تھا۔ آج اسے اپنے خیالات پر پورا یقین ہو گیا۔ اس نے پکارا "اکھشے!"

اکھشے آہستہ آہستہ اس کے پاس آیا۔ جوگیندر نے کہا "سب کچھ سن لیا! اب کیا کیا جا سکتا ہے؟"

اکھشے نے کہا "بھائی، خواہ مخواہ مجھے کیوں ان سب باتوں میں گھسیٹتے ہو؟ میں نے اتنے دنوں تک کوئی بات نہیں کہی۔ تم نے آتے ہی آفت میں ڈال دیا"

"یہ سب شکایتیں بعد میں کرنا۔ اس وقت اس کے سوا کوئی اور تدبیر ذہن میں نہیں آتی، کہ نلنی کے سامنے رمیش سے سب باتیں کہلوائی جائیں!"

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ انسان اپنے منہ سے...."

"اگر وہ خط کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کر دے۔ تو اور بھی بہتر ہو۔ یہ بوجھ تمہیں کو اُٹھانا پڑے گا۔ مگر دیر نہ ہو، ورنہ کام بگڑ جائے گا"

"دیکھئے کہاں تک کر سکتا ہوں۔ کوشش کروں گا"

(۲۱)

رات کے نو بجے رمیش، کملا کو لے کر سیالدہ سٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں وہ چکر لگاتا ہوا چلا۔ بلا ضرورت گاڑی کو گلی گلی گھما کر کولوٹولہ کے قریب ایک مکان پر نظر ڈال کر اس نے گہری سانس لی۔ سوئی ہوئی کملا چونک کر جاگ اُٹھی۔ اور پوچھا "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں" کے سوا وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ کملا پھر سو گئی۔

عین وقت پر گاڑی سٹیشن پر پہنچی۔ رمیش نے سیکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ پہلے ہی ریزرو کروا لیا تھا۔ ایک تختے پر بستر بچھا کر اس نے کملا سے کہا "تمہارے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ تم سو رہو"

کملا نے کہا "گاڑی روانہ ہونے پر سو جاؤں گی"

اور وہ گھونگھٹ نکال کر لوگوں کی آمد و رفت کا تماشا دیکھنے لگی۔ رمیش خیالات میں کھو گیا۔

گاڑی روانہ ہونے پر رمیش چونک اٹھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس نے کسی شناسا صورت کو گاڑی کی طرف دوڑتے دیکھا ہے۔

عین اسی وقت کملا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ رمیش نے کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھا کہ وہ شخص ریلوے ملازم کے منع کرنے پر بھی زبردستی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اور اس کی چادر ملازم ہی کے ہاتھ میں رہ گئی۔ گاڑی میں سوار ہو کر جب اس نے چادر کے لئے ہاتھ بڑھایا، تو رمیش نے صاف طور پر دیکھ لیا کہ وہ اکھشے کے سوا اور کوئی نہیں۔

اس چادر کے تماشے کو دیکھ کر بہت دیر تک کملا کی ہنسی بند نہ ہوئی۔ رمیش نے کہا "ساڑھے دس بج گئے۔ اب تم سو رہو"

کملا بستر پر لیٹ گئی لیکن اسے نیند نہ آسکی۔ وہ رہ رہ کر ہنس پڑتی تھی۔

رمیش جانتا تھا کہ اکھشے کا کسی گاؤں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بچپن ہی سے کلکتے میں رہا ہے۔ آج رات وہ کلکتہ کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے؟ رمیش بخوبی سمجھ گیا کہ وہ اسی کا تعاقب کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سوچا کہ اکھشے نے اگر اس کے گاؤں پہنچ کر تفتیش شروع کی، اور اس بات سے گاؤں میں شور و شر پیدا کر دیا، تو بے حد خرابی ہوگی!

جب گاڑی اگلے سٹیشن پر رکی، تو اس نے سر نکال کر دیکھا کہ اکھشے یہاں نہیں اترا۔ "میرانی" میں اترتے وقت بھی اکھشے نظر آیا۔ ایک اسٹیشن پر اسے دیکھا"

تو وہاں بھی وہی مایوسی! بہت رات گذرنے پر رمیش تھک کر سوگیا۔ دوسرے دن صبح گاڑی گولا گنج کے سٹیشن پر پہنچی۔ رمیش نے دیکھا۔ اکھشے بیگ ہاتھ میں لئے سٹیمر کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ جس سٹیمر میں رمیش کو جانا تھا اس کی روانگی میں ابھی کافی دیر تھی۔ اس لئے رمیش کملا کو لے کر ایک کمرے میں آیا۔ اور کھانے پینے کے لئے دودھ، دال، چاول اور بہت سے کیلے خرید لایا۔ ادھر اکھشے دوسرے سٹیمر کے تمام مسافروں کے درمیان کھڑا تھا۔ سٹیمر کی روانگی میں دیر تھی، بہت سے لوگ نہا دھو کر کھانا پکا رہے تھے۔

اکھشے نے گولا گنج پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے سوچا، شاید رمیش کملا کو کسی ہوٹل میں کھانا کھلانے کے لئے لے گیا ہو۔

بالآخر سٹیمر نے سیٹی بجائی۔ اس وقت تک رمیش کہیں نظر نہ آیا۔ مسافر جلدی جلدی جہاز پر سوار ہونے لگے۔ جب تمام مسافر سوار ہو گئے اور تختہ کھینچ لیا گیا۔ تو اکھشے نے بے تابانہ کہا۔ "میں اُتروں گا۔"

مگر خلاصی نے اس کی بات نہ سُنی۔ قریب ہی ایک ڈونگا کھڑا تھا۔ اکھشے اسی پر کود پڑا۔ کنارے پر آکر بھی اسے رمیش کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تھوڑی دیر پیشتر ایک ٹرین گولا گنج سے کلکتہ روانہ ہوئی تھی، اس نے سوچا۔ معلوم ہوتا ہے رمیش اس گاڑی سے واپس کلکتہ چلا گیا ہے۔ کلکتہ میں اگر کوئی شخص چھپنے کی کوشش کرے تو اس کا ڈھونڈنا بے حد دشوار ہے۔

(۲۲)

اکھشے تمام دن گولا گنج میں پریشان ہوتا رہا۔ شام کی ڈاک گاڑی سے وہ کلکتہ روانہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کلکتہ پہنچتے ہی سب سے پہلے وہ درزی پاڑے میں رمیش کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا دروازہ بند ہے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہاں کوئی نہیں آیا۔ کولوٹولہ میں آکر دیکھا۔ وہ مکان بھی بند تھا۔ آخر آنندچرن کے مکان پر پہنچ کر جوگیندر سے بولا۔ "بھاگ گیا ... میں پکڑ نہ سکا۔"

"کیا بات ہے؟" جوگیندر نے پوچھا۔

اکھشے نے اپنے سفر کا تمام حال بیان کیا۔ یہ سُن کر کہ اکھشے کے دیکھتے دیکھتے رمیش کملا کو لے کر بھاگ گیا۔ اس کا شک اور بھی پختہ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ لیکن اکھشے، ان کوششوں سے حاصل کیا ہوا؟ نلنی ہی نہیں، پتا جی بھی یہی کہتے ہیں کہ جب تک خود رمیش کے مُنہ سے کوئی بات نہ سنیں گے، انہیں اعتبار نہ آئے گا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ رمیش آج واپس آجائے تو پتا جی نلنی کی اس سے شادی کر دیں گے۔ وہ نلنی کی تکلیف کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے۔ نلنی اگر یہ کہہ دے کہ وہ رمیش کی دوسری بیوی ہوتے ہوئے بھی اس سے شادی کرے گی، تو پتا جی بُرا نہ مانیں گے۔ اور کوئی دخل نہ دیں گے۔ جس طرح بھی اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے، رمیش کا پتہ لگانا چاہیئے۔
تم نے ابھی تک منہ بھی نہیں دھویا؟"

اکھشے ہاتھ مُنہ دھو کر چائے پینے لگا۔ اتنے میں آنند چرن بابو نلنی کا ہاتھ پکڑے اسے چائے پلانے لائے۔ اکھشے کو دیکھتے ہی نلنی اُلٹے پاؤں باہر چلی گئی۔ جوگیندر نے ناراض ہو کر کہا۔ "یہ نلنی کی سراسر ناانصافی ہے۔ پتا جی! آپ اس قدر نرمی سے کام نہ لیں۔ اسے زبردستی یہاں لانا چاہیئے۔"

"نلنی! نلنی!!"

نلنی اس وقت اوپر چلی گئی تھی۔ اکھشے نے کہا۔ "جوگیندر! تم میری پوزیشن اور بھی خراب کر دوگے۔ ان کے سامنے میرا کوئی ذکر نہ کرنا، زبردستی سے بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔"

یہ کہہ کر اکھشے چائے پی کر چلا گیا۔ تو بابو آنند چرن نلنی کو لئے ہوئے آئے۔ آج اس کے رخسار زرد تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں وہ نگاہ اُٹھا کر جوگیندر کی طرف دیکھ نہ سکی۔ اسے معلوم تھا کہ جوگیندر اس سے اور رمیش سے ناراض ہے۔ اور اس کے برخلاف طرح طرح کی تدابیر سوچ رہا ہے۔ اس لئے جوگیندر سے آنکھ ملانا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔

رات کو آنند چرن بابو نلنی کی خوابگاہ کے ملحقہ کمرے میں سوئے۔ نلنی بستر پہ پڑی

چونکہ وہ ٹیں لے رہی تھی، آنند چرن خوب سمجھ رہے تھے۔ وہ بار بار اس کے کمرے میں جا کر کہتے ۔۔ "بیٹی! تمہیں نیند نہیں آتی؟"

نلنی جواب دیتی: "پتا جی! آپ ناحق جاگ رہے ہیں۔ مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی میں سو جاؤں گی۔"

دوسرے دن صبح اٹھ کر نلنی چھت پر ٹہل رہی تھی۔ رمیش کے گھر کی کھڑکیاں اور دروازے آج بند تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

اچانک آواز آئی: "نلنی! نلنی!!"

نلنی جلدی سے آنکھیں پونچھ کر بولی: "کیا ہے پتا جی؟"

آنند چرن چھت پر آئے۔ اور نلنی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر بولے: "مجھے آج اٹھنے میں دیر ہو گئی۔"

"چلو بیٹی! چل کر چائے پی لو۔"

نلنی جوگیندر کے سامنے بیٹھ کر چائے نہ پینا چاہتی تھی۔ وہاں پہنچی تو اسے معلوم ہوا جوگیندر کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ ایسا ایک خیال آیا۔ شاید رمیش آ گیا ہو۔ اتنے سویرے اور کون آئے گا۔ جلدی سے کمرے میں داخل ہوئی، تو دیکھا۔ اکھشے بیٹھا ہے۔ وہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکی۔ اور تیزی سے باہر نکل آئی۔

جب آنند چرن بابو اسے دوبارہ کمرے میں لائے تو وہ سر جھکا کر بابو کے پیالے میں چائے انڈیلنے لگی۔

جوگیندر نلنی کی ان حرکات سے سخت بیزار تھا۔ اس کے لئے یہ ناقابلِ برداشت تھا کہ نلنی رمیش کے لئے اس قدر اضطراب کا اظہار کرے۔ آنند چرن کا اس کے اس درد میں شریک ہونا جلتی پر تیل کا کام کر رہا تھا۔ اس نے باپ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پتا جی، معلوم ہے کیا ہوا؟"

آنند چرن نے بے تابی سے پوچھا: "کیا ہوا؟"

"رمیش کل اپنی بیوی کو لے کر گولا گنج جا رہا تھا۔ اکشے کو اسی گاڑی میں دیکھ کر واپس کلکتہ بھاگ آیا۔"

نلنی کا ہاتھ کانپ اٹھا۔ اور چائے نیچے گر گئی۔ جوگیندر آنکھیں نکال کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا "بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اکشے سے کون سی بات چھپی ہوئی ہے؟ سب کچھ تو ظاہر ہو چکا ہے۔ اس پر یہ چوروں کی طرح بھاگنا اور چھپتے پھرنا، اس کے مجرم ہونے کا پورا پورا ثبوت ہے۔ نلنی کے دل میں نہ جانے کیا خیال ہے؟"

نلنی کرسی پر بیٹھی ہوئی تخت سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "بھیا! مجھے ثبوت کی ضرورت نہیں اور نہ میں اس کی پرواہ کرتی ہوں۔ تم اگر چاہتے ہو تو تمہاری خوشی"

جوگیندر نے کہا "جس سے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ کیا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں؟"

"شادی کی بات کیا کہتے ہو؟ اگر تم فسخ کرنا چاہتے ہو تو کر دو، یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن میرا دل توڑنے کی بے فائدہ کوشش نہ کرو" یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ آنند چرن جلدی سے اٹھ کر اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو گود میں لے کر بولے۔ "چلو بیٹی! ہم اوپر چلیں۔"

(۲۳)

جہاز روانہ ہوا۔ درجہ اوّل اور دوم میں کوئی مسافر نہ تھا۔ رمیش نے ایک کمرہ پسند کر کے اس میں بستر لگا دیا۔

صبح کے وقت پھلوں اور دودھ سے ناشتہ کر کے کملا ندی کنارے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ رمیش نے کہا۔

"کملا جانتی ہو، ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

کملا نے کہا "وطن جا رہے ہیں۔"

رمیش بولا "وطن تو تمہیں اچھا ہی نہیں لگتا۔ ہم وطن نہیں جا رہے۔"

"میرے لئے تم نے وہاں جانے کا خیال چھوڑ دیا؟"

"ہاں صرف تمہاری خاطر!"

کملا نے منہ بنا کر کہا: "کیوں؟ میں تو یوں ہی ایک دن باتوں باتوں میں کہہ گئی تھی۔ تم ابھی تک اسی کو لئے جاتے ہو!"

رمیش نے ہنس کر کہا: "نہیں کملا، یہ بات نہیں، وطن جانے کو میرا ابھی جی نہیں چاہتا"

کملا نے گھبرا کر پوچھا: "پھر ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مغرب کی طرف!"

یہ سن کر کملا کو بے حد مسرت ہوئی! مغرب میں کتنے ہی تیرتھ ہیں۔ آب و ہوا نہایت صحت بخش ہے۔ بے شمار قدیم یادگاریں ہیں۔ وہ مسرور لہجے میں بولی "مغرب میں ہم کونسی جگہ جا رہے ہیں؟"

رمیش نے کہا "کچھ ٹھیک نہیں، مونگیر، پٹنہ، داناپور، بکسر، غازی پور، کاشی ان میں سے جو بھی شہر پسند آیا، اسے منتخب کر لیں گے"

اتنے شہروں کا نام سن کر کملا کی مسرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اور وہ تالی بجاتے ہوئے بولی "جب تو خوب لطف رہے گا"

رمیش نے کہا: "لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کھانے کا کیا انتظام ہو گا؟ تم خلاصی کے ہاتھ کا بنا ہوا کھا سکو گی؟"

کملا نے نفرت آمیز لہجے میں کہا "نہ، یہ مجھ سے نہ ہو گا"

"تو پھر کیا کیا جائے گا؟"

"کیوں؟ میں خود بنا لوں گی"

"تم بنا سکتی ہو؟"

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ بنا کیوں نہیں سکتی؟ میں کیا نادان بچی ہوں؟ ماموں کے گھر بھی تو بنایا کرتی تھی"

"بہت اچھا، میں نے ناحق تم سے یہ سوال کیا۔ ہاں تو اب کھانا بنانے کی چیزیں

فراہم کرنی چاہیئے۔"

یہ کہہ کر رمیش چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک لوہے کا چولھا اور کاشی تک برتن صاف کرنے اور پانی وغیرہ لاکر دینے کے لئے امیش نامی ایک لڑکے کو لے آیا۔ پھر کملا سے پوچھا "آج کو نسا کھانا بنے گا؟"

کملا نے کہا "تم صرف دال اور چاول لائے ہو، کھچڑی بنا لیتے ہیں۔"

رمیش نے خلاصی سے مسالہ منگوایا۔ کملا نے ہنس کر کہا "صرف مسالہ لے کر کیا کروں گی؟ سِل بٹہ تو ہے نہیں، پیسوں گی کیونکر؟"

رمیش نے ایک ہاون دستہ منگایا۔ کملا کو ہاون دستہ میں مسالہ پیسنے کی عادت نہ تھی۔ رمیش نے کہا۔

"لاؤ میں کسی سے پسوا دوں۔"

لیکن کملا خود ہی پیسنے لگی۔ مسالے کی چیزیں اچھل اچھل کر ہاون دستے سے باہر گرنے لگیں۔ وہ ہنسنے لگی اور رمیش بھی ہنسی کو روک نہ سکا۔ اس سے فارغ ہو کر کملا دھوتی پہن کر کھچڑی پکانے لگی۔ کلکتہ سے ایک ہنڈیا میں کچھ سندیش (بنگالی مٹھائی) ہمراہ لائے تھے۔ اسے خالی کر کے اسی سے ہنڈیا کا کام لیا گیا۔

کھچڑی تیار ہو گئی، تو سوال پیدا ہوا کہ تھالی تو ہے نہیں، کھائیں گے کس میں۔ رمیش نے جھجکتے ہوئے کہا "خلاصی کے پاس ایک تھالی ہے، وہ مانگ لاؤں؟"

لیکن کملا کی "چھی!" سن کر ندامت دور کرنے کے لئے کہا "پہلے بھی مجھ سے اس قسم کی غلطی ہو چکی ہے۔"

کملا نے کہا "پہلے جو ہوا سو ہوا، لیکن اب یہ برداشت نہ ہو سکے گا۔"

یہ کہہ کر کملا نے ہنڈیا کا ڈھکن اُتار کر اسے خوب دھو کر کہا "آج تم اس میں کھاؤ کل دیکھا جائے گا۔"

رمیش نے کھاتے ہوئے پوچھا "تم کس میں کھاؤ گی؟"

"کیوں، اس ڈھکن میں!"

"نہیں، یہ نہ ہوگا!"

"کیوں نہ ہوگا؟"

"نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا!"

"کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں سب ٹھیک کرلوں گی۔ امیش! تو کس میں کھائے گا؟"

امیش نے کہا "ماں، پیچھے ایک شخص کھانے پینے کی چیزیں بیچتا ہے۔ اس سے پتے مانگ لاؤں گا۔"

رمیش نے کہا: "اگر تم اسی ڈھکن میں کھانا چاہتی ہو، تو لاؤ میں اچھی طرح دھو دوں۔"

کملا نے کہا: "پاگل ہوئے ہو!" پھر بات پلٹ کر بولی "مگر تم پان تو لائے نہیں!"

اسی طرح جہاز ہی میں گھر گرہستی کا کام شروع ہوا۔

لیکن رمیش دل ہی دل میں سوچنے لگا، کہ شوہر اور بیوی کے تعلقات پر کیونکر پردہ پوشی کی جاسکے گی؟ مجھے آئندہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے؟ میں اسے کیونکر اپنے پاس رکھ سکوں گا۔ اور دور رکھنے کا بھی کون سا راستہ ہے؟ اگر غلطی ہم دونوں کے درمیان رہتی، تو کتنا اچھا تھا۔ کیا مجھے کملا سے سب باتیں صاف صاف کہہ دینی چاہئیں؟"

(۲۴)

ابھی شام نہیں ہوئی تھی، کہ جہاز کنارے سے آ پہنچا۔ اس دن کوشش کے باوجود وہ آگے روانہ نہ ہوسکا۔

گاؤں کی عورتیں گھڑے لئے دریا سے پانی بھرنے آ رہی تھیں۔ اس پار سنسان ساحل کے عقب میں سورج غروب ہو رہا تھا۔ رمیش خاموش بیٹھا غروب آفتاب کا دلکش منظر دیکھنے میں محو تھا۔ کملا اپنی رسوئی کے دروازے میں کھڑی تھی۔ اس امید سے، کہ رمیش جلد ہی اس کی طرف دیکھے گا۔ مایوس ہوکر وہ آہستہ آہستہ کھانسنے لگی، لیکن اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تو وہ چابی کے گچھے سے دروازے کو کھٹکھٹانے لگی۔ آواز سن کر رمیش نے منہ پھیر کر دیکھا، پھر کملا کے پاس آکر کہا "تمہارے بلانے کی یہ ترکیب واقعی

عجیب ہے؟

"تو اور پھر کس طرح بلاؤں؟"

"کیوں، ماں باپ نے میرا نام کس لئے رکھا تھا۔ اگر ویسے نہیں تو سنہ یو رتے کے وقت مجھے رمیش بابو کہہ کر پکارتے تم کیا حرج ہے؟"

"پھر وہی مذاق، مجھے یہ اچھا نہیں لگتا" کملا کے رخساروں پر شام کے سورج کی ڈوبتی ہوئی کرنوں نے حیا کی سرخی سے اور بھی گہرا رنگ بھر دیا۔ اس نے سر جھکا کر کہا "کھانا تیار ہے۔ دن چھپنے سے پہلے کھا لو"

آج صبح اچھی طرح نہ کھایا تھا۔ ہوا کے خوشگوار جھونکوں نے رمیش کی اشتہا کو اور تیز کر دیا تھا۔ لیکن کملا کی تکلیف کے خیال سے اس نے بھوک کا اظہار نہ کیا تھا۔ لیکن اب کھانے کا پیغام سن کر وہ فوراً تیار ہو گیا۔ لیکن اس خیال سے کہ وہ کملا کا شوہر نہیں، پھر بھی وہ اس کی کتنی خدمت کر رہی ہے۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے بادل چھا گئے۔

کملا نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا "معلوم ہوتا ہے آج تمہاری طبیعت کچھ ناساز ہے۔ کھانا نہیں، میں مجبور نہیں کرنا چاہتی"

رمیش نے جلدی سے چہرے کے آثار بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "نہیں، تم کیوں مجبور کرو گی؟...... مجھے بڑی بھوک لگی ہے لیکن کھانے کی کوئی چیز تو دکھائی نہیں دیتی!"

کملا ہنسی کو روک کر بولی "اب ذرا صبر نہیں ہو سکتا۔ جب آپ ان کی طرف دیکھ رہے تھے، اس وقت بھوک نہیں لگی تھی۔ اب جونہی میں نے پکارا، تمہیں بلا کی بھوک لگ گئی۔ اچھا، اب ایک منٹ اور صبر کرو۔ لئے آتی ہوں"

رمیش نے کہا "لیکن دیر کرو گی تو یہ بستر وغیرہ کچھ نہ دیکھ سکو گی، پھر مجھے الزام نہ دینا!"

محبت کی اس لطیف چٹکی سے کملا پھول کی طرح کھل اٹھی۔ اور اپنی مسرت آمیز ہنسی سے کمرے میں آب حیات برساتی کھانا لینے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹوکری لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ پوری اور ساگ پتل پر رکھ دیا۔

رمیش نے تعجب سے کہا: "پوری کا انتظام کیسے ہوا؟"

"اچھا، تم ہی بتاؤ!"

رمیش نے فضول ہی سوچنے کا بہانہ کرکے کہا: "یقیناً خلاصی کے کھانے میں سے حصہ لائی ہو!"

کملا نے جوش میں آکر کہا: "رام رام! کبھی نہیں!"

"بہر حال کھانے میں نہایت اچھی معلوم ہوتی ہیں!" یہ کہہ کر رمیش نے اور باتوں کی بجائے بھوک کا فیصلہ کرنا ضروری سمجھا۔

جب کملا سکول میں پڑھتی تھی، تو رمیش وظیفہ کے طور پر اسے جو روپے دیتا تھا۔ انہیں میں سے بچا بچا کر کملا کے پاس کچھ روپے ہو گئے تھے۔ آج جہاز کے ٹھہرنے پر کملا نے امیش کو گاؤں بھیج کر اسی رقم سے کچھ سامان منگوایا تھا۔ جب وہ سامان لے کر آیا، تو کملا نے پوچھا۔

"امیش! تو کیا کھائے گا؟"

امیش نے کہا: "ماں! گاؤں کے گوالے کے گھر میں بہت اچھا دہی دیکھ آیا ہوں، پیسے دو، تو لے آؤں۔"

کملا نے پوچھا: "تیرے پاس کچھ پیسے بچے ہیں؟"

امیش نے جواب دیا: "نہیں!"

کملا بڑی مشکل میں پھنس گئی۔ وہ رمیش سے کیونکر پیسے مانگ سکے گی۔ تھوڑی دیر سوچ کر اس نے کہا: "اگر تیری قسمت میں دہی اور پھل نہ ہوئے، تو گھر میں پوری تو ہے۔"

امیش نے کہا: "ماں، جو دہی دیکھ آیا ہوں، اس کے متعلق کیا کہوں۔"

کملا نے کہا: "دیکھ امیش! جب بابو کھانا کھانے بیٹھیں تو لپنے بازار والے پیسے مانگنا"

چنانچہ جب رمیش کھانے بیٹھا تو امیش نے آکر دبی زبان سے کہا: "ماں، بازار کے

پیسے!"

اب رمیش کو خیال آیا، کہ خرچ کے لئے روپے کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا "کملا، تمہارے پاس روپیہ تو ہے نہیں، مجھ سے کیوں نہ کہا؟"

کملا نے سر جھکا کر اپنا قصور تسلیم کر لیا۔ کھانے کے بعد رمیش نے کملا کے ہاتھ میں چھوٹا سا کیش بکس دے کر کہا "اس میں کافی روپے ہیں"

اس طرح گرہستی کی پوری ذمہ داری کملا کے سر آپڑی۔

امیش نے آج خوب دہی پھل اُڑائے۔ کملا کھڑی کھڑی اس کی زندگی کے واقعات پر غور کرتی رہی۔

سوتیلی ماں کے مظالم سے تنگ آ کر امیش اپنی نانی کے پاس بنارس جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"ماں، اگر مہربانی کر کے مجھے اپنے پاس ہی رکھ لو۔ تو میں اور کہیں نہیں جاؤں گا۔"

ماں کے سایۂ شفقت سے محروم بچے کے منہ سے "ماں" کا لفظ سن کر کملا کے نازک دل پر بے حد اثر ہوا۔ اس نے محبت آمیز لہجہ میں جواب دیا "بہت اچھا امیش! تو میرے ہی ساتھ چل"

(۲۵)

غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ اور تاریکی ہر چیز پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ رمیش چھت پر چاندنی کی روشنی میں بید کی کرسی بچھائے بیٹھا تھا آہستہ آہستہ اس کی زبان سے نکلا "نلنی!"

اس نام کے ذہن میں آتے ہی گویا ایک پُر کیف لہر رمیش کے دل میں دوڑ گئی۔ اس کا عضو عضو تھرا اٹھا۔ اور آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے۔ اس کی نگاہ تصور کے سامنے گذشتہ دو سال کے تمام واقعات گھوم گئے۔ سب سے پہلے اسے یاد آیا نلنی سے تعارف کا دن! جو گیندر جب اسے اپنی میز کے پاس لے گیا تھا۔ تو وہاں نلنی کو بیٹھے دیکھ کر رمیش نے خود کو سخت مصیبت میں گرفتار محسوس کیا۔ رفتہ رفتہ شرم و حجاب دور ہوتے گئے۔ میل جول

بڑھتا گیا۔ اور آہستہ آہستہ رمیش کملا کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ یکایک کملا نے آکر اس کی زندگی میں تغیر و انقلاب پیدا کر دیا۔

رمیش اپنے دونوں گھٹنوں تک ہاتھوں کے سہارے سر کو تھامے سوچ رہا تھا۔ سامنے زندگی کے تمام واقعات تھے۔ اس کی تشنہ محبت زندگی، مایوسی کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ اپنے طاقتور ہاتھوں سے اس جال کو تار تار کر کے پھینک دے گا!

یہ عہد کر کے یکایک اس نے سر اٹھایا۔ بہت دور ایک بید کی کرسی پر ہاتھ رکھے کملا کھڑی تھی۔ وہ متحیر ہو کر بول اٹھی: "معلوم ہوتا ہے تم سو رہے تھے۔ اور میں نے آکر تمہیں جگا دیا۔"

بے قرار و مضطرب کملا کو واپس جاتے دیکھ کر رمیش نے جلدی سے کہا: "نہ، نہ کملا! میں سو نہیں رہا تھا۔ بیٹھو تمہیں ایک قصہ سناؤں۔"

قصے کی بات سن کر کملا خوشی سے کرسی اٹھا لائی۔ اور بیٹھ گئی۔ رمیش نے سوچا تھا کملا سے سب باتیں صاف صاف کہہ دینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ایسی سخت بات کہہ کر کملا کے دل کو صدمہ پہنچانے کی اسے جرأت نہ ہوئی۔ اس نے کہا: "بیٹھو سنو، ایک زمانے میں ایک کشتری تھا۔ وہ...."

کملا نے پوچھا: "کس زمانے میں؟ بہت دنوں پیشتر....؟"

"ہاں بہت عرصہ پہلے، اس وقت تم پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔"

"تم پیدا ہو چکے تھے؟ بہت پرانے زمانے کے ہو نا؟ اچھا، اس کے بعد؟"

"وہ کشتری خود شادی میں نہیں گیا۔ اپنی تلوار بھیج دی۔ اس تلوار کے ساتھ بہو کی شادی ہو گئی۔ جب بہو آ گئی، تو پھر اس کے ساتھ شادی کی۔"

"چھی، چھی، یہ کیسی شادی؟"

"میں بھی اس قسم کی شادی کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں تو جس کشتری کی بات کہہ رہا ہوں۔ وہ خود اپنی سسرال جا کر شادی کرنے کو بے عزتی سمجھتا تھا۔ میں جس راجہ کا ذکر سنا رہا ہوں، وہ اسی قوم کا تھا۔ ایک دن وہ...."

"تم نے یہ بتایا ہی نہیں، وہ کہاں کا راجہ تھا؟"

"وہ مدردیس کا راجہ تھا۔ ایک دریا دل راجہ...."

"مگر یہ تو بتاؤ۔ راجہ کا نام کیا تھا؟"

"رنجیت سنگھ!"

"رنجیت سنگھ، مدردیس کا راجہ! اس کے بعد..."

"اس کے بعد ـــــ ایک دن راجہ نے ایک بھانڈ کی زبانی سُنا، کہ اسی قوم کے ایک اور راجہ کی نہایت خوبصورت لڑکی ہے۔"

"کہاں کا راجہ تھا وہ؟" کملا نے پوچھا۔

"خیال آتا ہے کہ وہ کانچی کا راجہ تھا۔"

"خیال آتا ہے کیوں؟ کیا وہ کانچی کا راجہ نہ تھا؟"

"کانچی ہی کا راجہ تھا، اس کا نام امر سنگھ تھا۔"

"لڑکی کا نام تو تم نے بتایا ہی نہیں۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی!"

"ہاں ہاں، بھول گیا، اس لڑکی کا نام.... اس کا نام چندریا تھا...."

"تعجب ہے کہ تم اس طرح بھول جاتے ہو؟ میرا نام بھی بھول گئے تھے۔"

"کوشل کا راجہ بھانڈ کے منہ سے یہ بات سُن کر....."

"کوشل کا راجہ کہاں سے آگیا؟ تم نے تو کہا تھا وہ مدردیس کا راجہ تھا؟"

"تم کیا سمجھتی ہو، وہ ایک جگہ کا راجہ تھا؟ وہ کوشل کا راجہ تھا اور مدردیس کا بھی!"

"اچھا سمجھ گئی۔"

اس طرح بار بار بھولتے، کملا کے سوالات کا جواب دیتے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے کرتے رمیش نے اس طرح قصہ سُنایا۔

"رنجیت سنگھ نے امر سنگھ کے پاس قاصد بھیج کر شادی کی تجویز پیش کی۔ راجہ امر سنگھ نے فوراً منظور کرلی۔ اور کرشن پکش کی دوادشی کو شادی کی تاریخ مقرر کردی۔

آج رات راجکماری چندرا کی شادی تھی، لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اس کی شادی

کس سے ہو رہی ہے. جب وہ پیدا ہوئی تھی، تو پرمانند سوامی نے راجہ سے کہا تھا؛ اس لڑکی کے گرہ خراب ہیں؛

چنانچہ شادی کی مقررہ ساعت پر دولہا کی بجائے تلوار سے راجکماری کی شادی کی گئی. تلوار رنجیت سنگھ کا چھوٹا بھائی اندرجیت سنگھ لایا تھا. مدر کے راجہ کے دونوں بیٹے رنجیت اور اندرجیت گویا دوسرے رام اور لکشمن تھے. شادی کے بعد اندرجیت نے آکر بھابی کو پرنام کیا، لیکن اس کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا. اس نے صرف اس کے مہاوٹ سے سرخ پاؤں پر نظر ڈالی تھی.

رواج کے مطابق دوسرے دن موتیوں کا ہار پیش کر کے اندرجیت بہو کو ساتھ لے کر روانہ ہوا.

کاشی کے راجہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر کر آشیرباد دی. اور ماں نے بیٹی کا منہ چوم کر اشک آلود آنکھوں سے اُسے رخصت کیا.

مدر دیس کاشی سے کافی دور تھا. تقریباً ایک مہینے کا راستہ. دوسری رات کو جب ایک ندی پر پہنچے تو اندرجیت تلوار وہاں رکھ کر آرام کی تجویز کرنے لگا. اتنے میں جنگل میں مشعل کی روشنی نظر آئی. اندرجیت نے تحقیقات کے لئے سپاہیوں کو ادھر بھیجا.

سپاہیوں نے آکر کہا؛ یہ ایک برات ہے. شادی کر کے بہو کو شوہر کے گھر لے جا رہے ہیں. ساتھ مسلح آدمی بھی ہیں. کیونکہ راستے میں طرح طرح کے خطرات ہیں. وہ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ کچھ دور تک اپنی حفاظت میں لے چلئے؛

چنانچہ کنور اندرجیت اس بات پر رضامند ہو گیا.

تیسری رات اماوس کی تھی. سامنے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں. اور پیچھے جنگل. ایک اچھی سی جگہ دیکھ کر سب نے ڈیرہ ڈال دیا. تھکے ماندے سپاہی ہوا کی تھپکیوں سے میٹھی نیند سو گئے.

یکایک شور سن کر سب بیدار ہو گئے. دیکھا مدر راج کے گھوڑے پاگلوں کی طرح بھاگ دوڑ رہے ہیں. نہ جانے کس نے ان کی رسیاں کاٹ دی تھیں. اور خیموں کو آگ

لگادی تھی۔ آگ کے شعلوں میں سیاہ رات سُرخ نظر آ رہی تھی۔

معلوم ہوا کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ کتنے ہی مارے گئے۔ صبح کو ڈاکو لوٹ مار کر کے جنگل اور پہاڑوں میں جا چھپے۔

لڑائی کے خاتمہ پر راجکماری نظر نہ آئی۔ وہ خوف سے باہر آگئی تھی۔ اور ایک گروہ کو بھاگنے پر آمادہ دیکھ کر اس میں شامل ہو گئی تھی۔ وہ کشتریوں کی برات تھی۔ ان میں ایسی بھاگڑ مچی ہوئی تھی، کہ دُلہن کو ڈاکو لے بھاگے۔ انہوں نے راجکماری چندرا کو اپنی بہو سمجھا اور لے کر جلدی سے اپنے دیس کو روانہ ہو گئے۔ وہ نہایت غریب کشتری تھے۔ اور کلنگ سمندر کے کنارے رہتے تھے۔ وہاں چندرا کا اس دوسرے برات والے دولھا چیت سنگھ سے ملاپ ہوا۔ دولھا کی ماں اور عزیز و اقارب دُلہن کے حُسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چیت سنگھ تو اس مجسمۂ حسن و جمال پر فدا ہو گیا۔ راجکماری بھی چیت سنگھ کو اپنا شوہر سمجھ کر دل و جان سے اس کی پرستش کرنے لگی۔

چند دن بعد جب نئی محبت کا حجاب دور ہوا۔ تو باتوں باتوں میں چیت سنگھ کو معلوم ہوا، کہ جس بہو کو وہ گھر لایا ہے، وہ راجکماری چندرا ہے۔"

(۲۶)

کملا نے ٹھنڈی سانس کو روکتے ہوئے پوچھا: "اس کے بعد؟"

رمیش نے کہا: "میں تو یہاں تک ہی جانتا ہوں۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ تم بتاؤ!"

"نہ، نہ۔ یہ نہ ہوگا! بتاؤ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"سچ کہتا ہوں، جس کتاب میں یہ قصہ پڑھا تھا، وہ ابھی پوری شائع نہیں ہوئی معلوم نہیں دوسرا حصہ کب شائع ہوگا۔"

کملا نے ناراض ہو کر کہا: "جاؤ، تم بڑے وہ ہو!"

"جو کتاب لکھنے والا ہے اس پر غصہ کرو۔ مجھ پر کیوں بگڑتی ہو؟ اچھا یہ بتاؤ چندرا کو لے کر چیت سنگھ کیا کرے گا؟"

کملا پانی کی طرف دیکھ کر سوچنے لگی۔ پھر بولی: "مجھے یہ نہیں معلوم کیا کرے گا۔ میں

تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی ؟"

رمیش کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا "کیا جیت سنگھ چندرا سے سب باتیں صاف صاف کہہ دے گا ؟"

"تم بڑے زبردست ہو۔ معلوم ہوتا ہے اس نے سب کچھ یونہی گول مال رکھا ہوگا۔ کچھ کہا سنا نہیں ہوگا۔ مگر اتنے بڑے معاملے کی صفائی تو ہونی چاہئے ؟"

"ہاں، ہونی تو چاہیئے " رمیش نے کہا۔ اور پھر قدرے رک کر بولا " اچھا کملا! اگر......"

" اگر کیا ؟"

" فرض کرو اگر میں جیت سنگھ ہوتا اور تم چندرا ہوتیں ! "

" مجھے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں !"

" نہیں، تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔ ایسی حالت میں میرا اور تمہارا کیا فرض ہوتا ؟"

کملا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر چلی گئی۔ دیکھا امیش اس کے کمرے کے باہر خاموش بیٹھا ندی کی طرف دیکھ رہا ہے۔ کملا نے پوچھا " امیش ! تو نے کبھی بھوت دیکھا ہے ؟ "

" دیکھا ہے ماں !"

یہ سن کر کملا بید کی کرسی قریب لا کر بیٹھ گئی۔ اور بولی " بتا تو سہی۔ تو نے کیسا بھوت دیکھا تھا ؟"

ادھر رمیش وہیں بیٹھا خیالات میں کھو گیا۔ کملا ناراض ہو کر چلی گئی لیکن رمیش نے اسے دوبارہ نہیں پکارا۔ تمام خلاصی وغیرہ جہاز کے نچلے حصے میں آرام کرنے چلے گئے تھے۔

پہلے اور دوسرے درجے کے مسافروں میں کوئی نہ تھا۔ تیسرے اور چوتھے درجے کے مسافروں میں سے زیادہ تر کھانا پکانے میں مصروف تھے۔

چاند اس کی نگاہوں کے سامنے بانس کے گھنے جنگل میں چھپ گیا تھا۔ اس لاحدود

تاریکی اور ہولناک منظر میں رمیش اپنے فرض پر غور کرنے لگا۔ اس نے سوچا ـــ کملا اور نلنی میں سے ایک کو بھلا دینا ہوگا۔ دونوں کو حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ نلنی کے لئے تو جائے پناہ بھی ہے۔ وہ رمیش کو بھول سکتی ہے۔ وہ کسی اور سے شادی کر سکتی ہے لیکن کملا کا اس کے سوا کون سہارا ہے؟

وہ گھٹنوں میں سر دبا کر سوچنے لگا۔ دور سے گیدڑوں کے چلانے کی آواز آئی۔ کسی قریبی گاؤں کے کتے بھونکنے لگے۔ رمیش نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کملا تاریکی میں دروازے کی چوکھٹ پکڑے کھڑی ہے۔ رمیش جلدی سے اس کے پاس جا کر بولا "تم ابھی تک سوئی نہیں، رات زیادہ آگئی ہے۔"

"تم نہیں سوؤ گے؟"

"میں بھی جاتا ہوں، مشرقی کمرے میں میرا بستر بچھا ہے۔ تم اب سو جاؤ۔ دیر نہ کرو۔"

کملا آہستہ آہستہ چلی گئی۔ وہ اتنا بھی نہ کہہ سکی، کہ اس نے ابھی ابھی بھوت کا قصہ سنا ہے اور اس کا کمرہ بالکل تنہا ہے۔

رمیش کملا کی رفتار سے اس کی ہچکچاہٹ کا اندازہ کر کے بولا "کملا! خوف نہ کرنا، میرا کمرہ تمہارے کمرے کے ساتھ ہی ہے۔ درمیان کا دروازہ کھلا رہے گا۔"

کملا نے سر ہلا کر فخر و تکبر کے انداز میں کہا "میں کس سے ڈروں گی؟"

رمیش اپنے کمرے میں جا کر چراغ بجھا کر لیٹ گیا۔ اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ "کملا کو چھوڑنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے نلنی کو الوداع!"

(۲۷)

دوسرے دن صبح صادق کے وقت کملا بیدار ہوئی تو اس نے دیکھا، گھر میں کوئی بھی نہیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ جہاز میں ہے۔ آہستہ آہستہ اٹھ کر اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ پُرسکون پانی پر کہرے کی لطیف چادر تنی ہوئی تھی۔ تاریکی زردی میں تبدیل ہو گئی تھی۔

مشرقی سمت درختوں کی قطار کے پیچھے آسمان پر سنہری گلکاری نظر آتی تھی۔ وہ

بہت دیر تک دروازہ پکڑے خاموش کھڑی رہی ۔۔۔ ندی کا پانی پگھلے ہوئے سونے کی طرح نظر آنے لگا ۔

خلاصی وغیرہ اپنے کام میں مصروف ہوگئے ۔ جہاز کا انجن بھک بھک کرنے لگا ۔ اس شور اور ہنگامے سے رمیش بھی جاگ اُٹھا ۔۔۔ وہ کملا کی خبر لینے دروازے سے باہر آیا ۔ کملا نے متحیر ہو کر گھونگھٹ اور بھی کھینچ لیا ۔ اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی ۔۔۔ نہ جانے کیوں ؟

رمیش نے کہا : " کملا ! تم نے ہاتھ منہ دھو لیا ؟ "

کملا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا ۔ وہ ایک ساری ، تولیہ اور کپڑا لے کر جلدی سے غسل خانے میں چلی گئی ۔

نہا دھو کر جب کملا اپنے کمرے میں آئی ۔ تو دن بھر کے فرائض پیش نظر ہوگئے ۔ شانہ پر پڑے ہوئے آنچل میں چابیوں کا گچھا دیکھ کر اسے اس کیش بکس کی یاد آئی ۔ اسی کیش بکس کو پا کر اس نے کل ایک نئے اعزاز کا احساس کیا تھا ۔ اس کے ہاتھ میں ایک آزاد طاقت آگئی تھی ۔ اسی وجہ سے اس نے اسے احتیاط سے اپنے ٹرنک میں مقفل کر کے رکھا تھا لیکن آج اس بکس کو ہاتھ میں لے کر اسے کوئی خوشی محسوس نہیں ہوئی ۔ آج اس نے اس بکس کو اپنا بکس نہیں سمجھا ۔ یہ رمیش کا بکس ہے ۔ اور اس پر اسے پورا اختیار حاصل نہیں !

رمیش نے کمرے میں داخل ہو کر کہا : " بکس کھول کر چپ چاپ کیوں بیٹھی ہو ؟ "

کملا نے کیش بکس اُٹھا کر کہا : " یہ لو اپنا کیش بکس "

" اسے لے کر کیا کروں گا ؟ "

" تمہیں جتنی ضرورت ہو ، اتنی چیزیں منگا دو "

" معلوم ہوتا ہے تمہیں کوئی ضرورت ؟ "

کملا نے سر جھکا کر کہا : " روپے کی مجھے کیا ضرورت ؟ "

" اتنی بڑی بات کون کہتا ہے ۔ لیکن جو تم پسند نہیں کرتیں ، وہ کیا کسی اور کو دیا

جا سکتا ہے ؟ میں کیوں لوں ؟"

کملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیش بکس زمین پر رکھ دیا۔

رمیش نے کہا: "اچھا کملا! سچ سچ بتاؤ۔ میں نے پورا قصہ نہیں سنایا، اس لئے ناراض ہو گئی ہو؟"

کملا نے مُنہ نیچے کر کے کہا: "غصہ کس نے کیا ہے؟"

"جس نے غصہ نہیں کیا، وہی کیش بکس رکھے۔ تجھے جب ہی اعتبار آئے گا۔"

"کیوں رکھنا پڑے گا؟ تمہاری چیز ہے تم ہی رکھو۔"

"میری چیز تو نہیں، دی ہوئی چیز واپس لینے سے آدمی دوسرے جنم میں درخت کا بھوت ہوتا ہے۔ میں تو درخت کا بھوت نہیں ہونا چاہتا۔"

کملا کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اس نے ہنستے ہنستے کہا: "کبھی نہیں، میں نے تو نہیں سُنا کہ دی ہوئی چیز واپس لینے سے انسان درخت کا بھوت ہو جاتا ہے۔"

اس بے اختیار ہنسی سے صلح کی بنیاد پڑی۔ اس نے کہا: "کسی کی زبانی کیونکر سُنو گی؟ اگر کبھی بھوت دیکھا ہوتا، تو اس سے دریافت کرنے پر سچ اور جھوٹ معلوم ہو جاتا۔"

کملا نے آزادمندانہ لہجے میں کہا: "اچھا مذاق نہیں، سچ کہو تم نے کبھی بھوت دیکھا ہے؟"

رمیش نے کہا: "سچ مچ کا بھوت تو نہیں دیکھا، البتہ اس قسم کے اور کئی بھوت دیکھے ہیں۔ خالص چیزیں آج کل کمیاب ہیں۔"

"کیوں، امیش تو کہتا ہے۔!!"

"امیش؟ امیش کون؟"

"واہ، وہی لڑکا جو ہمارے ساتھ جا رہا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے بھوت دیکھا ہے۔"

"میں امیش سے متفق نہیں!"

اتنے میں جہاز چل دیا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ ایک لڑکا سر پر ٹوکری رکھے دریا کے کنارے دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ہاتھ اُٹھا کر جہاز ٹھہرانے کے لئے منتیں کرنے لگا۔

جہاز کے افسر نے کوئی خیال نہ کیا۔ پھر وہ لڑکا رمیش کی طرف دیکھ کر "بابو، بابو" چلانے لگا۔

رمیش نے سوچا ـــ یہ مجھے ٹکٹ کلکٹر سمجھ رہا ہے۔ رمیش نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اشارے سے بتایا کہ مجھے جہاز ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں۔

یکا یک کملا بول اُٹھی: "نہیں نہیں، اسے چھوڑ کر نہ جانا چاہئے۔ یہ تو امیش ہے۔"

رمیش نے کہا: "لیکن میرے کہنے سے یہ جہاز کیوں ٹھہرائیں گے؟"

"نہیں نہیں، تم کہو، یہ ٹھہرالیں، کنارہ تو پاس ہی ہے۔"

رمیش نے جہاز کے افسر سے جہاز ٹھہرانے کی سفارش کی لیکن اس نے کہا: "بابو، یہ کمپنی کے اصول کے خلاف ہے۔"

قانون کی خلاف ورزی کا جو آسان طریقہ ہے، رمیش نے اس کی پیروی کی۔ انعام کا لالچ دے کر جہاز ٹھہرایا۔ امیش کے اوپر آتے ہی اُسے ڈانٹنے لگا۔ امیش نے کوئی پرواہ ہی نہیں کی۔ ٹوکری کو کملا کے پاؤں کے پاس رکھ کر ہنسنے لگا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

کملا بولی: "ہنس رہا ہے، شرم نہیں آتی؟ اگر جہاز والا نہ ٹھہراتا تو کیا کرتا؟"

امیش نے جواب دینے کی بجائے ٹوکری پر سے پتّے اُٹھا دیئے۔ ٹوکری میں کیلوں کا گچھا، کئی قسم کے ساگ، کدو کے پھول اور بینگن تھے۔

کملا نے پوچھا: "یہ سب کہاں سے لایا ہے؟"

امیش کا جواب تسلی بخش نہ تھا۔ جب وہ دہی لینے گیا تھا تو کسی کی چھت پر اور کہیں کسی کھیت پر نظر ڈالی تھی۔ آج صبح ہی جہاز کی روانگی سے پہلے وہ ان مقامات پر پہنچا اور کسی سے اجازت بھی نہیں لی۔

رمیش نے غصّے سے کہا: "غیر کے کھیتوں سے چیزیں چُرا کر کیوں لایا؟"

امیش نے کہا "واہ چوری کیوں کرتا؟ کھیت میں تو بہت سے تھے۔ تھوڑے سے لے آیا ہوں۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے ؟"

رمیش نے ڈانٹ کر کہا "کیا تھوڑے سے لانا چوری میں شمار نہیں ہوتا؟ کمبخت جہاں سے لایا ہے وہیں پھینک کر آ"

امیش نے رحم طلب نگاہوں سے کملا کی طرف دیکھ کر کہا "ان کا ساگ بہت اچھا بنتا ہے"

رمیش نے اور بھی ناراض ہو کر کہا "لے جا، ورنہ سب پانی میں پھینک دوں گا"

کملا نے امیش کو ٹوکری دوسرے کمرے میں لے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ٹوکری اُٹھا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ رمیش بھی خطوط لکھنے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کملا نے مُنہ نکال کر دیکھا سیکنڈ کلاس کے ڈیک کے پاس رسوئی خانہ میں امیش چپ چاپ بیٹھا ہے۔ کملا نے ایک گرم چادر اوڑھ کر اس کے پاس جا کر پوچھا "ترکاریاں تو نے پھینک دیں؟"

"پھینکتا کیوں؟ سب اسی کمرے میں رکھی ہیں"

"تو نے یہ بہت بُرا کام کیا ہے۔ آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا"

اس شام رمیش باتوں باتوں میں بہت کھا گیا۔ جب کملا اور امیش کھانے سے فارغ ہوئے تو آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ چاندنی صاف و شفاف کرنیں پانی پر تھرک رہی تھیں، کنارے پر کوئی گاؤں نہ تھا۔ دور تک دھان کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔

کملا بہت دیر سے جہاز کا ڈنڈا پکڑے کھڑی تھی لیکن رمیش خیالات میں گم تھا کملا نے سوچا تھا۔ شام ہونے پر رمیش اُسے بلائے گا۔ اسی لئے کام ختم کر کے جب دیکھا کہ رمیش نے اس کی خبر نہیں لی، تو خود ہی آہستہ آہستہ آکر جہاز کی چھت پر بیٹھ گئی۔ لیکن رمیش کے پاس نہ جا سکی۔

جب رمیش نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر ڈھانپ کر میز پر رکھا تو کملا آہستہ آہستہ اس کے کمرے کی طرف گئی۔ مگر رمیش کی خوابگاہ سونی تھی۔ داخل ہوتے ہی اس کا دل

کانپ اُٹھا۔ کمرے میں جھانک کر وہ پھر باہر آ گئی۔ باہر آتے ہوئے رمیش کا چھاتہ ٹین کے ٹرنک پر گر پڑا۔ آواز سُن کر رمیش نے چونک کر سر اُٹھایا۔ اور کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھا کملا اس کی خواب گاہ میں کھڑی ہے۔ اس نے کہا "کملا! یہ کیا؟ میرا خیال تھا تم سو رہی ہو۔ کیا تمہیں ڈر لگتا ہے؟ اچھا اب میں باہر نہیں بیٹھوں گا۔ بیچ والے کمرے میں سوتا ہوں۔ بیچ کا دروازہ کھلا رہے گا۔"

کملا نے جھنجھلا کر کہا: "میں نہیں ڈرتی!"

یہ کہہ کر وہ جلدی سے اندھیرے کمرے میں چلی گئی۔ جو دروازہ رمیش نے کھول رکھا تھا اُسے بند کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ اور چادر سے مُنہ ڈھانپ لیا۔ لیکن اسے نیند نہ آ سکی۔ رمیش سو رہا تھا۔ وہ چپکے سے چارپائی سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ باہر آئی۔ جہاز کا ڈنڈا پکڑ کر ندی کے کنارے کی طرف دیکھنے لگی۔ کہیں کوئی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ چاند جانبِ مغرب میں مُنہ چھپا رہا تھا۔

عین اسی وقت وہ چونک اُٹھی۔ اس سے کسی قدر فاصلے پر یہ کون کھڑا ہے؟

"ڈرو نہیں ماں! میں امیش ہوں۔ رات تو بہت آگئی۔ سوئیں کیوں نہیں؟"

اتنی دیر سے جو آنسو رُکے ہوئے تھے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن کہہ نہ سکی جس طرح بھرے ہوئے بادلوں سے ہوا کے جھونکے چھوتے ہی بارش کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس غربت زدہ لڑکے کے مُنہ سے محبت کی بات سُن کر کملا سے ضبط نہ ہو سکا۔

دردمند بیتاب امیش سمجھ نہ سکا کہ کیونکر تسلی دے۔ بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا: "ماں! تم نے جو روپے دئے تھے، ان میں سے سات آنے بچے ہیں۔"

امیش کی اس بات سے برستے بادلوں میں بجلی چمک اُٹھی۔ کملا نے محبت آمیز ہنسی ہنس کر کہا۔

"اچھا، وہ اپنے ہی پاس رہنے دے، جا، اب جا کر سو جا۔"

چاند چھپ گیا تھا، اب کملا بھی بستر پہ لیٹتے ہی گہری نیند سو گئی۔ صبح جب دھوپ اس کے دروازوں پر پڑی، وہ اس وقت بھی سو رہی تھی۔

(۲۸)

جب دن کافی چڑھ آیا، تو تکان سے چور کملا بیدار ہوئی اور اپنے کام میں لگ گئی۔ اس دن اُسے سورج کی روشنی، دریا کا پانی اور کنارے کے درخت سب تکان خوردہ مسافر کی طرح معلوم ہوتے تھے۔

جس وقت امیش کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹانے آیا۔ تو اس نے کہا: "جا امیش! آج مجھے تنگ نہ کر۔"

"تنگ کیوں کروں گا ماں، میں مسالہ پیسنے آیا ہوں۔"

رمیش نے کملا کے چہرے پر غم کے آثار دیکھ کر پوچھا "کملا! کیا آج تمہاری طبیعت خراب ہے؟"

کملا نفی میں سر ہلا کر اور اس سوال کو غیر ضروری قرار دے کر جلدی سے سوئی گھر میں چلی گئی۔

رمیش نے سوچا ـــ روز بروز مسئلہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ بہت جلد اس کا کوئی حل ہو جانا چاہیئے۔"

بہت غور و فکر کے بعد وہ نلنی کو خط لکھنے بیٹھا۔ ایک سطر لکھتا تھا۔ اور کاٹ دیتا تھا۔ پھر لکھتا تھا اور قلمزد کر دیتا تھا۔ اتنے میں "مہاشے! آپ کا نام!" یہ سن کر وہ چونک اُٹھا۔ دیکھا ایک شریف، دھیڑ عمر آدمی کھڑا ہے۔ داڑھی کے بال سفید، سر پر کہیں کہیں بال! رمیش اس کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ برہمن ہیں، نمسکار! آپ کا نام رمیش بابو ہے۔ یہ مجھے پہلے ہی سے معلوم ہے پھر بھی ہمارے ملک میں نام پوچھنے کا رواج ہے۔ لیکن آج کل کے کتنے ہی لڑکے نام پوچھنے پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ بھی ناراض ہوئے ہیں، تو جرمانہ لے سکتے ہیں۔ میں اپنا اپنے باپ کا، حتیٰ کہ اپنے دادا کا بھی نام بتلانے سے گریز نہ کروں گا۔"

رمیش نے کہا "آپ صرف اپنا نام بتا دیں، میں اسی سے خوش ہو جاؤں گا"
"میرا نام تریوک چکرورتی ہے۔ دیس میں سب لوگ مجھے کاکا کہتے ہیں۔ آپ نے تاریخ تو پڑھی ہے۔
ہندوستان میں مہاراجہ بھرت کو چکرورتی راجہ کہتے ہیں۔ اسی طرح میں چکرورتی کاکا کے نام سے مشہور ہوں۔ آپ مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ وہاں آپ میرا نام ضرور سنیں گے، مگر یہ تو بتلیئے آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
رمیش نے کہا "میں نے ابھی طے نہیں کیا"
"جگہ کا فیصلہ تو آپ نے کیا ہی نہیں، مگر جہاز پر سوار ہو گئے!"
"جہاز کی روانگی میں بہت کم دیر تھی اور وہ سیٹی بجا رہا تھا۔ اس لئے کچھ طے کئے بغیر میں جلدی سے سوار ہو گیا"
"نمسکار مہاشے! مجھے آپ سے حسنِ عقیدت ہو گیا تھا لیکن مجھ میں اور آپ میں مشرق و مغرب کی دوری ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم پہلے پختہ فیصلہ کرتے ہیں اور پھر جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ تو فیصلہ کر لیا، کہ جائیں گے، مگر کہاں جائیں گے، اس کا فیصلہ نہیں کیا، خوب! اور آپ کی بیوی بھی ساتھ ہے؟"
رمیش "ہاں" کہنا چاہتا تھا، لیکن کسی طرح بھی نہ کہہ سکا، اسے خاموش دیکھ کر چکرورتی نے کہا: معاف کیجئے گا، آپ کی بیوی آپ کے ساتھ ہی ہے۔ میں نے پہلے ہی یہ معلوم کر لیا ہے۔ وہ اس کمرے میں کھانا پکا رہی ہے۔ میں بھی اپنی شکم پُری کا انتظام کرنے اس طرف گیا تھا۔ اور بہو سے کہا تھا — بیٹی، مجھے دیکھ کر شرماؤ نہیں، میں پچھم دیس کا چکرورتی کاکا ہوں۔ پھر کہا — ماں، جب رسوئی خانہ پر تمہارا اختیار ہے تو میں بھوکا نہ رہنے پاؤں — بہو مسکرا دی۔ میں نے سمجھ لیا۔ وہ مجھ سے ناراض نہیں ہوئی۔
اب کھانے کا کوئی فکر نہیں، میں جب سفر کا ارادہ کرتا ہوں تو پہلے اچھا سا دن دیکھ لیتا ہوں۔ لیکن ایسا اچھا موقعہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملا۔ اب آپ اپنا

کام کریں، میں زیادہ مخل نہیں ہونا چاہتا۔ اگر اجازت ہو، تو میں بھی مدد کروں،
نہیں نہیں، آپ بیٹھئے۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تعارف کرتے
میں نہایت ہوشیار ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ رسوئی گھر کی طرف چلا۔ قریب پہنچ کر بولا: "بڑی عمدہ خوشبو آرہی
ہے۔ کھانا تو درکنار، خوشبو ہی سے طبیعت سیر ہو گئی۔"

کملا نے ہنس کر کہا: "مجھے کھانا بنانا سکھا سیے؟"

"ایک ہی دن میں تو تعلیم نہیں دی جا سکتی۔ اگر میں اس طرح علم کی بے قدری
کروں، تو سرسوتی ماتا مجھ سے ناراض ہو جائیں۔ دو چار دن اس بڈھے کی خوشامد
کرنی ہوگی ——— اور ہاں، یہ بھی سن لو، کہ میں پان ذرا زیادہ کھاتا ہوں مگر چھالیہ کے
ٹکڑے بڑے بڑے ہوں۔ مجھے بس میں کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن تمہارے شگفتہ
چہرے نے یہ کام نہایت آسان کر دیا۔"

پھر اُمیش سے مخاطب ہو کر پوچھا: "کیوں تیرا کیا نام ہے؟"

اُمیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس سے کچھ ناراض معلوم ہوتا تھا، وہ سوچ
رہا تھا، کہ کملا کی محبت میں حصہ بٹانے کے لئے یہ کہاں سے آگیا؟ کملا نے امیش کو خاموش
دیکھ کر کہا: "اس کا نام امیش ہے۔"

بوڑھے چکرورتی نے کہا: "یہ لڑکا تو عجیب ہے۔ اس کے دل کی تھاہ ہی نہیں ملتی
لیکن اس کی مجھ سے خوب چھنے گی۔ مگر اب دیر نہ کرو۔ بلاؤ میں جلدی سے کھانا بنا دوں۔"
کملا، جو کمی سی محسوس کر رہی تھی، وہ اس بوڑھے کو پا کر بھول گئی۔ امیش نے بھی
اس کے آنے سے اطمینان کا احساس کیا۔

تھوڑی دیر بعد کملا اس کے کمرے کے دروازے کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اس کی خواہش
تھی، کہ وہ آج دوپہر کو فرصت کے وقت چکرورتی سے باتیں کرے گی۔ چکرورتی اُسے
دیکھتے ہی کہہ اٹھا: "نہیں بیٹی، میں یہ پسند نہیں کرتا۔"

کملا سمجھ نہ سکی، کہ یہ کیا پسند نہیں کرتا۔ بوڑھے نے رمیش سے مخاطب ہو کر کہا۔

"رمیش بابو' آپ نے اسے جوتا پہنایا ہے۔ یہ اچھا نہیں کیا' ہمارے دیس کی مقدس زمین کو جوتے پہننے والی عورتوں سے بچا کر رکھئے۔ آپ میری باتوں پر ہنستے ہوں گے۔ آزاد خیال جو ٹھہرے بغیر سوچے سمجھے جہاز پر سوار ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں!"

رمیش نے کہا: چاچا جی! آپ ہی ہماری منزل طے کر دیجئے۔ جہاز کی سیٹ سے آپ کی رائے یقیناً اچھی ہوگی"

چکرورتی نے کہا: "دیکھو' اب تمہاری عقل ٹھکانے ہوئی' تو چلو غازی پور چلیں۔ کیوں بیٹی' غازی پور چلوگی؟ وہاں گلاب کے کھیت بکثرت ہیں۔ اور وہیں تمہارا یہ بوڑھا خادم رہتا ہے"

رمیش نے کملا کے منہ کی طرف دیکھ کر کہا: "کیا خیال ہے؟"

کملا نے گردن جھکا لی۔ اس کے بعد رمیش اور چکرورتی نے مل کر کملا کے کمرے میں میٹنگ شروع کی' رمیش ایک سرد آہ بھر کر باہر ہی رہ گیا۔

موسم سرما کی دلکش دوپہر تھی۔ قریب کے کمرے سے رہ رہ کر کملا کی دبی ہوئی ہنسی کی آواز رمیش کے کانوں میں آتی' تو اس کے سینے میں بانسری کے نغمہ کی سی دلکش جھنکار پیدا ہو جاتی۔

(۲۹)

بہت دنوں سے کملا کو رمیش کے متعلق سوچنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ پانی کا سوتا جہاں اپنی روانی میں رکاوٹ پاتا ہے۔ وہاں میل سی جم جاتی ہے۔ کملا کے دل کے سوتے میں بھی کچھ میل سی جمع ہو گئی تھی۔ اور طرح طرح کی باتیں بار بار ایک ہی جگہ چکر کاٹ رہی تھیں۔ بوڑھے چکرورتی کے آنے پر ہل جل کر کھانا بنانے اور ہنسی تفریح میں سوتا کھل گیا۔ وہ میل دھل کر بہہ گئی۔

رفتہ رفتہ خوشیوں اور مسرتوں کے دن شروع ہوئے۔ رمیش بھی اپنی خدمات سرگرمی سے انجام دینے لگا۔ ایک دن رمیش نے کملا سے پوچھا: "رمیش اب تو ترکاریاں

وغیرہ چرا کر نہیں لاتا؟ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چوری کی عادت بیل کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ وہ پیسے بھی چراتا ہے اور ترکاریاں بھی!"

یہ کہہ کر رمیش نے امیش کو بلایا۔ اور کہا "آج کا حساب تو دے۔"

لیکن امیش کا حساب رمیش کے حساب سے نہ ملا۔ جو کچھ اسے دیا گیا تھا۔ خرچ اس سے بہت زیادہ تھا لیکن امیش اس سے گھبرایا نہیں۔ اس نے کہا "اگر میں حساب ٹھیک رکھ سکتا، تو میری یہ حالت کیوں ہوتی۔ پھر تو میں گماشتہ ہو سکتا تھا۔ کیوں چاچا جی؟"

چکرورتی نے کہا "رمیش بابو! کھانا کھانے کے بعد اس سے حساب لیجئے گا۔ اس وقت یہ اچھی طرح سوچ سکے گا۔ امیش میں اکٹھا کرنے کی عادت ہے۔ یہی کیا کم ہے؟"

رمیش نے کہا "چاچا جی! یہ آپ اچھا نہیں کرتے۔ اس طرح اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا"

چکرورتی نے کہا "ابھی بچہ ہے۔ اس لئے اس کا حوصلہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔"

الغرض اسی قسم کی باتیں روزانہ ہوتی رہتیں۔ رمیش جتنا سختی سے کام لیتا، کملا اسی قدر نرمی سے!

پورنماشی کے قریب ایک دن صبح اٹھ کر دیکھا تو آسمان پر بادلوں کا ہجوم تھا۔ کبھی کبھی بارش ہونے لگتی تھی۔ اور کبھی تھوڑی دیر کے لئے دھوپ نکل آتی تھی۔ گنگا میں آج کوئی کشتی نظر نہ آتی تھی۔ پانی بھرنے والی لڑکیاں بھی آج زیادہ دیر تک گھاٹ پر نہ ٹھہرتی تھیں۔

چکرورتی نے کہا "بیٹی! آج دونوں وقت کے لئے کھانا بنا لو۔ طوفان کے آثار نظر آتے ہیں!"

کھانے پینے کے بعد طوفان شروع ہو گیا۔ پانی رہ رہ کر زور شور سے لہریں لینے لگا۔ یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ سورج غروب ہوا ہے یا نہیں، جہاز نے لنگر ڈال دئے۔ شام ہو گئی۔ بادلوں کے منتشر ٹکڑے مریض کی زردی آمیز ہنسی کی طرح چاند کی روشنی میں آنے جانے لگے۔ اور ایک بار پھر بارش شروع ہو گئی۔ کملا چونکہ ایک بار پانی میں ڈوب چکی

تھی اس لئے وہ بہت ڈرتی تھی۔ رمیش نے اسے تسلی دینے کے لئے کہا: "جہاز پر کوئی خوف نہیں۔ تم بے فکر رہو۔ میں ساتھ کے کمرے میں جاگ رہا ہوں۔"

کملا کو اس سے تسلی ہوئی یا نہیں، یہ کہا نہیں جا سکتا۔ مگر اس نے چکرورتی سے کہا۔ "چاچا جی، تم اس کمرے میں آ بیٹھو۔"

چکرورتی نے جھجکتے ہوئے کہا: "بیٹی، تمہارے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ میں اس وقت .... کمرے میں جا کر دیکھا۔ رمیش وہاں نہیں۔ اس بارش میں کہاں گئے؟ یہ ساگ چرانا تو اُن کی عادت نہیں...."

چکرورتی نے جھانک کر دیکھا — رمیش بستر پر پڑا کتاب پڑھ رہا ہے۔ بولے "بہو کملی ڈر رہی ہے۔ آپ کی کتاب تو طوفان سے نہیں ڈرتی۔ آؤ اس کمرے میں آ جاؤ۔"

کملا نے جلدی سے چکرورتی کا ہاتھ پکڑ کر بھینچتے ہوئے گلے سے کہا: "نہیں نہیں چاچا جی!"

بارش کے شور میں رمیش نے یہ بات نہیں سُنی۔ وہ کتاب رکھ کر اس کمرے میں آیا۔ اور پوچھا۔

"چاچا جی، کیا بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کملا آپ کو...."

کملا رمیش کی طرف نہ دیکھتے ہوئے بول اُٹھی: "نہیں، میں نے انہیں صرف قصہ سُنانے کے لئے بلایا تھا۔"

تھوڑی دیر کے بعد پھر کملا نے کہا: "چاچا جی، رات کافی ہوتی جا رہی ہے۔ آپ جا کر سو جائیے۔ ذرا امیش کی خبر بھی لے لیجئے گا۔ کہیں وہ ڈر نہ رہا ہو۔"

دروازہ کے پاس سے آواز آئی۔ "ماں، میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

امیش منہ لپیٹے کملا کے دروازے پر بیٹھا تھا۔ کملا کا دل پسیج اُٹھا۔ اس نے جلدی سے باہر جا کر کہا: "کیوں امیش! تو پانی میں کیوں بھیگ رہا ہے؟ جا کمبخت، چاچا جی کے پاس سو رہ!"

کملا کے منہ سے کمبخت کا لفظ سُن کر امیش خوش ہو کر چکرورتی کے ساتھ سونے چلا گیا۔

رمیش نے پوچھا: "جب تک نیند نہ آئے، کوئی قصہ سُناؤں!"

کملا نے کہا "نہیں مجھے زور کی نیند آرہی ہے"
یہ بات نہیں کہ رمیش نے کملا کا مطلب نہ سمجھا ہو۔لیکن اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اس کے چہرے پر ایک افتخار آمیز نگاہ ڈال کر آہستہ آہستہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

کملا بستر پر لیٹ کر آرام سے سو نہ سکی بارش کے ساتھ ہی دریا کا پانی تموّج میں آنے لگا۔ رفتہ رفتہ انجن گھر میں سارنگی کی آواز سے مشابہ سیٹی بجنے لگی۔ جہاز کو پانی کے بیرونی تھپیڑوں سے بچانے کے لئے لنگر ڈالے جا رہے تھے۔

کملا تھوڑی دیر کے لئے باہر آکھڑی ہوئی۔ بارش دم بھر کے لئے رُک گئی تھی۔ لیکن تیز ہوا زخمی جانور کی طرح چلاتی ہوئی زور سے دوڑتی نظر آتی تھی۔ دریا پر تاریکی کا ایک پردہ پڑا تھا۔

(۳۰)

دوسرے دن صبح بارش کا زور شور اگرچہ کم ہوگیا تھا۔ لیکن وہ بالکل بند نہیں ہوئی تھی۔ جہاز راں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے، کہ لنگر اٹھا دئے جائیں یا نہ۔"

صبح ہی چکرورتی جب رمیش کی تلاش میں کملا کے ملحقہ کمرے میں پہنچے۔ تو دیکھا رمیش ابھی تک بستر پر پڑا تھا۔ چکرورتی کو دیکھتے ہی رمیش جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ چکرورتی نے اس کمرے میں رمیش کے سونے اور گذشتہ رات کے واقعات پر غور کرتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے۔ رات اسی کمرے میں سوئے تھے!"

رمیش نے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا "یہ کیا مصیبت پیش آگئی ہے۔ رات آپ کو کیسی نیند آئی؟"

چکرورتی نے کہا "رمیش بابو، آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ میری تمام باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ پھر بھی مجھے اس عمر میں کتنے ہی مشکل مسائل پر غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے اکثر کا حل بھی مجھے مل گیا۔ لیکن آپ میرے لئے یکسر معمہ ہیں۔"

لمحہ بھر کے لئے رمیش کا چہرہ سُرخ ہو گیا لیکن اس نے فوراً خود کو سنبھال کر ہنستے ہوئے کہا "اگر میں آپ کے لئے سمتہ ہوں، تو اس میں اعرج ہی کیا ہے جسے آپ سمجھ نہیں سکتے، اسے معیوب قرار نہ دیں۔ اور جس حرف کو آپ نہیں پہچانتے، اس کی طرف غور سے دیکھتے رہنے پر ہی آپ اسے پہچان لیں گے، یہ خیال بھی ذہن میں نہ لایئے۔"

چکرورتی نے کہا "معاف کیجئے گا رمیش بابو، جس کے ساتھ سمجھنے سمجھانے کا کوئی تعلق نہ ہو اسے سمجھنے کی کوشش کرنا بے سود ہے لیکن اتفاق سے دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں دیکھتے ہی ان سے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی اتفاقیہ دراز ریش بھاندران سے ہوسکتی ہے سو ضرور تسلیم کرے گا اور اگر نہ کرے گا، تو میں سمجھوں گا کہ وہ مسلمان نہیں۔"

اس دوران میں رمیش سوچتا رہا کہ غازی پور جانا چاہئے یا نہیں! پہلے اس نے سوچا کہ اجنبی مقام پر رہنے میں بوڑھے کی واقفیت کام آئے گی۔ مگر پھر خیال آیا کہ جان پہچان میں دقت بھی ہے۔ اگر اس بات کا تذکرہ چھڑ گیا کہ کملا سے اس کا کیا تعلق ہے۔ تو کملا کے لئے سخت مشکل کا سامنا ہو گا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسی جگہ رہائش اختیار کی جائے۔ جہاں کوئی سوال کرنے والا نہ ہو۔ غازی پور پہنچنے سے پیشتر ہی رمیش نے کہا۔

"چاچا جی! وکالت کے لئے غازی پور کوئی موزوں جگہ نہیں۔ اس لئے میرا ارادہ بنارس جانے کا ہے۔"

چکرورتی نے کہا "بار بار رائے تبدیل کرنا ٹھیک نہیں۔ کیا یہ آخری فیصلہ ہے کہ ضرور آپ بنارس جائیں گے۔"

رمیش نے کہا "ہاں!"

چکرورتی نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ اپنا سامان باندھنے چلے گئے۔ کملا نے آکر کہا "چاچا جی، کیا آج مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟ لڑائی کر لی ہے کہ اب نہیں بولیں گے؟"

چکرورتی نے کہا "لڑائی تو دونوں وقت ہوتی ہے۔ مگر میں کبھی جیت نہیں سکتا۔"

"آج صبح سے تم مجھ سے الگ الگ کیوں پھر رہے ہو؟"

"تم تو مجھ سے بھی زیادہ بھاگنے کی کوشش میں ہو اور الٹا مجھے ہی الزام دے رہی ہو۔"
کملا اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ وہ چکرورتی کے منہ کی طرف دیکھنے لگی۔ چکرورتی نے کہا۔
"تمہاری تو بنارس جانے کی تیاری ہو چکی ہے۔ کیا رمیش بابو نے تم سے نہیں کہا؟"
کملا نے "ہاں" یا "نہیں" کوئی جواب نہ دیا۔ پھر چند لموں کے بعد کہا "چاچا جی!
تم کپڑے وغیرہ اچھی طرح صندوق میں نہ رکھ سکو گے۔ لاؤ میں رکھ دوں۔"
اتنے میں رمیش کملا سے بنارس جانے کے متعلق بتلانے آیا۔ بولا "میں تمہیں ڈھونڈتا
پھر رہا تھا۔"
کملا اسی طرح چکرورتی کے کپڑے صندوق میں رکھنے میں محو رہی۔ رمیش کہنے لگا۔
"کملا! اس مرتبہ ہم غازی پور نہ جا سکیں گے۔ میں نے سوچا ہے کہ بنارس چل کر وکالت شروع
کروں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"
کملا کی نگاہیں بدستور چکرورتی کے صندوق پر تھیں۔ بولی "میں تو غازی پور ہی
جاؤں گی۔ سب سامان باندھ لیا ہے۔"
رمیش کملا کے اس جواب سے متعجب سا ہو کر بولا "کیا تم اکیلی ہی جاؤ گی؟"
کملا نے چکرورتی کے چہرے پر محبت آمیز نگاہ ڈال کر کہا "ہاں، وہاں چاچا تو ہیں۔"
چکرورتی نے کملا کے اس جواب سے قدرے ناراض ہو کر کہا "بیٹی! اگر تم اس قدر
بے تکلفی کا اظہار کرو گی، تو رمیش بابو میری صورت دیکھنا بھی پسند نہ کریں گے۔"
اس کے جواب میں کملا نے صرف یہی کہا "میں غازی پور ہی جاؤں گی۔"
رمیش نے کہا "تو چاچا جی، غازی پور ہی چلنا چاہیئے!"
بارش کے بعد دوسری رات کو آسمان پہ چاند پوری تابانی سے جلوہ ریز تھا۔ رمیش
کرسی پہ بیٹھا سوچ رہا تھا ——— اب تو اس طرح نہ چل سکے گا۔ کملا کے ساتھ رہنے سے
حالات اور بھی بدتر ہو جائیں گے۔ اب ضرور کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ کملا میری بیوی ہے۔
قدرت نے اس دن کملا کو میری بیوی کی شکل میں اس سنسان دریا کے کنارے میرے
پاس لا کر خود ہی شادی کے مراسم ادا کر دئے تھے۔ اس جیسا بیدوہت اس دنیا

میں اور کون ہے ؟"

ادھر نلنی اور رمیش کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ جھجک، بے عزتی، بے اعتمادی کی اس خلیج کو پاٹ کر اگر رمیش فتح حاصل کر سکے۔ جب ہی وہ نلنی کے پاس سر اُٹھا کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اسے خوف تھا کہ وہ اس معاملہ میں اپنی صفائی پیش نہیں کر سکتا۔ اور صفائی پیش کرتے ہوئے تمام معاملہ لوگوں کی نگاہوں میں لچر لوچ اور کملا کے لئے دردرساں ہو جائے گا۔ اس لئے اسے ایسے خیالات دل میں نہ لانے چاہئیں۔ تمام شکوک و شبہات کو چھوڑ کر کملا ہی کو بیوی کی حیثیت میں قبول کرنے میں خیریت و مصلحت ہے۔

نلنی تو رمیش سے نفرت کرتی ہے۔ اور یہی نفرت اسے موزوں شوہر تلاش کرنے پر مجبور کر دے گی۔ یہ سوچ کر رمیش نے ایک گہرا سانس لیکر اس امید کو دفن کر دیا۔

(۱۳)

رمیش نے پوچھا۔" کیوں رے تو کہاں چلا ؟"

اُمیش نے کہا۔" ماں جی کے ساتھ جاؤں گا۔"

" میں نے تو تیرے لئے کاشی تک کا ٹکٹ لے لیا ہے۔ یہ تو غازی پور کا گھاٹ ہے ہم تو کاشی جائیں گے ہی نہیں۔"

" تو میں بھی نہ جاؤں گا۔"

رمیش کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ لڑکا ہمارا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ لیکن اس کا استقلال و استقامت دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کملا سے پوچھا " تو اُمیش کو بھی ساتھ لے چلو گی ؟"

کملا نے کہا۔" لے نہ جاؤں گی تو وہ جائے گا کہاں ؟"

" کیوں ؟ کاشی میں اس کے رشتہ دار جو ہیں !"

" نہیں، وہ ہمارے ہی ساتھ رہے گا۔ اُمیش ! تو چکرورتی کا کا کے ساتھ چلنا، ایسا نہ ہو بھیڑ بھاڑ میں گم ہو جائے۔ پردیس کا معاملہ ہے۔"

کہاں جانا ہوگا۔ کس کس کو ساتھ لے جانا ہوگا۔ ان سب باتوں کا بوجھ بھی کملا نے اپنے اوپر ہی لے لیا۔ پہلے وہ ہر ایک کام رمیش سے پوچھ کر کیا کرتی تھی، اس کے حکم کو نہایت عاجزانہ انداز میں مان لیتی تھی لیکن اب چند روز سے اس نے یہ پابندی ترک کر دی تھی۔

اس لئے امیش بھی اپنی چھوٹی سی گھٹڑی اُٹھا کر اس کے ساتھ ہی چلا۔ اس سلسلے میں اور زیادہ گفتگو نہیں ہوئی۔

شہر اور صاحب گنج کے درمیان چکرورتی کا ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا۔ اس کے پیچھے آم کا باغ تھا۔ اور سامنے پختہ کنواں۔ چھوٹے سے احاطے میں سبزی کے کیارے تھے پہلے دن امیش اور کملا اسی بنگلے میں جا کر ٹھہرے۔

چکرورتی سب سے یہی کہا کرتے تھے کہ ہماری بیوی ہری بھاونی ہمیشہ بیمار رہتی ہے۔ لیکن اس کا چہرہ دیکھنے سے بیماری کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ اس کی عمر کم نہ تھی لیکن چہرے پر شکن تک نہ تھی۔ سامنے کے بال کچھ کچھ پک گئے تھے لیکن سیاہ بالوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اسے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ بڑھاپے نے ڈگری تو حاصل کر لی ہے لیکن دخل نہیں پا سکا۔

سچ تو یہ ہے کہ جب یہ دونوں جوان تھے تو ہری بھاونی کو زور کا ملیریا ہو گیا تھا۔ تبدیل آب و ہوا کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر چکرورتی جی غازی پور میں اسکول کی ملازمت کر کے یہیں رہنے لگے۔ بیوی کے تندرست ہو جانے پر بھی انہیں اس کی تندرستی کا یقین نہ آیا تھا۔

مہمانوں کو باہر کے کمرے میں بٹھا کر چکرورتی نے اندر جا کر بیوی کو آواز دی۔

ہری بھاونی اس وقت دھوپ میں اچار مربے وغیرہ کے برتن رکھ رہی تھی اور ایک مزدور عورت سے گیہوں پسوا رہی تھی۔

چکرورتی نے آتے ہی کہا "یہ کیا؟ جاڑا آ گیا۔ تم ایک آدھ گرم چادر کیوں نہیں اوڑھ لیتیں؟"

ہری بھاونی نے کہا۔" آپ کی سب باتیں انوکھی ہوتی ہیں۔ جا رہا ہے کہاں؟ دھوپ سے تو پیٹھ جلی جا رہی ہے "

" یہ بھی تو اچھا نہیں، چھاؤں کچھ اتنی مہنگی تو نہیں "

" اچھا، یہ سب رہنے دیجئے۔ آپ نے آنے میں اتنی دیر کیوں کی؟"

" یہ پھر بتاؤں گا۔ ابھی گھر پر جو مہمان آئے ہیں، ان کی خاطر مدارات کا انتظام کرنا ہوگا"

یہ کہہ کر چکرورتی نے آنے والوں کا تعارف کرایا۔ چکرورتی کے گھر آئے دن مہمان آتے رہتے تھے، لیکن بیوی سمیت کسی مہمان کے آنے کی ہری بھاونی کو امید نہ تھی۔ اور نہ وہ اس کے لئے تیار تھی۔

اس نے کہا: " آپ کے گھر میں جگہ کہاں ہے جو انہیں رکھیں گے "

" پہلے ان سے جان پہچان تو کر لو۔ جگہ کی بات چیت پھر ہوگی۔ میری اَنّ پورنا کہاں ہے؟"

" وہ اپنے لڑکے کو نہلا رہی ہے "

چکرورتی فوراً کملا کو اندر بلا لائے۔ کملا نے ہری بھاونی کو پرنام کیا۔ ہری بھاونی نے اشیرواد دے کر کہا: " ان کا چہرہ میری ششی کلا سے بہت ملتا جلتا ہے "

ششی کلا چکرورتی کی بڑی لڑکی تھی۔ وہ کانپور اپنی سسرال میں رہتی تھی۔ چکرورتی دل ہی دل میں ہنسے۔ وہ جانتے تھے کہ کملا کے ساتھ ششی کلا کو کوئی مشابہت نہیں۔ لیکن ہری بھاونی اپنی لڑکی کو حسن و سلیقہ میں سب سے بالاتر سمجھتی تھی۔ وہ کسی لڑکی کو اپنی لڑکی سے زیادہ حسین نہ مان سکتی تھی۔ اَنّ پورنا گھر ہی میں تھی۔ اس کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، تو شاید ہار ماننا پڑے۔ اس لئے ہری بھاونی نے جو گھر پر موجود نہ تھی، اس کے حسن کے گیت گانے شروع کر دیئے۔

پھر اس نے کہا: " ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ تشریف لائے ہیں۔ لیکن اپنا نیا مکان تو ابھی درست نہیں ہوا۔ اس گھر میں ہم کس طرح دن کاٹ رہے ہیں۔ یہاں انہیں بڑی تکلیف ہوگی "

بازار میں چکرورتی کے ایک مکان کی مرمت ضرور ہو رہی تھی۔ لیکن وہ دکان تھی، رہائش کے لئے موزوں نہ تھی۔

چکرورتی نے بیوی کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صرف مسکرا کر رہ گئے۔ اور پھر بولے: "اگر بہو تکلیف سمجھتیں، تو کیا میں انہیں اس گھر میں لاتا؟ خیر اب تم دیر تک دھوپ میں نہ کھڑی رہو۔ آخر سرما کی دھوپ بہت خراب ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر چکرورتی باہر رمیش کے پاس چلے گئے۔

ادھر ہری بھاونی کملا سے اس کے متعلق بالتفصیل دریافت کرنے لگی: "تمہارے پتی وکیل ہیں؟ وہ کتنے دن سے وکالت کرتے ہیں؟ وکالت نہیں کی؟ تو پھر خرچ کیسے چلتا ہے؟ تمہارے سسر امیر ہیں؟ ان کے پاس بہت دولت جائیداد ہے؟ یہ بھی نہیں جانتیں؟ کیسی بھولی بھالی ہو کہ سسرال کی خبر نہیں رکھتیں؟ گھر کے خرچ کے لئے تمہارے سوامی تمہیں ہر ماہ کتنے روپے دیتے ہیں؟ جب ساس نہیں، تو گھر گرہستی کا تمام کام تمہیں کو کرنا پڑتا ہوگا! تم بالکل بچی تو نہیں ہو۔ میرا بڑا داماد جو کچھ کماتا ہے۔ سب میری شششی کے ہاتھ پہ رکھ دیتا ہے۔"

اس قسم کے بے شمار سوالات اور ادھر اُدھر کی باتوں سے ہری بھاونی نے کملا کو پریشان کر دیا۔ کملا رمیش کے بارے میں بہت کم باتیں جانتی تھی۔ ہری بھاونی کی باتوں سے اسے محسوس ہوا کہ ان دونوں کا ازدواجی تعلق کتنا عجیب و غریب اور اس کا اظہار کتنا باعث شرم و ندامت ہے۔ اس نے سوچا — آج تک اسے رمیش کے ساتھ کبھی بھی اچھی طرح بات چیت کا موقعہ نہیں ملا۔ وہ رمیش کی بیوی ہے۔ پھر بھی اپنے پتی کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ آج اسے خود یہ سب عجیب و غریب معلوم ہونے لگا۔ اور اپنی ناواقفیت پر ندامت سی محسوس ہونے لگی۔

ہری بھاونی پھر کہنے لگی: "بہو، تمہارے ہاتھ کے کڑے تو دیکھوں! یہ سونا تو اچھا معلوم نہیں دیتا۔ کیا میکے سے تم کچھ گہنا نہیں لائی تھیں؟ کیا تمہارے باپ زندہ نہیں؟ اسی لئے تمہارے جسم پر اتنے کم زیور ہیں۔ پتی تمہیں کچھ زیور نہیں بنوا دیتے؟ میرا بڑا داماد تو میری

ششی کو دوسرے تیسرے مہینے ایک نہ ایک نیا زیور بنوا دیتا ہے۔"

ان دونوں میں یہ سوال وجواب ہو رہے تھے، کہ ان پورنا اپنی دو سال کی لڑکی کا ہاتھ پکڑے آ گئی۔ اس کا رنگ سانولا تھا۔ اور چہرہ چھوٹا اور بڑی بڑی گول آنکھیں تھیں، کشادہ پیشانی اور لمبے بال! اس کا چہرہ دیکھتے ہی معلوم ہوتا تھا، وہ متین، حلیم اور خاموشی پسند لڑکی ہے۔

ان پورنا کی چھوٹی لڑکی کملا کے سامنے کھڑی ہو کر کچھ دیر تک ٹکٹکی باندھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بول اٹھی: "موسی!"

یہ بات نہیں کہ اس نے ششی کملا سمجھ کر اسے موسی کہا ہو۔ بلکہ بڑی عمر کی جو عورت اسے اچھی معلوم ہوتی تھی، وہ اسے موسی ہی کہہ کر پکارتی تھی۔ کملا نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

ہری بھاونی نے ان پورنا سے کملا کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "ان کے پتی وکیل ہیں۔ وہ روزگار کے لئے پردیس آئے ہیں۔ راستے میں ان کی تمہارے پتا سے ملاقات ہو گئی۔ وہی انہیں یہاں لائے ہیں۔"

کملا اور ان پورنا نے ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھا۔ نگاہوں کے اس تصادم نے دونوں کا دل ایک دوسرے کی طرف کھینچ لیا۔ ہری بھاونی مہمانوں کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کرنے چلی گئی۔ ان پورنا نے کملا کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "بہن، چلو میرے کمرے میں چلو۔"

تھوڑی دیر میں دونوں بڑی محبت سے باتیں کرنے لگیں، جیسے دونوں کی بہت پرانی جان پہچان ہو۔ ان پورنا اور کملا میں عمر کا جو فرق تھا، وہ بہ آسانی نظر آتا تھا۔ ان پورنا دبلی پتلی اور چھوٹے قد کی تھی۔ کملا اس کے بالکل برعکس تھی۔ شادی کے بعد ساس سسر کا کوئی دباؤ نہ ہونے کی وجہ سے ہو، یا کسی اور وجہ سے۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک قسم کی آزادی و خودمختاری کی جھلک تھی، اس کے سامنے جو کچھ آتا ہے وہ اس کے متعلق کم از کم دل ہی دل میں سوال کئے بغیر

نہیں رہتی۔ "چُپ رہو" "جو کہتے ہیں وہی کرو" "بہو کو زبان نہ لڑانی چاہیے" وغیرہ وغیرہ
باتیں جو اکثر بہوؤں کو سننا پڑتی ہیں، اس نے آج تک نہیں سنیں!

ان پورنا کی لڑکی اوما سے دل بہلاتے بہلاتے دونوں سہیلیوں میں گپ شپ کا تانتا بندھ گیا۔ اسی گفتگو میں کملا نے اپنے عجز کا اندازہ کر لیا۔ ان پورنا کے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ لیکن کملا کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کملا کے قرطاس دل پر ازدواجی زندگی کی جو تصویر تھی وہ پنسل سے کھینچے ہوئے ایک خاکے کی طرح تھی۔ اس میں ابھی رنگ نہیں بھرا گیا تھا۔ کملا کو اتنے دن تک اس پر غور کرنے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔ اگرچہ وہ دل میں کئی بار ایک خلاء محسوس کر چکی تھی۔ تاہم اس سے اس [illegible]

جب ان پورنا نے اس سے اپنے بیاہ کا حال کہنا شروع کیا [illegible] ان پورنا کے سامنے [illegible] بیٹھے ہوئے تھے [illegible] تھی وہ سب اسی [illegible] ایک [illegible] [illegible] دیکھا [illegible] کوئی چیز نہیں۔ وہ ان پورنا سے اپنے [illegible] کا پورا پورا اندازہ ان پورنا کی [illegible] حیات [illegible] کے سلسلے میں [illegible] جا رہی تھی۔ وہ اس کملا کی خالی کشتی مایوسی کی چٹان سے ٹکرا کر بکھری پڑی تھی۔

ان پورنا کا پتی دینا بہاری غلہ کی پوربیہ افیون کے گودام میں کام کرتا تھا۔ بیکو رتی کی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی اپنی سسرال میں تھی۔ چھوٹی لڑکی کو اپنی آنکھوں سے دور کرنے کی ہمت نہ پا کر بیکو رتی ایک غریب برہمن ڈھونڈ لایا۔ اور شادی کے بعد کام کے یہاں کوشش کر کے اسے اسی شہر میں ایک نوکری بھی دلا دی۔ اور دینا بہاری انہی کے یہاں رہنے لگا۔

باتیں کرتے کرتے یکایک ان پورنا اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ "بہن! تم ذرا بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں۔" پھر ذرا ہنس کر اپنے جانے کی وجہ بیان کی۔

"وہ نہا کر چوکے میں آ گئے ہیں۔ کھانا کھا کر دفتر جائیں گے۔"

کملا نے سادگی آمیز حیرت سے پوچھا: "تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ وہ چوکے میں آ گئے ہیں"

"تم مذاق نہ کرو۔ جس طرح سب سہاگن عورتیں جان لیتی ہیں، اسی طرح میں نے بھی جان لیا۔ کیا تم اپنے پتی کے پاؤں کی آہٹ نہیں پہچانتیں ؟"

یہ کہہ کر ان پورنا نے ہنس کر کملا کی ٹھوڑی کو ذرا ہلا دیا۔ پھر چابیوں کے گچھے کو آواز کے ساتھ پیٹھ پر ڈال کر، لڑکی کو گود میں لے کر چلی گئی۔ پاؤں کی آہٹ کی زبان اتنی آسان ہے۔ یہ کملا ابھی نہ سمجھ سکی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی کھڑکی کے باہر دیکھ کر سوچنے لگی۔ کھڑکی کے باہر امرود کا پیڑ پھولوں سے بے طرح لدا ہے۔ اور اس پر شہد کی مکھیاں جھوم جھوم کر منڈلاتی ہوئی رس چوس رہی تھیں۔

(۴۴)

گنگا کے کنارے اچھی اور کھلی جگہ میں مکان کرایہ پر لینے کی فکر کی جا رہی تھی۔ رمیش نے غازی پور کی عدالت میں باقاعدہ وکالت کرنے اور ایک بار کلکتہ جا کر ضروری سامان لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن کلکتہ جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کلکتہ کی ایک خاص گلی کے منظر نگاہ کے سامنے آتے ہی اس کا دل لرز اٹھتا۔ وہ اب بھی موہ کے جال میں گرفتار تھا۔ ادھر کملا کے ساتھ حقیقی معنی میں ازدواجی تعلق قائم کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اور اس میں تاخیر بھی غیر مناسب تھی۔ انہیں باتوں کے متعلق غور و فکر کر کے رمیش کلکتہ جانے میں پس و پیش کر رہا تھا۔

کملا، چکرورتی ہی کے مکان میں رہتی تھی۔ اندر جگہ کم تھی۔ اس لئے رمیش کو باہر کے کمرے میں رہنا پڑتا تھا۔ اس طرح کملا سے ملنے جلنے کا زیادہ موقعہ نہ ملتا تھا۔ اس جدائی اور الگ رہنے پر ان پورنا کملا سے اظہار ناراضگی کرنے لگی۔ کملا نے کہا "کیوں بہن! تم فکر کیوں کرتی ہو؟ ایسی کون بات ہو گئی ہے؟"

ان پورنا نے ہنس کر کہا "واہ، تم بھی عجیب ہو۔ تمہارا دل تو پتھر سے بھی سخت ہے۔ یہ فریب رہنے دو۔ تمہارے دل کی حالت کیا ہے۔ نہیں سمجھتی۔ میں سب جانتی ہوں۔"

کملا نے پوچھا "اچھا بہن! سچ سچ کہو۔ اگر رمیش بابو دو دن تمہیں دکھائی نہ دیں تو کیا تم ......"

ان پورنا نے افتخار آمیز لہجے میں جواب دیا: "یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ وہ دن مجھ سے الگ رہنے کی ہمت بھی ہے ان میں!"

یہ کہہ کر وہ وپن بابو کی بے چینی اور بے صبری کے متعلق باتیں کرنے لگی۔ بچپن میں شادی کے بعد وپن نے بزرگوں کی آنکھ بچا کر دلہن کو دیکھنے کے لئے کیا کیا کوششیں اور تدبیریں کی تھیں۔ کب وہ اس میں کامیاب ہوا، اور کب ناکام رہا۔ اس کی چوری پکڑی گئی۔ دن کے وقت ملاقات نہ ہونے کا غم غلط کرنے کے لئے دوپہر کو کھلنے کے وقت بزرگوں کی نظر بچا کر آئینے کے ذریعے دونوں میں کس طرح باہم نظروں ہی نظروں میں پیغام دئے جاتے تھے۔ ایسی ہی باتیں کہتے کہتے گذشتہ واقعات کی یاد آ جانے سے ان پورنا کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ اس کے بعد جب وپن ملازم ہو گیا، اور دفتر جانے لگا تو چند گھنٹوں کی جدائی انہیں بار گذرنے لگی۔ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر وپن دفتر سے بھاگ آتا تھا۔ ایسی ایسی کئی باتیں ہیں۔ ایک بار سسر کے کاروبار کے سلسلے میں ایک دن کے لئے پٹنہ بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ اس وقت ان پورنا نے اس سے پوچھا: "آپ اکیلے پٹنے رہ سکیں گے" وپن نے بڑی شان سے کہا۔ کیوں نہ رہ سکوں گا؟ بڑے مزے میں رہوں گا"۔ بے پروائی کے اس انداز سے ان پورنا ناراض ہو گئی۔ اس نے دل و جان سے عہد کر لیا کہ رخصت ہونے کی پہلی رات کو میں ذرا بھی رنج و غم کا اظہار نہ کروں گی۔ وہ عہد آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ نہ جانے کدھر بہہ گیا۔ دوسرے دن جب سفر کی سب تیاری ہو چکی، تو یکایک وپن کے سر میں ایسا درد شروع ہوا کہ سفر ملتوی ہو گیا۔ جب ڈاکٹر آکر دوا دے کر چلا گیا، تو اس نے دوا کی شیشی نالی میں الٹا دی۔ اور اسی کا سر درد دیوتی کا فور ہو گیا۔ یہ قصہ بیان کرتے کرتے کتنا وقت گذر گیا ہے۔ آج گذشتہ واقعات میں محو ان پورنا کو اس کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ اچانک دروازے پر کسی کی آہٹ سنتے ہی وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔ وپن بابو نہ آئے ہوں۔ ساری گفتگو کے دوران میں مشتاق دل گویا ان کے آنے کی راہ دیکھا کرتا تھا۔

یہ بات نہیں کہ کملا کے لئے یہ سب باتیں عجیب و غریب اور ناقابل فہم ہوں۔ اس کا

احساس اسے پہلے ہی سے کسی قدر ہو چکا تھا۔ اس کا معمولی سا عکس وہ پہلے بھی کسی قدر دیکھ چکی تھی۔ پہلے کئی ماہ تک رمیش سے جو ابتدائی تعارف ہوا تھا۔ اس وقت سازِ دل پر گویا اس قسم کی راگنی گونجنے لگی تھی۔ [illegible] کے بعد سکوں سے چھٹکارا پا کر جب وہ رمیش کے پاس لوٹ آئی، پھر بھی کبھی کبھی اس طرح کی ایک لہر یکایک نامعلوم موسیقی اور رقص کے ساتھ اس کے دل میں ہلچل پیدا کر دیتی تھی۔ جس کا صحیح مطلب آج ان پورنا کی کہانیوں سے [illegible] کے ذہن نشین ہوا۔

لیکن صرف ذہن نشین ہو جانے سے کیا حاصل؟ [illegible] ان تمام واقعات کی کڑی [illegible] اسے کسی نتیجے تک نہیں پہنچنے دیا گیا۔ ان پورنا اور [illegible] طرح کی کشش ہے وہ رمیش اور کملا میں کہاں؟ [illegible] کملا کے دل میں کیا [illegible] باہر بیٹھا کوئی ترکیب سوچ رہا ہے [illegible] کا اظہار کر رہا ہو [illegible]۔

[illegible] مشکل میں پڑ گئی۔ ایسی نئی [illegible] ادھر چچی کے [illegible] اتنی بیتابی بھی اس میں نہ تھی۔ ادھر رمیش [illegible] کے پاس [illegible] کملا کی اس سے ملاقات نہیں ہوتی، تو چچی کی [illegible] میں اپنے بچے کے پاس جا کر عیش و عشرت منانے میں اسے کچھ رنج سا محسوس ہوا۔ اگر کسی طرح رمیش سے کملا کی ملاقات کا کوئی انتظام ہو جائے، تو کتنا اچھا ہو!

ایسی باتوں میں بڑے بوڑھوں سے مشورہ لے کر تو کچھ کیا نہیں جاتا۔ لیکن چکرورتی مشورے کے لئے انتظار کرنے والے آدمی نہیں۔ انہوں نے گھر میں سب کو کہہ دیا کہ آج ہم کسی خاص کام سے شہر سے باہر جا رہے ہیں۔ انہوں نے رمیش کو سمجھا دیا کہ آج باہر کا کوئی شخص ہمارے گھر نہیں آئے گا۔ ہم صدر پھاٹک بند کئے جاتے ہیں۔

یہ خبر انہوں نے اپنی لڑکی کو خاص طور سے سنا دی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بہانے سے اشاروں کا مطلب ان پورنا بخوبی سمجھتی ہے۔

غسل کے بعد ان پورنا نے کملا سے کہا "آؤ بہن! تمہاری چوٹی باندھ دوں۔"

"کیوں آج اتنی جلدی کس لئے؟" کملا نے پوچھا۔

"یہ پھر بتاؤں گی۔ پہلے تمہاری چوٹی باندھ دوں۔" یہ کہہ کر وہ کملا کو اپنے سامنے بٹھا کر کنگھی کرنے لگی۔ آج کملا کے بال بنانے میں ان پورنا نے خاص کاوش سے کام لیا۔

اس کے بعد ساڑھی کے متعلق دونوں میں کچھ بحث ہونے لگی۔ ان پورنا رنگین ساڑھی پہنانا چاہتی تھی۔ اور کملا اس کی مخالفت کر رہی تھی۔ آخر وجہ جانے بغیر ان پورنا کو خوش کرنے کے لئے کملا نے اس کی پسند کی ساڑھی پہن لی۔

دوپہر کو کھانے کے بعد ان پورنا چند منٹ کے لئے ... کہہ کر کچھ دیر کے لئے جیمنی سے کر کملا کے پاس آئی۔ اس نے کہا۔ کملا سے باہر کے کمرے میں جانے کے لئے اصرار کرنے لگی۔

یہاں آنے سے پہلے کملا کئی بار رمیش کے پاس بے جھجک آتی تھی۔ اس بات میں سماج سوسائٹی سے شرمانے کی کوئی بات ہے، اس کی اسے تمیز ہی نہ تھی۔ یہ جاننے کا اسے آج تک موقع ہی نہ ملا تھا۔ تعارف کے آغاز ہی میں رمیش نے شرم و جھجک کا پردہ اٹھا دیا تھا۔ بے شرمی کا الزام لگا کر دھتکار دینے والی کوئی سہیلی بھی کملا کے پاس نہ تھی۔

لیکن آج ان پورنا کے اصرار پر جھکنا اس کے لئے انتہائی دشوار ہو گیا۔ ان پورنا اپنی بچی کے پاس جس حیثیت اور اختیارات باقی تھے، وہ کملا کو معلوم تھا۔ وہ اختیار جب اسے حاصل نہیں تو وہ عاجزانہ جھکا رہتی تھی، رمیش کے پاس کیونکر جائے۔

جب کملا کسی طرح جانے پر آمادہ نہ ہوئی۔ تو ان پورنا نے سمجھا کہ وہ رمیش سے روٹھی ہوئی ہے۔ روٹھنے کی بات ہی ہے، کئی دن ہو گئے۔ مگر رمیش نے بھول کر بھی کسی بہانے سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔

ہری بھاونی اس وقت کواڑ بند کئے اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ ان پورنا نے

وِپن کے پاس جاکر کہا۔" آپ رمیش بابو سے کہیے کہ کملا تمہیں اندر بُلاتی ہے۔ پتا جی اس کے متعلق کچھ نہ کہیں گے۔ ماں سو گئی ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہ ہو گا۔"

وپن ایسے خلوت پسند شخص کے لئے ایسی" پیغام بری" کسی طرح آسان نہ تھی۔ تاہم صبح کے دن ان پورنا کے اس اصرار کو وہ رد نہ کر سکتا تھا۔

بیٹھک میں قالین بچھا تھا اور رمیش اس پر چت لیٹا" پاؤنیر" پڑھ رہا تھا اس کے اُٹھے ہوئے گھٹنے پر دوسرے پیر کی پنڈلی رکھی تھی۔ اخبار کے ضروری حصے ختم کر کے جب اس نے اشتہارات کی طرف نگاہ پھیری تو وپن کو اندر آتے دیکھ کر وہ کھِل اُٹھا۔ دوستی یا رفاقت کے اعتبار سے وپن بلند درجہ نہ تھا۔ تاہم دوپہر کاٹنے کے لئے رمیش نے اس کی آمد کو غنیمت سمجھا۔ اس نے بڑی محبت سے کہا۔" آئیے وپن بابو! آئیے تشریف رکھئے۔"

وپن بیٹھنے کے لئے تو نہ آیا تھا۔ اس لئے اس نے ذرا رک رک کر کہا۔" وہ آپ کو اندر بلاتی ہیں۔"

"کون، کملا؟"

"جی ہاں!"

رمیش کو قدرے حیرت ہوئی۔ وہ پہلے ہی عزم کر چکا تھا کہ کملا کو بیوی کی حیثیت میں قبول نہ کرے گا۔ تصور ہی تصور میں اس نے کملا کو" نصف بہتر" کے درجہ پر بٹھا کر اپنے دل کو کسی طرح آنے والی راحتوں کا لالچ دے دے کر اس کے لئے تیار بھی کر لیا تھا لیکن ابتدا بہت دشوار تھی۔ کچھ دنوں سے کملا کے متعلق اس کا برتاؤ کچھ اور ہی طرح کا ہو گیا تھا۔ وہ اس سے دور ہی دور بھاگتا رہتا تھا ــــ اب وہ یکایک اپنے اس دستورالعمل کو کیونکر توڑ ڈالے؟ اس کا کوئی ذریعہ رمیش کے ذہن میں نہیں آتا تھا۔ اور اسی لئے وہ کرائے کا مکان لینے میں بھی دیر کر رہا تھا۔

یہ سن کر کہ کملا نے بُلایا ہے۔ رمیش نے سوچا ــــ اسے مجھ سے ضرور کوئی خاص کام ہو گا۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پالونیز کو ایک طرف رکھ کر جب وہ دوپٹے کے نیچے پیچھے اندر گیا، تو موسم سرما کی اداس دوپہر نے اس کے دل کو اور مضطرب کر دیا۔

وہ بن دور ہی سے کمرہ دکھا کر چلا گیا۔ کملا نے سمجھا تھا، کہ ان پورنا مجھے چھوڑ کر وہن کے پاس چلی گئی ہے۔ اس لئے وہ کھلے دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی مقابل کے باغ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان پورنا نے کسی طرح کملا کے اندر بام محبت کا تار باندھ دیا تھا۔ دوپہر کی تند سے گرم ہوا میں باہر پیڑوں کے پتے آہستہ آہستہ لرزرہے تھے۔ اسی طرح کملا کے دل کے اندر بھی ایک سرد آہ کا جھونکا رہ رہ کر اس کے جگر کو لرزا رہا تھا۔

عین اسی وقت رمیش نے کمرے میں داخل ہو کر جب پیچھے سے اسے پکارا "کملا" تو وہ چونک اٹھی۔ اس کا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ جو کملا اس سے پیشتر کبھی رمیش کے سامنے ذرا بھی شرم و حجاب سے کام نہ لیتی تھی۔ نہ آنکھ اٹھا کر اچھی طرح اس کی طرف دیکھ بھی نہ سکی۔ اس کا چہرہ لالہ گوں ہو گیا۔

آج کے لباس کی آرائش سے کملا رمیش کو ایک نئے روپ میں دکھائی دی۔ کملا کے حسن کی دل افروزی نے رمیش کو متحیر و فریفتہ کر دیا۔

وہ آہستہ سے کملا کے پاس جا کر قدرے خاموشی کے بعد نرم لہجے میں بولا "تم نے مجھے بلایا ہے؟"

کملا نے حیرت زدہ ہو کر غیر ضروری جوش میں کہا "نہیں، نہیں، میں نے تو نہیں بلایا میں آپ کو کیوں بلانے لگی؟"

"بلانے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"نہیں، میں بلاتی تو آپ سے کہہ نہ دیتی!" کملا نے اور بھی جوش سے کہا۔

"اچھا، یونہی سہی۔ تم نے نہیں بلایا، میں خود ہی آیا ہوں۔ کیا اس لئے مجھے بے عزتی کے ساتھ واپس لوٹ جانا پڑے گا؟"

"گھر والوں کو یہ معلوم ہوگا، کہ تم یہاں میرے پاس آئے ہو، تو وہ ناراض ہوں گے۔ آپ جائیے۔ میں نے آپ کو نہیں بلایا۔"

رمیش نے کملا کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "اچھا تو تم میرے ساتھ باہر کے کمرے میں چلو۔ وہاں کوئی نہیں۔ اور نہ ابھی کسی کے آنے کی امید ہے۔"

کملا ہاتھ چھڑا کر کانپتی ہوئی ملحقہ کمرے میں چلی گئی۔ اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

رمیش سمجھ گیا کہ یہ اس گھر کی کسی عورت کی شرارت ہے۔ یہ سوچ کر وہ مسکراتا ہوا باہر کے کمرے میں چلا گیا۔ اور پھر لیٹ کر "پاونیر" کے اشتہارات پڑھنے لگا۔ لیکن اس میں وہ جی نہ لگا سکا۔ اس کا دل تخیلات کے جھولے پر طرح طرح کے جھونکے کھا رہا تھا۔ اس کے دل کے آسمان پر جذبات و افکار کے رنگا رنگ بادل ہوا سے ادھر ادھر لہرانے لگے۔

ان پورنا نے بند دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ آخر اس نے بے حد قوت سے دروازے کی چٹخنی کو سیدھا کر کے باہر سے ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھول لی اور اندر داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ کملا میز پر جھکی ہوئی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے رو رہی ہے۔

ان پورنا متحیر ہو کر سوچنے لگی کہ ایسی کیا بات ہو گئی جس سے یہ اس طرح رو رہی ہے۔ وہ فوراً اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر محبت آمیز لہجے میں پوچھنے لگی: "کیوں بہن کیا ہوا۔ اس طرح رو کیوں رہی ہو؟"

کملا نے روتے ہوئے کہا: "تم انہیں کیوں بلا لائیں؟ تم نے بڑی بے انصافی کی!"

ان پورنا یا کسی دوسرے کے لئے کملا کے اس جوش کو سمجھنا دشوار تھا۔ تصورات کی ایک سلطنت پر قبضہ کئے وہ مزے سے بیٹھی تھی۔ اگر رمیش آج خود ہی نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے اس سلطنت میں قدم رکھتا، تو بہتر ہوتا۔ لیکن اسے بلا لانے سے سارا کھیل بگڑ گیا۔ تعطیلات میں کملا کو بورڈنگ ہی میں نظر بند رکھنے کی کوشش اور اس کے بعد سٹیمر پر رمیش کی بے پروائی، یہ سب باتیں کملا کے دل کی گہرائیوں میں طوفان برپا کرنے کے لئے کافی تھیں۔ پاس رہنے کے باعث مل جاتے ہیں، اور بلائے جانے پر

کہتے ہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہے؟ قاضی پور آنے پر کملا تھوڑے ہی دنوں میں اصلی بات کو بخوبی سمجھ گئی۔ کملا اور رمیش کے درمیان جو پردہ ہے۔ ان پورنا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بڑی محبت سے کملا کا سر اپنی آغوش میں رکھ کر پوچھا۔
"کیا رمیش بابو نے تم سے کوئی سخت بات کہی ہے؟ وہ (یعنی وپن بابو) بلانے گئے تھے۔ اس سے رمیش بابو ناراض تو نہیں ہو گئے؟ تم نے ان سے کہا کیوں نہیں کہ یہ ان پورنا کی حرکت ہے۔"

"نہیں نہیں، انہوں نے کچھ نہیں کہا لیکن تم نے انہیں بلایا کیوں؟"

ان پورنا اداس ہو کر بولی "اچھا بہن مجھ سے قصور ہوا، معاف کرو۔"

کملا فوراً اٹھ کر ان پورنا کے گلے سے لپٹ گئی اور بولی "نہیں، تم دیر نہ کرو۔ جاؤ، دیر ہو جائے گی تو وپن بابو ناراض ہو جائیں گے۔"

سونے کے کمرے میں رمیش نے "پاونیر" پر بڑی دیر تک یونہی نگاہ دوڑا کر پھر اسے زور سے دور پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھ بیٹھا اور بولا "نہیں اب دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ کل ہی کلکتے جا کر سب ٹھیک کئے آتا ہوں۔ کملا کو بیوی بنانے میں جتنی دیر ہو رہی ہے اتنا ہی میری بے انصافی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

رمیش کی معاملہ فہمی نے آج یکایک بیدار ہو کر تمام شکوک کو دور کر دیا۔

(۳۳)

رمیش نے ارادہ کیا تھا کہ کلکتے میں اپنا کام کر کے جلد ہی لوٹ آئے گا اور کولو ٹولہ کی اس گلی میں جائے گا ہی نہیں۔

وہ درزی پاڑے والے مکان میں آکر ٹھہرا۔ اس کا بہت کم وقت ضروری کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ باقی وقت بڑی مشکل سے کٹتا تھا۔ پہلے وہ کلکتے آکر جن لوگوں سے ملتا جلتا تھا۔ لیکن اس بار وہ ان سے مل نہ سکا۔ راستے میں کہیں کسی سے اتفاقاً ملاقات نہ ہو جائے۔ اس خیال سے وہ ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔

لیکن کلکتہ آتے ہی رمیش کا خیال بدل گیا۔ جو نقش اس کی آنکھوں میں بس گیا تھا

جس نے سونے آسمان میں، صاف و شفاف سکون کے ماحول میں اپنے آغازِ شباب میں عجیب و غریب حالات میں رونمائی کی تھی۔ اس کا وہ دلکش جمال کلکتے آنے پر رمیش کے دل سے بہت کچھ ہٹ گیا۔ رمیش نے دررزی پاڑے کے مکان میں کملا کو خیال کے میدان میں لا کر محبت کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن یہاں اس کا دل ایسا کرنے کے لئے رضامند نہ ہوا۔ آج کملا اسے غیر مہذب اور ناتعلیم یافتہ لڑکی معلوم ہوئی۔

طاقت کا جتنا زیادہ استعمال کیا جائے وہ اتنی ہی کم ہوتی جاتی ہے۔ رمیش نلنی کو دل سے نکال دینے کے لئے، دل سے دور کرنے کے لئے جتنی طاقت صرف کرنے لگا اتنا ہی اس کی روحانی طاقت کم ہونے لگی اور نلنی کو کسی طرح دل میں داخل نہ ہونے دوں گا؛ یہ عہد کرتے کرتے نلنی کی یاد دن رات رمیش کے دل میں بیدار ہونے لگی۔ بھول لینے کی سرگرم کوشش ہی یاد رکھنے کا پختہ ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔

اگر رمیش کو کچھ عجلت ہوتی تو وہ تیزی سے کلکتے کا کام کر کے غازی پور لوٹ جاتا۔ لیکن یہاں آتے ہی اس کا کام بہت بڑھ گیا۔ آخر وہ بھی ختم ہو گیا۔

کل رمیش کسی کام سے پہلے الہ آباد جائے گا۔ اور پھر غازی پور کو لوٹے گا۔ اتنے دن سے وہ بے چینی ضبط کئے چلا آتا ہے۔ کیا اسے اس کا کوئی صلہ نہ ملنا چاہیئے؟ کلکتے سے رخصت ہونے سے پیشتر چپ چاپ ایک بار کولوٹولہ کی خبر لے آئے تو کیا حرج ہے؟

آج کولوٹولہ کی اسی گلی سے گذرنے کا فیصلہ کر کے وہ ایک خط لکھنے بیٹھا۔ اس میں اس نے کملا سے اپنا تعلق پوری وضاحت سے لکھا۔ اس میں یہ بھی جتا دیا کہ اس بار غازی پور لوٹ کر میں لاچاری سے بدنصیب کملا کو بیوی کی حیثیت میں قبول کروں گا۔ اس طرح اس نے نلنی سے اپنی طویل جدائی کے پہلے کی تمام صورتِ حال بتا کر اس خط کے ذریعے اس سے اجازت مانگی۔

خط کو لفافے میں بند کر کے اس پر کسی کا نام نہ لکھا۔ خط میں بھی اس نے نہ کسی کا نام لے کر مخاطب کیا تھا، اور نہ نیچے اپنا نام لکھا تھا۔ آنند چرن بابو کے نوکر چاکر رمیش سے

خوش رہتے تھے۔ کیونکہ رمیش، نلنی کے چھوٹے بڑے سب متعلقین کو محبت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا کبھی کبھی وہ تہوار پر نلنی کے نوکروں کو انعام میں کپڑے یا کچھ نقد بھی دے دیتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ شام ہونے پر کولوٹولے والے مکان میں جا کر ایک بار نلنی کو دیکھ آؤں گا۔ اور کسی نوکر کے ذریعے وہ چھٹی چپ چاپ نلنی کو بھیج کر ہمیشہ کے لئے محبت کی پرانی زنجیر توڑ کر چلا جاؤں گا۔

چراغ جلنے کے وقت رمیش خط ہاتھ میں لے کر لڑکھڑاتے قدموں اور کانپتے دل کے ساتھ اس گلی میں داخل ہوا۔ پھاٹک کے پاس آ کر دیکھا۔ دروازہ بند ہے!

اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو جھروکے وغیرہ بھی بند تھے۔ مکان سونا پڑا تھا۔ ہر طرف تاریکی محیط تھی۔ تاہم رمیش نے بیرونی دروازے کو دھکا دیا۔ دو چار بار دھکا دینے پر اندر سے ایک دربان دروازہ کھول کر باہر آیا۔ رمیش نے پوچھا۔

"کون، رام دھن؟"

"ہاں بابو، میں رام دھن ہی ہوں۔"

"بابو کہاں گئے ہیں؟"

"نلنی کو ہمراہ لے کر مغرب کی طرف ہوا خوری کو گئے ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟"

"یہ میں نہیں کہہ سکتا!"

"ساتھ اور کون گیا ہے؟"

"کمل نین بابو۔"

"کون کمل نین بابو؟"

دریافت کرنے پر رمیش کو معلوم ہوا کہ کمل نین ایک نوجوان ہے۔ کچھ دن سے اس گھر میں آنے جانے لگا ہے۔ اگرچہ رمیش نلنی کی امید کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے ہی چلا تھا، تاہم اسے فطرتاً کمل نین پر رشک آنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "تمہاری للی کی صحت کیسی ہے؟"

"صحت ــــ صحت تو اچھی ہے۔"

رام دھن سمجھتا تھا کہ رمیش بابو اس خوشخبری سے مسرور ہوں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ رام دھن نے یہ غلط سمجھا تھا۔

رمیش نے کہا "میں ذرا اوپر جانا چاہتا ہوں۔"

رام دھن ہاتھ میں مٹی کے تیل کا چراغ لے کر رمیش کو اوپر لے گیا۔ رمیش بھوت کی طرح ہر ایک کمرے میں گھوم آیا۔

آخر وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ گھر میں جو چیز تھی، وہ پہلے ہی کی طرح اپنی جگہ پر موجود تھی۔ یہ کمل نہیں درمیان میں کہاں سے کود پڑا۔ دنیا میں کوئی جگہ کسی کے جانے کے بعد زیادہ دن خالی نہیں رہ سکتی جس جھروکے میں رمیش ایک دن نلنی کے پاس کھڑے ہو کر سردی کی ایک شام کے دلکش منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا، اور جہاں دو دلوں کا بے آواز ملاپ ہوا تھا، کیا اب وہاں غروب ہوتے ہوئے سورج کی دھوپ نہیں کھیلتی؟ اسی جھروکے میں جب کوئی اور آ کر دو دلوں کو ایک کرنا چاہے گا، تو کیا یہ پرانی تاریخ آکر ان کے لئے جگہ روک لے گی؟ اور چپ چاپ انگلی کے اشارے سے انہیں دور ہٹا دے گی؟ نفرت سے رمیش کا دل لبریز ہونے لگا۔

(۳۴)

رمیش کلکتہ میں تقریباً ایک مہینہ قیام کرنے کے بعد غازی پور آیا۔ کملا کیلئے یہ مہینہ کچھ کم نہ تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی، کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اس کے دل میں کسی انقلاب کا چشمہ بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا صبح صادق کے نور کو دیکھتے ہی دیکھتے جیسے سورج کی سنہری کرنیں ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ اسی طرح تھوڑے ہی عرصے میں کملا کے نسوانی جذبات خواب سے بیدار ہو گئے۔ ان پورنا سے اگر اس کا گہرا تعارف نہ ہوتا، اگر ان پورنا کی محبت کے جلوے اس کی روح پر عکس ریز نہ ہوتے، تو نہ جانے اس کا دل ان باتوں کا مفہوم کتنے دنوں میں سمجھ سکتا۔

ادھر رمیش کے آنے میں دیر دیکھ کر ان پورنا کے اصرار پر چکرورتی نے کملا اور رمیش کے رہنے کے لئے شہر سے باہر گنگا کے کنارے کرائے کا ایک مکان ٹھیک کر رکھا تھا۔ تھوڑا بہت اسباب بھی اکٹھا کر کے گھر کی آرائش کے لئے رکھ چھوڑا۔ اور گھر کا ضروری کام دھندا کرنے کے لیے نوکرانی کا بھی انتظام کر لیا۔

بہت دنوں کے بعد جب رمیش غازی پور آیا، تو چکرورتی ہی کے گھر رہنے کیلئے مکان ڈھونڈنا نہ پڑا۔ اتنے دن بعد کملا نے اپنے آزاد گھر میں قدم رکھا۔

مکان کے چاروں طرف باغ لگانے کے لئے کھلی جگہ تھی۔ دو رویہ شیشم کے بڑے بڑے درخت تھے جن کے نیچے ایک سایہ دار سڑک تھی۔ موسم سرما میں گنگا کے دور ہٹ جانے کے باعث گنگا کی دھارا اور مکان کے درمیان ریت کا ایک وسیع میدان سا بن گیا تھا۔

اس میدان میں جگہ جگہ کسان لوگ گیہوں کی کاشت کر رہے تھے اور کہیں کہیں تربوز اور خربوزے بوئے تھے۔ مکان سے جنوب کی جانب گنگا کے کنارے کی طرف املی کا ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے نیچے پتھر کا چبوترہ بنا ہوا تھا۔

بہت دنوں تک خالی رہنے کے باعث مکان اور اس کے احاطے کی زمین خستہ حالت میں تھی۔ باغ میں کوئی پیڑ پودا سبز نہ تھا۔ گھر بھی کوڑے کرکٹ سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن کملا کو یہ کچھ معلوم نہ ہوا۔ گھر کی مالکہ کا رتبہ حاصل کرنے کی خوشی میں اسے ساری چیزیں حسین معلوم ہونے لگیں۔ کون کمرہ کس کام آئے گا؟ باغ میں کہاں کہاں کون کون سے پیڑ پودے لگائے جائیں گے — اس نے دل ہی دل میں اس کا فیصلہ کر لیا۔ چکرورتی سے صلاح مشورہ کر کے سب زمین آباد کرنے کا انتظام کیا۔ خود کھڑی ہو کر اس نے باورچی خانے کا چولھا بنوایا۔ اور اس کے غیر مستعمل گودام میں جہاں جہاں مرمت یا ترمیم کی ضرورت تھی، سب ٹھیک کر لیا۔ گھر کے کوڑے کرکٹ کو پھینکوا کر سب کمروں کو جھاڑ پونچھ کر صاف کر دیا۔ پھر زرد مٹی اور گائے کے گوبر سے لیپ دیا۔ جس جگہ کو دیکھ کر پہلے جی متلاتا تھا، وہی اب ایسی دلکش

ہوگئی، کہ طبیعت شگفتہ ہو جائے۔ کملا کا دل گھر بار کی صفائی اور پھلواڑی کی سجاوٹ میں لگ گیا۔

عورت کا دل جتنا گھر کے کام میں لگتا ہے۔ اتنا اور کسی کام میں نہیں۔ اور یہی اس کی خوبصورتی' اس کا حسن ہے۔ رمیش نے کملا کو آج دل وجان سے اسی کام میں مصروف دیکھا۔

اس نے گویا چڑیا کو پنجرے سے باہر اڑتے دیکھا۔ اس کے مسرور و شاداں چہرے اور گھر کے کام کاج میں اس کی مہارت دیکھ کر رمیش نے ایک نئے تحیّر کے ساتھ سرور و انبساط کا احساس کیا۔ اتنے دن رمیش نے کملا کو اپنے گھر میں آزادانہ طور پر نہ دیکھا تھا۔ آج جب اسے گھر کی مالکہ، گھر کی مختار مطلق کی صورت میں دیکھا تو اس کے حسن میں ایک خاص شان اور وقار کو بھی محسوس کیا۔

کملا کے پاس آکر اس نے کہا "کملا، تم کیا کرتی ہو، تھک جاؤ گی!"

تھوڑی دیر کے لئے کملا نے اپنے کام سے ہاتھ کھینچ کر رمیش کی طرف دیکھا، اور میٹھی ہنسی ہنس کر بولی، "نہیں، میں نہیں تھکوں گی"

رمیش نے بہانہ کر کے پھر اس کے قریب جا کر پوچھا "کملا، تم نے کچھ کھایا بھی ہے یا ابھی تک بھوکی ہو؟"

"کھایا نہیں تو کیا بھوکی ہوں؟ کھانا کبھی کا کھا چکی ہوں"

رمیش اگرچہ یہ جانتا تھا، پھر بھی یہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ کملا بھی رمیش کے اس غیر ضروری سوال سے کچھ کم مسرور نہ ہوئی۔

رمیش نے پھر اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کے لئے کہا "تم اپنے ہاتھ سے کتنا کام کرو گی؟ مجھے بھی شامل کر لو نا، میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا"

کام کرنے والوں میں یہ ایک بھاری نقص ہوتا ہے، کہ وہ دوسرے کے کام پر اعتبار نہیں کرتے۔ انہیں اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ جو کام ہم اپنے ہاتھ سے کرینگے اسے کوئی اور بالکل اسی طرح نہ کر سکے گا، چوپٹ کر دے گا۔ کملا نے ہنس کر کہا۔

یہ کام آپ لوگوں کے کرنے کا نہیں۔"

رمیش نے کہا: "مردوں کے متعلق تمہارا یہ سوئے ظن ہم چپ چاپ برداشت کر لیتے ہیں۔ کیونکہ مرد بڑی قوت برداشت کے مالک ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری طرح عورت ہوتا تو تم سے خوب لڑتا جھگڑتا۔ ہاں چکرورتی سے کام لینے میں تو تم نہیں ہچکچاتیں، کیا میں اتنا ناقابل ہوں کہ تمہارا کوئی بھی کام نہیں کر سکتا؟"

"یہ آپ جانیں۔" کملا نے کہا: "لیکن رسوئی گھر کا دھواں اور جالا آپ صاف کر رہے ہیں۔ یہ سوچتے ہی مجھے ہنسی آ جاتی ہے۔ آپ یہاں سے جائیے۔ گرد و غبار اُڑ رہا ہے۔"

رمیش نے بات بڑھانے کے خیال سے کہا: "گرد و غبار تو چھوٹے بڑے کا خیال نہیں کرتا۔ وہ جس آنکھ سے مجھے دیکھتا ہے اسی آنکھ سے تمہیں بھی!"

کملا بولی: "میرا کام ہے اس لئے میں تو یہیں رہوں گی۔ آپ کیوں یہاں رہئے گا؟"

رمیش نے نوکروں کے کان بچا کر دھیمے لہجے میں کہا: "کام ہو یا نہ ہو۔ تم جو تکلیف اُٹھاؤ گی، اس میں اب میں بھی ضرور حصہ لوں گا۔"

کملا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے رمیش کی بات کا کوئی جواب نہ دے کر وہاں سے ذرا کھسک کر امیش سے کہا: "ایک گھڑا پانی یہاں کیوں نہیں ڈالا؟ دیکھتا نہیں، یہاں کتنی مٹی جمی ہے۔" یہ کہہ کر خود زور سے جھاڑو دینے لگی۔

رمیش نے اسے جھاڑو دیتے دیکھ کر گھبرا کے کہا: "اُف! کملا یہ کیا کر رہی ہو؟"

پیچھے سے کسی نے کہا: "کیوں رمیش بابو! بے انصافی کون سی ہو رہی ہے؟ اگر گھر کو جھاڑنے پونچھنے کا کام اتنا معمولی معلوم ہوتا ہے تو نوکر ہی سے جھاڑو کیوں نہیں دلواتے؟ میں تو بیوقوف ہوں۔ مجھ سے اگر پوچھئے تو میں تو یہی کہوں گا کہ دیوی کے ہاتھ میں جھاڑو کی ایک ایک سینک سورج کی ایک ایک کرن کی طرح روشن معلوم ہو رہی ہے۔" پھر کملا کی طرف دیکھ کر کہا: "تمہارے باغیچے کا کوڑا کرکٹ میں نے قریب قریب صاف کروا دیا۔ اس میں اب کہاں کہاں کیا لگواؤ گی۔ یہ مجھے ایک بار سمجھا دو۔"

کملا نے کہا: "چکرورتی جی، آپ مہربانی کر کے ذرا ٹھہر جائیے۔ یہ کمرہ اب صاف ہوا

جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر کملا نے کمرے کو خوب صاف کر کے دھو دھلوا کر کمر میں لپیٹے ہوئے آنچل کو کندھے پر ڈالا اور گھونگھٹ سنبھال کر باہر آئی۔ اور پودوں کے بارے میں چکرورتی سے صلاح مشورہ کرنے لگی۔

انہی باتوں میں دن ختم ہو گیا۔ پھر بھی دو ایک کمرے صاف کرنے والے رہ گئے۔ مکان بہت دنوں سے سونا اور بند پڑا تھا۔ اس لئے یہ سوچ کر کہ دو چار دن کھڑکیاں اور دروازے کھلے رکھے جائیں [illegible] رہنے کے قابل نہ ہوگا۔ کملا نے رات کو چکرورتی جی کے یہاں [illegible] فیصلہ کیا۔ اس [illegible] رمیش دل ہی دل میں قدرے ناراض ہوا۔ آج دن بھر رمیش تنہا سوچ رہا تھا کہ کب شام ہو [illegible] چراغ [illegible] کملا کی دل افروز ہنسی کے اجالے میں اپنا دل اس کے سامنے [illegible] لیکن نئے مکان میں جانے میں دو چار دن [illegible] رمیش [illegible] دوسرے ہی دن اپنی وکالت کے سلسلے میں الہ آباد چلا گیا۔

(۳۵)

[illegible] دن کملا کے نئے مکان میں اناپورنا کی دعوت تھی۔ جب رمیش بابو [illegible] دفتر چلے گئے تو اناپورنا کملا کے گھر گئیں۔ کملا کے اصرار سے چکرورتی اس دن سکول نہیں گئے۔

انہوں نے [illegible] اشوک کے درخت کے سائے میں کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ چکرورتی آگ جلانے بیٹھے۔ امیش ان دونوں کی خدمت کرنے لگا۔

کھانا تیار ہو جانے پر دونوں نے مل کر سیر ہو کر کھایا۔ چکرورتی پان الائچی کھا کر گھر کے اندر جا کر سو رہے۔ ادھر دونوں سہیلیوں نے اشوک کے سائے میں بیٹھ کر وہی پرانی باتیں چھیڑ دیں۔ اس گپ شپ میں محو ہو کر کملا کو یہ ندی کا کنارا، یہ جاڑے کی سنہری دھوپ اور یہ درخت کا سایہ نہایت حسین اور رومان پرور معلوم ہونے لگا — بادلوں سے خالی نیلے آسمان میں جس طرح دور بلندی پر اڑتی ہوئی چیل لکیر سی نظر آتی ہے کملا کے دل کی مبہم اور بے معنی سی خواہش بھی جاتی ہی بلندی پر اڑنے لگی۔

تین بجے کے قریب ان پورنا گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے پتی دیو کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔

کملا نے کہا " ایک دن کے لئے بھی تمہارا اصول ٹوٹ نہیں سکتا؟"

ان پورنا نے کچھ جواب نہ دیا۔ مسکرا کر کملا کی ٹھوڑی پکڑ کر آہستہ سے ہلا دی۔ گھر کے اندر جا کر باپ کو جگایا اور کہا " میں جاتی ہوں۔"

چکرورتی نے کملا سے کہا " بیٹی! تم بھی چلو۔"

کملا نے کہا " نہیں، ابھی یہاں کچھ کام باقی رہ گیا ہے۔ اسے پورا کر کے میں شام کے قریب آؤں گی۔"

چکرورتی اپنے نوکر اور اُمیش کو کملا کے پاس چھوڑ کر خود ان پورنا کے ہمراہ گھر گئے۔ کملا سے کہتے گئے کہ " میں جلد ہی واپس آ رہا ہوں۔"

کملا گھر کے باقی ماندہ کام کو ختم کر چکی تو ابھی دن کچھ باقی تھا۔ وہ ہاتھ مُنہ دھو کر اور ایک چادر اوڑھ کر اشوک کے درخت کے نیچے جا بیٹھی۔ گنگا میں کشتیاں اِدھر اُدھر آ جا رہی تھیں، وہ ان کے نظارے میں کھو گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سورج غروب ہو گیا۔

اتنے میں امیش ایک بہانہ بنا کر کملا کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔

"ماں، بڑی دیر سے آپ نے پان نہیں کھایا۔ چکرورتی کے گھر سے آتے وقت میں پان لیتا آیا تھا۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ میں لپٹے ہوئے پان کے بیڑے کملا کو دئے۔

اب کملا کو احساس ہوا کہ شام ہو گئی ہے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ امیش نے کہا " چکرورتی بابو نے گاڑی بھیجدی ہے۔"

کملا گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ایک بار گھر کو دیکھنے کے لئے اندر گئی۔ بڑے کمرے میں موسم سرما میں آگ جلانے کے لئے مغربی طرز کی ایک انگیٹھی بنی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی لیمپ جل رہا تھا۔ کملا اسی مُڑے ہوئے کاغذ پر پان رکھ کر کچھ دیکھنے جا رہی تھی۔ کہ یکایک اس کی نظر مڑے ہوئے کاغذ پر رمیش کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اپنے نام کملا پر پڑی۔

کملا نے امیش سے پوچھا: "یہ کاغذ تجھے کہاں سے ملا؟"

"بابو کے کمرے کے کونے میں پڑا تھا۔ میں نے جھاڑو دیتے وقت اُٹھا لیا تھا۔"

کملا اس کاغذ کو کھول کر پڑھنے لگی۔ یہ وہی مفصل خط تھا، جو رمیش نے کلکتے میں نلنی کو بھیجنے کے لئے لکھا تھا۔ زود فراموش رمیش کے ہاتھ سے وہ خط کب، کہاں گر گیا۔ اس کی اسے کچھ خبر نہ تھی!

کملا ایک سانس میں خط کو پڑھ گئی۔ امیش نے کہا: "ماں، آپ اس طرح خاموش کیوں کھڑی ہو رہی ہیں؟ رات ہوئی جاتی ہے۔"

کملا کچھ نہ بولی۔ حیران و پریشان سی کھڑی رہی۔ امیش اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے کہا: "ماں، میری بات نہیں سُنی؟ گھر چلو، رات ہو گئی۔"

کچھ دیر کے بعد چکرورتی کے نوکر نے آکر کہا: "بہوجی، گاڑی بڑی دیر سے کھڑی ہے۔ اب چلیے!"

ان پورنا نے پوچھا: "کہو بہن، کیا آج تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں؟ سر میں درد ہے؟"

کملا نے کہا: "نہیں ۔۔۔ ہاں چکرورتی جی نظر نہیں آ رہے، کہاں گئے ہیں؟"

"سکول میں بڑے دن کی تعطیل ہے۔ ماں نے دیدی کو دیکھنے کے لئے انہیں الہ آباد بھیجا ہے۔ وہ کچھ دن سے بیمار ہے۔"

"کب تک واپس آئیں گے؟"

"انہیں لوٹنے میں کم از کم ایک ہفتہ لگے گا۔ تم گھر کی آرائش کے لئے دن بھر سخت محنت کرتی رہتی ہو۔ آج تم بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ جلدی سے کھانا کھا کر سو جاؤ۔"

اگر کملا اپنے دل کی بات کھول کر ان پورنا سے کہہ دیتی تو اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ لیکن وہ بات کہنے کی نہ تھی۔ "جس کو میں اتنے دن سے اپنا سوامی سمجھتی تھی، وہ میرا سوامی نہیں۔" یہ بات کسی دوسرے سے کہی جائے، تو کہی بھی جا سکتی ہے۔ لیکن ان پورنا سے کسی طرح نہیں کہی جا سکتی۔

کملا خواب گاہ میں چلی گئی۔ اور اندر سے کواڑ بند کر کے چراغ کی روشنی میں ایک بار

پھر رمیش کا خط پڑھنے لگی۔ خط جسے بھیجنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس کا نام اس میں درج نہیں اور کچھ پتہ ٹھکانا بھی نہیں لکھا۔ لیکن خط سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی عورت ہے۔ رمیش کے ساتھ اس کی شادی کی تجویز ہوئی تھی۔ لیکن کملا کے باعث وہ تجویز رد ہوگئی۔ رمیش اس کو دل سے چاہتا تھا، لیکن بدقسمتی سے کملا کہیں سے آکر اس کے گلے پڑ گئی۔ جس سے وہ اس بے کس پر رحم کر کے اس رشتہ محبت کو ہمیشہ کے لئے توڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ یہ بات خط میں صاف لکھی ہوئی تھی۔

ندی میں کشتی ڈوبنے کے بعد اس ندی کی ریت میں اس کی رمیش سے جو پہلی ملاقات ہوئی تھی، جب سے لے کر غازی پور آنے تک جو جو واقعات ہوئے تھے۔ سب ایک ایک کر کے کملا کی نگاہوں میں گھومنے لگے۔ جن واقعات کی یاد موہوم سی ہو چکی تھی۔ وہ بھی صاف ہوگئی۔

رمیش جب برابر اسے دوسرے کی بیوی سمجھتا تھا، اور دل ہی دل میں متفکر و غمگین تھا، کہ اسے لے کر کیا کرے گا، تو کملا جو اسے اپنا پتی سمجھ کر بے حجابانہ اس کے ساتھ رہ کر ہمیشہ کے لئے گرہستی چلانے کو تیار تھی، اس خیال کی ندامت چھری بن کر کملا کے دل کو چھیدنے لگی۔ گذرے ہوئے واقعات کو یاد کر کے وہ شرم کے مارے مری جا رہی تھی۔ یہ شرم و ندامت زندگی کے ساتھ اس طرح مل گئی ہے کہ کبھی الگ نہ ہو سکے گی۔

کملا دروازہ کھول کر باغ میں ایک درخت کے نیچے جا بیٹھی۔ سردی کی رات تھی، چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف آسمان میں ستارے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

سامنے قلمی آموں کے پودے تاریکی کو اور بھی گہرا کر رہے تھے۔ کملا کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکی۔ وہ ٹھنڈی گھاس پر بیٹھ گئی۔ کٹھ پتلی کی طرح اکیلی بیٹھ کر نہ جانے دل ہی دل میں کیا سوچنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت نام کو بھی آنسو نہ تھا۔

اس طرح وہ نہ جانے کتنی دیر تک بیٹھی رہتی۔ لیکن سردی نے اس کے جسم کو کپکپا دیا۔ جب اس کا سارا جسم تھر تھر کانپنے لگا، گہری رات میں آخری ماہ کے چاند نے جب باغ کو تاریکی کی آغوش سے چھین کر قدرے منور کر دیا۔ تو کملا آہستہ سے اٹھی۔ اور کمرے میں جاکر

اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

صبح جب کملا کی آنکھ کھلی، تو اس نے دیکھا، ان پورنا اس کی چارپائی کے قریب کھڑی ہے۔

یہ سوچ کر کہ دن کافی چڑھ آیا ہے، کملا نادم ہو کر فوراً اُٹھ بیٹھی۔ ان پورنا نے کہا "نہیں بہن، تم ابھی نہ اُٹھو، کچھ دیر اور سو رہو۔ سچ سچ تمہارا جی اچھا نہیں، تمہارا چہرہ ایکدم اُتر گیا ہے۔ آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں، معلوم ہوتا ہے جیسے بہت دن سے بیمار ہو۔ آخر ہے کیا؟ مجھ سے کہتی کیوں نہیں؟" یہ کہہ کر ان پورنا اس کے گلے لپٹ گئی۔ کملا کا دل پھٹنے لگا۔ اس کے آنسو اب روکے نہ رُکے۔ ان پورنا کے کندھے پر مُنہ رکھ کر وہ زور زور سے رونے لگی۔ ایک ہی لہر سے اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ ان پورنا نے اس سے کچھ کہا نہیں۔ دونوں باہوں سے پکڑ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

کچھ ہی دیر میں کملا ان پورنا کی باہوں کے حلقے سے آزاد ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور آنکھیں پونچھ کر زبردستی ہنسنے لگی۔ ان پورنا نے کہا "چلو رہنے دو، اب نہ ہنسو۔ بہت عورتوں کو دیکھا ہے۔ لیکن تمہارے ایسی میں نے کوئی نہیں دیکھی۔ تمہارے دل کی تھاہ ہی نہیں ملتی۔ تم سمجھتی ہو کہ میں تمہارا حال کچھ جانتی ہی نہیں، مجھے ایسی بے وقوف نہ سمجھو۔ کہو تو ابھی تمہارے دل کی بات بتا دوں۔ رمیش بابو جب سے الہ آباد گئے انہوں نے تمہیں ایک بھی خط نہیں لکھا۔ اسی کا تمہیں رنج ہے۔ لیکن تمہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ کام کے لئے گئے ہیں۔ جلد ہی لوٹ آئیں گے۔ اس میں کیا ہے۔ اگر ان کے آنے میں دو دن کی دیر ہو جائے تو کیا ان پر اتنا غصہ کرنا درست ہے؟ چھی، سنو بہن، تمہیں آج اتنی نصیحت کرتی ہوں۔ اگر مجھ پر یہ آفت آتی تو میں بھی ایسا کرتی۔ اس طرح جھوٹ موٹ رونا عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔ وہ فوراً رو دیتی ہیں۔ اور رونے کے فوراً بعد پھر ہنسنے لگتی ہیں۔ رونے سے دل کا غصہ ایکدم ڈھل جاتا ہے۔" یہ کہہ کر ان پورنا نے کملا کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا "سچ کہو، آج تم نے دل میں یہی فیصلہ کیا ہے کہ رمیش بابو آئیں گے، تو انہیں کبھی معاف نہ کروں گی۔ کیوں، یہی بات ہے نہ؟"

"ہاں، یہی بات ہے" کملا نے کہا۔

ان پورنا نے کملا کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا "پگلی! اسی لئے اتنا منہ پھلائے بیٹھی ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اب اٹھ کر ہاتھ منہ دھو لو۔"

دوسرے دن ان پورنا نے اپنے باپ کو چھٹی لکھی۔ اس میں لکھا "رمیش کے ہاتھ کی کوئی چھٹی نہ آنے کی وجہ سے کملا نہایت متفکر ہے۔ ایک تو بے چاری پردیس میں آئی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ رمیش بابو جب اسے اکیلی چھوڑ کر باہر جاتے ہیں۔ تو خط بھی نہیں لکھتے۔ اس سے اسے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ لکھا نہیں جا سکتا۔ کیا ان کا الہ آباد کا کام ختم نہ ہو گا۔ کام سب کو پڑتے ہیں لیکن کیا دو حرف بھی نہیں لکھ سکتے؟"

چکرورتی نے الہ آباد میں رمیش سے مل کر اپنی لڑکی کے خط کا وہ حصہ سنا کر اسے خوب پھٹکارا۔

اس میں شک نہیں کہ رمیش کے دل کا جھکاؤ کملا کی طرف زیادہ ہو گیا تھا لیکن اس جھکاؤ سے اس کا دل اور بھی کش مکش کے جھولے میں جھولنے لگا۔ اسی کش مکش کے باعث رمیش الہ آباد سے واپس نہ جانا چاہتا تھا۔ اتنے میں اس نے چکرورتی کے منہ سے ان پورنا کی چھٹی سنی۔

ان پورنا کی چھٹی سے رمیش کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ میرے لئے کملا بیحد پریشان ہے۔ لیکن وہ شرم کی وجہ سے خود کچھ نہیں لکھ سکتی۔

اب رمیش کے دل سے کش مکش کے جذبات آہستہ آہستہ کم ہونے لگے۔ اتنے دن تک اس کے دل میں شک تھا کہ شاید کملا مجھے دل سے نہیں چاہتی۔ لیکن اب اس کے دل سے شبہ جاتا رہا۔ کملا بھی اسے چاہتی ہے۔ قسمت نے ندی کے سنسان کنارے پر صرف ان دونوں ہی کو نہیں ملایا۔ بلکہ ان دونوں کے دلوں کو بھی ایک کر دیا ہے۔

رمیش نے لمحہ بھر بھی دیر نہ کی اور فوراً کملا کو خط لکھا۔

پیاری!

اوپر جس لفظ سے میں نے تمہیں مخاطب کیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ خط لکھنے کا یہ مروجہ طریقہ

ہے۔ اگر آج میں تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ محبوب جانتا، تو تمہارے لئے کبھی "پریتما" کا لفظ استعمال نہ کرتا۔ اگر تمہارے دل میں کبھی مجھ پر کسی قسم کا شک پیدا ہوا ہو، اگر تمہارے نازک دل کو میں نے کبھی چوٹ پہنچائی ہو، تو آج جو میں نے تمہیں سچے دل سے پاکیزہ جذبات کے ساتھ "پریتما" کہہ کر پکارا ہے۔ اس سے تمہارے دل کے تمام شکوک شبہات مٹ جانے چاہئیں۔ تمہیں یقین دلانے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا لکھوں اس سے پہلے میں نے کئی بار واقعی تم سے ایسا سلوک کیا ہے کہ تمہیں اس سے صدمہ پہنچا ہوگا۔ اس کے لئے اگر تم دل ہی دل میں میرے خلاف اظہار ناراضگی کر رہی ہو، تو میں اس سے ذرا بھی برا نہ مانوں گا۔ میں صرف اتنا ہی کہوں گا، کہ تم میری پریتما (محبوبہ) ہو۔ اور تم سے بڑھ کر مجھے کوئی پیارا نہیں۔ اس سے بھی اگر میرے سب قصوروں اور غلطیوں کا ازالہ نہ ہو تو پھر کسی طرح نہ ہوگا۔

اسی لئے آج تمہیں "پریتما" کہہ کر میں نے تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیا ہے۔ اس خطاب سے ہماری محبت کا بیج پھوٹ نکلا ہے۔ تم سے میری یہی درخواست ہے کہ تم اس میں ذرا بھی شک و شبہ کو راہ نہ دو۔ تم میری پریتما ہو۔ میرے کہنے پر پورا یقین کرو۔ اگر تم میری اس بات کو دل سے قبول کر لو گی، تو مجھ سے کسی مشکوک معاملے میں کچھ پوچھنے کی تمہیں ضرورت ہی نہ رہے گی۔

اس کے بعد یہ پوچھنے کی مجھے جرأت ہی نہیں ہوتی، کہ تم مجھے چاہتی بھی ہو یا نہیں۔ میں پوچھوں گا بھی نہیں۔ ایک نہ ایک دن تمہارا دل براہِ راست میرے دل کو خاموشی سے اس خاموش سوال کا مناسب جواب دے دے گا۔ مجھے اپنی قابلیت پر غرور نہیں۔ پھر میری خواہش میری محنت ٹھکانے کیوں نہ لگے گی؟

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ وہ فطری معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں بناوٹ سی معلوم ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس خط کو پھاڑ کر پھینک دوں لیکن جو خط دلی جذبات کا صحیح آئینہ دار ہوگا۔ وہ مجھ سے ابھی لکھا نہ جائے گا۔ کیونکہ خط دو دلوں کی یگانگت کا مرقع ہے۔ جب ایک طرف سے خط لکھا جاتا ہے تو اس میں سب باتیں ٹھیک

لکھتے نہیں بنتیں جس دن میرے اور تمہارے دل میں کوئی فرق و امتیاز نہ رہے گا اس دن صحیح معنوں میں خط لکھ سکوں گا۔

جب آمنے سامنے کا دروازہ کھلا رہتا ہے، تو ہوا بے روک ٹوک آتی جاتی ہے۔ پیاری کملا! کہہ نہیں سکتا۔ تمہارے دل کو میں کب اچھی طرح تسخیر کر سکوں گا۔

ان باتوں کا فیصلہ آہستہ آہستہ ہی ہوگا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس دن تم کو یہ خط ملے گا، اس سے دوسرے دن صبح ہی میں غازی پور پہنچ جاؤں گا۔ میری یہی تمنا ہے کہ غازی پور آتے ہی میں تمہیں اپنے نئے مکان میں دیکھوں۔ ہم لوگ بہت دن مارے مارے پھرے ہیں۔ اب میں بے تاب ہوگیا ہوں۔ اب مجھ میں ضبط کی طاقت نہیں رہی۔ میں اپنے نئے گھر میں داخل ہوکر دل کی دیوی کو گھر کی لکشمی کی صورت میں دیکھونگا۔ میں تمہاری محبت آمیز نگاہ سے اپنے دیر سے پیاسے دل کو تسکین دینا چاہتا ہوں۔

شاید تمہیں وہ دن یاد ہوگا۔ اس چاندنی رات میں اس ندی کے کنارے اس سنسان ریتیلی زمین پر۔۔۔ جو تم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ نہ وہاں چھت تھی نہ دیوار، اور نہ بھائی بندوں اور رشتہ داروں میں سے کوئی شخص تھا۔ وہ ملاپ گھر سے بالکل باہر تھا۔ اب وہ خواب سا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک دن صبح کی محبت سے بھرپور صاف و شفاف روشنی میں گھر کے اندر اس ملاپ کو پورے طور پر حقیقت میں مبدل کر لینے کی تمنا ہے۔ میں ایک بار اپنے گھر کے دروازے پر تمہاری معصوم و متبسم مورتی کو دیکھ کر ہمیشہ کے لئے اپنے دل پر نقش کر لینا چاہتا ہوں۔

پریتے! میں تمہارے من مندر کے دروازے پر بھکاری بن کر آیا ہوں۔ مجھے واپس نہ کرنا!

تمہاری محبت کا بھکاری ———

رمیش

(۳۷)

ان پورنا نے کملا کو اداس دیکھ کر اس کا جی بہلانے کے خیال سے کہا: آج تم اپنے

نئے بنگلے میں نہ جاؤ گی ؟"

"نہیں، اب وہاں جانے کی ضرورت نہیں ۔" کملا نے اُداسی اور بے پروائی سے کہا ۔

"گھر تو بالکل درست کرلیا ؟ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ رکھی گئیں ؟"

"ہاں !"

کچھ دیر کے بعد ان پورنا نے ٹھہر کر کہا " اگر تمہیں ایک چیز دوں تو مجھے کیا دوگی ؟"

"میرے پاس ہے کیا جو دوں گی ؟"

"کچھ بھی نہیں ؟"

"ہاں کچھ بھی نہیں !"

ان پورنا نے اس کی گال پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا " سچ کہتی ہو ! جو کچھ تمہارے پاس تھا معلوم ہوتا ہے وہ کسی کو دے چکی ہو ۔ اچھا بتاؤ ۔ یہ کیا ہے ؟"

یہ کہہ کر ان پورنا نے آنچل میں سے ایک خط نکالا ۔

لفافے پر رمیش کی تحریر دیکھ کر کملا کا چہرہ سرخ ہوگیا ۔ اس نے جلدی سے منہ پھیر لیا ۔

ان پورنا نے کہا " واہ اسی کا تو محبت ہے ! بہت ہوا ۔ اب آرام سے بیٹھو ۔ میں تمہارے دل کی سب بات جانتی ہوں ۔ ادھر تو دل ہی دل میں چٹھی جھپٹ لینے کے لئے بے چین ہو ۔ ادھر منہ بھی پھیرتی ہو ۔ جب تک منہ سے خط نہ مانگو گی، میں کبھی نہ دوں گی ۔ دیکھوں کب تک صبر کرسکتی ہو !"

اتنے میں اوما صابن کے ڈبے میں رسی باندھے اسے گھسیٹتی ہوئی وہاں سے آئی ۔ اور بولی : "موسی !"

کملا فوراً اُسے گود میں اٹھا کر اس کا منہ چومتی ہوئی اپنی خوابگاہ میں چلی گئی ۔ گاڑی چلانے میں اس طرح رکاوٹ پڑتی دیکھ کر اوما چلانے لگی ۔ لیکن کملا نے اُسے نہ چھوڑا ۔ اُسے اندر لے جا کر طرح طرح کے فقروں سے اسے بہلانے لگی ۔

ان پورنا نے آکر کہا ۔ " تم جیتیں اور میں ہاری ۔ میں تو اتنی دیر اپنے آپ کو نہ روک

سکتی۔ آفریں ہے تم پر، تمہارے ایسی عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ یہ لو۔ کیوں خواہ مخواہ دل ہی دل میں مجھے کوس رہی ہو؟"

یہ کہہ کر ان پورنا اس کے بستر پر رمیش کا خط پھینک کر اور اوما کو اس کی گود سے لے کر چلی گئی۔ لفافے کو ہاتھ میں لے کر کملا دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے جھجکتے جھجکتے لفافے کو کھولا۔ خط کی پہلی دو تین سطروں پر نگاہ پڑتے ہی اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ شرم اور غصّے کے مارے اس نے خط کو زمین پر پھینک دیا۔ جب کچھ دیر کے بعد اس کا جی ٹھکانے آیا تو اس نے زمین سے خط اُٹھا کر پڑھ ڈالا۔ سب باتیں اس کی سمجھ میں آئیں یا نہیں، یہ پیما تما ہی جانے۔ لیکن وہ چٹھی اس کے ہاتھ میں بوجھ سا معلوم ہوئی۔ اس نے پھر اُسے مروڑ کر دُور پھینک دیا۔ جو مرد میرا پتی نہیں، اسی کے گھر میں مجھے گھر کی مالکہ بن کر رہنا پڑے گا۔ اس خیال سے یہ خط لکھا گیا ہے۔ رمیش نے جان بوجھ کر اتنے دن بعد اس کی یہ بے عزّتی کی ہے۔ کملا نے غازی پور آ کر اپنے دل کو جو رمیش کی طرف اتنا متوجہ کیا تھا۔ جو اس کی طرف کھنچتی چلی گئی تھی۔ تو اسے رمیش سمجھ کر نہیں، بلکہ اپنا پتی جان کر۔۔۔

رمیش اسی پر بھولا ہوا تھا، اسی لئے اس بیکس پر رحم و ہمدردی کی بارش کرتے ہوئے اس نے محبت آمیز خط لکھا تھا۔ کملا کو سب سے زیادہ فکر یہی تھی، کہ نا واقفیت میں اس نے رمیش سے جو اظہارِ محبت کیا تھا، اسے اب وہ کیونکر لوٹا سکے گی؟ یہ شرم اور ذلت کملا کے مقدر میں کیوں لکھی تھی؟ اس نے اس زندگی میں تو کسی کا کوئی قصور کیا نہ تھا۔ یکایک ایسی سخت مصیبت کیوں اس پر ٹوٹ پڑی؟

اب "گرہستی" نام کی ایک ہیبت ناک چیز اسے نگلنے کے لئے آ رہی ہے۔ کملا اپنے آپ کو اس سے کیونکر بچا سکے گی؟ دو دن پیشتر کملا کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا، کہ رمیش اس کے لئے ایسا بھیانک ہو جائے گا۔

اتنے میں اُمیش دروازے کے پاس آ کر کھانسنے لگا۔ کملا کی کچھ آہٹ نہ پا کر اس نے آہستہ سے پکارا۔۔۔ "ماں!"

کملا اٹھ کر دروازے کے پاس آئی۔ اُمیش نے سر کھجلا کر کہا۔ "شری پتی بابو نے لڑکی کے بیاہ میں کلکتے سے بھجن منڈلی والوں کو بُلایا ہے۔"

"اچھا تو تم گانا سننے جاؤ گے۔"

"کل صبح کیا آپ کو کچھ پھول چاہئیں؟"

"نہیں نہیں، مجھے پھول وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں!"

جب اُمیش جانے لگا تو کملا نے اسے پُکار کر کہا۔ "سنو اُمیش! تم گانا سننے جاتے ہو، تو یہ لیتے جاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے اُمیش کے ہاتھ پر پانچ روپے رکھ دئے۔

اُمیش کو بڑی حیرت ہوئی۔ اسے معلوم نہ ہوا کہ گانے سننے کے لئے پانچ روپے لینے کی کیا ضرورت ہے! اس نے کہا: "کیا بازار سے آپ کے لئے کوئی چیز خرید کر لاؤں؟"

"نہیں، میرے لئے کچھ لانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ تم یہ اپنے پاس رکھ لو۔ تمہارے کام آئیں گے۔"

اُمیش کو جاتے دیکھ کر کملا نے پھر پکار کر کہا: "اُمیش! کیا تم یہی کپڑے پہن کر گانا سننے جاؤ گے۔ لوگ تمہیں کیا کہیں گے؟"

اُمیش نہ جانتا تھا، کہ لوگ اس کا یہ لباس دیکھ کر ہنسیں گے اسی لئے وہ سفید دھوتی اور کُرتا پہن کر تماشا دیکھنے کے لئے جانا ضروری نہ سمجھتا تھا۔ کملا کا سوال سُن کر وہ کچھ نہ بولا۔ صرف اس کے ہونٹوں پر ہنسی کا نشان دکھائی دیا۔

کملا نے دو جوڑی دھوتیاں نکال کر اُمیش کے آگے پھینک دیں۔ اور کہا: "یہ لو یہی پہن کر تماشا دیکھنے جانا۔"

دھوتی کا جوڑا اور عمدہ کنارا دیکھ کر اُمیش کا دل مسرت سے ناچ اُٹھا۔ اس نے خوشی کے مارے کملا کے قدموں پر پیشانی رکھ کر پرنام کیا۔ پھر ہنستا ہوا آہستہ آہستہ وہاں سے چل دیا۔ اس کے چلے جانے پر کملا آنسو پونچھ کر چپ چاپ کھڑکی کے قریب کھڑی ہو گئی۔

ان پورنا نے اندر داخل ہو کر کہا: "بہن! اپنی چِٹھی مجھے نہ دکھاؤ گی؟"

کملا سے تو ان پورنا کی کوئی بات نہ چھپی تھی۔ اسی لئے ان پورنا نے اتنے دنوں کے بعد موقعہ پاکر یہ بات کہی۔

کملا نے "یہی تو ہے دیکھو نہ" کہہ کر انگلی سے زمین پر پڑی ہوئی چٹھی دکھا دی۔

ان پورنا نے متحیر ہو کر دل میں کہا "پتی پر اتنا غصہ ؟ ابھی تک اس کا غصہ برقرار ہے"

اس نے زمین سے خط اٹھا کر سب پڑھ ڈالا۔ خط محبت کی میٹھی باتوں سے لبریز ہے۔ پھر بھی یہ خط کس طرز کا ہے کہ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ کوئی مرد اپنی عورت کو بھلا اس قسم کا خط لکھتا ہے۔ یہ تو بڑا عجیب خط معلوم ہوتا ہے۔ ان پورنا نے پوچھا "بہن تمہارے پتی کوئی ناول تو نہیں لکھ رہے ہیں؟"

پتی کا لفظ سنتے ہی کملا کا چہرہ پھر اداس ہو گیا۔ اس نے کہا "میں نہیں جانتی!"

"تو آج تم اپنے نئے گھر میں جاؤ گی؟"

کملا نے صرف سر کے اشارے سے بتایا "ہاں"

"میں آج شام تک خوشی سے تمہارے ساتھ رہتی۔ لیکن تم جانتی ہی ہو آج نرسنگھ بابو کی بیوی آنے والی ہیں۔ ماں تمہارے ساتھ جا سکتی ہیں"

کملا نے گھبرا کر کہا "نہیں نہیں! ماں کے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں نوکر جو موجود ہے"

ان پورنا نے ہنس کر کہا "اور تمہارا پہرے دار اُمیش بھی تو تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہیں خوف ہی کس بات کا ہے؟"

اتنے میں اوما کہیں سے ایک پنسل لا کر سلیٹ پر آڑی سیدھی لکیریں کھینچتی وہاں آگئی۔ وہ لکھنے کے ساتھ ہی زور زور سے چلا چلا کر کچھ پڑھ بھی رہی تھی۔ ان پورنا نے اس کے ہاتھ سے سلیٹ چھین کر اس کی تخلیق ادب میں روکاوٹ ڈال دی۔ وہ مچل کر بے طرح رونے لگی۔

کملا نے اسے گود میں اٹھا کر کہا "چلو تمہیں ایک بڑی اچھی چیز دیتی ہوں"

یہ کہہ کر اسے اپنی خوابگاہ میں لے جاکر بستر پر بٹھا دیا۔ اور لاڈ پیار کر کے تھوڑی ہی دیر میں اسے منا لیا۔ جب وہ موعودہ چیز مانگنے لگی، تو اپنا صندوق کھول کر ایک جوڑی سونے کی بریسلیٹ نکالی۔ یہ عمدہ کھلونا پا کر اوما بے حد مسرور ہوئی۔

موسی نے وہ اس کے دونوں ہاتھوں میں پہنا دیں۔ "ڈھیلی" ہیں جی" (بریسلیٹ) پہنے ہاتھوں کو اوپر اٹھائے خوشی کے مارے اچھلتی کودتی وہ اپنی ماں کو دکھانے کے لئے چلی گئی۔ ماں اس کے ہاتھوں میں سونے کی بریسلیٹ دیکھ کر متحیر رہ گئی۔ اور فوراً اس کے ہاتھ سے چھین کر کملا سے کہا "تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ چیز اس کے ہاتھ میں کیوں دیتی ہو؟"

اپنی ماں کا یہ سخت برتاؤ دیکھ کر اوما رونے لگی۔ کملا نے پاس آکر ان پورنا سے کہا

"بہن! یہ میں نے اسی کو دے دی ہے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟"

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اب میں اسے واپس نہ لوں گی۔ اسے تڑوا کر اوما کو ہار بنوا دینا۔"

"میں سچ کہتی ہوں۔ تمہارے ایسی پاگل عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔" یہ کہہ کر ان پورنا کملا کے گلے سے لپٹ گئی۔

کملا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "بہن! آج میں تمہارے یہاں سے رخصت ہوتی ہوں۔ یہاں میں بڑے آرام سے تھی۔ ایسی راحت میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں پائی۔" اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

ان پورنا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو امنڈ آئے۔ وہ انہیں روک کر بولی "تم ایکدم اتنی بے چین کیوں ہوتی ہو؟ تمہارے چہرے کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، گویا تم بہت دور جا رہی ہو۔ تمہیں یہاں جو راحت تھی، وہ میں سب جانتی ہوں۔ اب تمہارے راستے سے سب رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ اپنے گھر میں جا کر آزادی سے راج کرو گی۔ اگر ہم کبھی پہنچ جائیں گی، تو یہی سمجھو گی کہ کہاں سے یہ آفت میرے سر آگئی۔"

رخصت ہوتے وقت کملا نے ان پورنا کو پرنام کیا، ان پورنا نے آشیرواد دے کر کہا۔

"کل دوپہر کو میں تمہارے گھر آؤں گی۔"

کملا نے کوئی جواب نہ دیا۔

نئے مکان میں آکر کملا نے اُمیش کو پہلے سے موجود پاکر کہا: "کیا تم گانا سُننے نہیں جاؤ گے؟"

"آج آپ یہاں رہیں گی۔ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر ـــــ"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم گانا سننے جاؤ۔ یہاں رام دھن جو ہے۔ تم جاؤ۔ اب دیر نہ کرو۔"

"ابھی تماشا شروع ہونے میں دیر ہے۔"

"پھر کیا؟ وہاں لڑکی کے بیاہ میں کئی ہنگامے ہوں گے۔ اچھی طرح دیکھنا۔"

اس بارے میں امیش کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ جب وہ جانے لگا تو کملا نے اسے پکار کر کہا۔ "دیکھو، چکرورتی جی کے آنے پر تم ـــــ"

اس سے آگے وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن کہہ نہ سکی۔ اُمیش آگے سننے کے لئے کھڑا رہا۔ کملا کچھ دیر سوچ کر بولی۔ "یاد رکھو، چکرورتی جی تمہیں دل سے چاہتے ہیں۔ تمہیں جب کبھی جس چیز کی ضرورت ہو، ان سے مانگ لینا۔ وہ ضرور دے دیں گے۔ ان سے میرا پرنام کہنا۔ بھولنا نہیں!"

امیش اس نصیحت کا کچھ مطلب نہ سمجھ کر "بہت اچھا" کہتا ہوا چلا گیا۔

پچھلے پہر کملا کو جاتے دیکھ کر رام دھن نے پوچھا: "ماں جی، آپ کہاں جاتی ہیں؟"

کملا نے کہا: "گنگا اشنان کرنے!"

"میں بھی ساتھ چلوں؟"

"نہیں، تم یہیں ٹھہرو۔ آخر گھر کی دیکھ بھال کون کرے گا؟" یہ کہہ کر اسے ایک روپیہ دے کر وہ گنگا کے ساحل کی طرف چلی گئی۔

(۴۸)

ایک دن چار بجے کے قریب نلنی کے ساتھ تنہائی میں چاء پینے کے خیال سے آنند جرن بابو اس کی تلاش میں دوسری منزل پر گئے۔ وہ اوپر کے کمرے میں نہ ملی۔ خوابگاہ میں جاکر

دیکھا تو وہاں بھی نہ تھی۔ نوکر کو بلا کر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ کہیں باہر بھی نہیں گئی۔ اب وہ گھبرا کر چھت پر گئے۔

اس وقت کلکتہ کے مختلف بلندیوں اور مختلف طرزوں کے لمبے چوڑے دُور تک پھیلے ہوئے مکانوں کی چھتوں پر آخر سرما کی دھوپ زرد رو ہو رہی تھی۔ شام کی ہلکی ہلکی ہوا ٹھہر ٹھہر کر اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ بالائی چھت کے سائے میں نلنی خاموش بیٹھی تھی۔

آنند چرن بابو کب اس کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے اسے معلوم ہی نہ ہوا۔ آخر جب آنند چرن نے آہستہ آہستہ اس کے پاس آ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک اٹھی۔ اور باپ کو پیچھے کھڑے دیکھ کر شرم و ندامت سے سمٹ گئی۔ وہ جلدی سے اٹھنا چاہتی تھی۔ کہ آنند چرن بابو خود اس کے قریب بیٹھ کر ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگے۔

"بیٹی! اگر اس وقت تمہاری ماں زندہ ہوتی۔ تو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دیتی۔ میں تمہارے کسی بھی کام نہ آیا۔"

بوڑھے باپ کے منہ سے یہ دُکھ بھرے ہمدردانہ الفاظ سُن کر نلنی جیسے بے ہوشی سے ہوش میں آ گئی ــــ گہری نیند سے بیدار ہو گئی۔ اس نے ایک نظر باپ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس چہرے پر محبت و شفقت، رحم و ہمدردی اور رنج و غم کے آثار ایک ساتھ نظر آ رہے تھے۔ گذشتہ کچھ روز سے ان کے چہرے کی عجیب حالت ہو گئی تھی۔ نلنی کے بارے میں جو جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے خلاف لڑنے والے، اس کا مقابلہ کرنے والے وہ اکیلے ہی تھے۔ کوئی ان کا مدد و معاون نہ تھا۔ نلنی کی تسکین و دلدہی میں خود کو مجبور پا کر آج انہیں اس کی ماں یاد آ ئی۔

کچھ دیر نلنی شرم سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اپنے دل سے تمام افکار کو پرے ہٹا کر باپ سے پوچھا۔ "آپ کی صحت کیسی ہے؟"

صحت ــــ صحت جو ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ کئی دنوں سے آنند چرن بابو ایکدم بھول گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "میری صحت تو اچھی ہے۔ اس وقت تو تمہارا جو چہرہ دیکھتا ہوں۔ تمہارا کمزور و نحیف جسم دیکھتا ہوں۔ اسی کی بڑی فکر ہے۔ میرا جسم بہت بُرا تا ہے۔

بڑھاپا آگیا تو بھی کسی حد تک جسم کی حالت اچھی ہے۔ لیکن تمہاری عمر کم ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بیمار نہ ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

نلنی نے پوچھا: "اچھا بابوجی، ماں جب مری تو میں کتنے برس کی تھی؟"

"اس وقت تو تم تین برس کی بچی تھیں۔ مجھے خوب یاد ہے تم نے مجھ سے پوچھا تھا۔ ماں کہاں ہے؟ میں نے کہا تھا۔ تمہاری ماں اپنے باپ کے پاس گئی ہے۔ تمہاری پیدائش سے پیشتر ہی تمہارے نانا دنیا سے چل بسے تھے۔ تم نے انہیں دیکھا بھی نہیں۔ میری بات سن کر تم چپ چاپ میرے منہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ میں نے جو کچھ کہا تھا تم اسے سمجھ نہ سکیں۔ کچھ دیر کے بعد تم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی ماں کے سونے کے کمرے کی طرف لے جانے لگیں۔ تمہیں یقین تھا، کہ اس کمرے میں جا کر میں تمہاری ماں کا صحیح نشان پتہ بتا دوں گا۔ اور تمہیں اس سے ملا دوں گا۔ تم سمجھتی تھیں، کہ تمہارا باپ سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن یہ نہ جانتی تھیں، کہ اصل بات کہنے میں تمہارا باپ بھی بچوں کی طرح ناکام ہے۔ آج بھی وہ بات یاد آتی ہے۔ میں جو پہلے تھا، وہی اب ہوں۔ ایشور نے تمہارے باپ کے دل میں محبت اور ہمدردی پیدا کی ہے لیکن وہ اس کے اظہار میں لاچار و عاجز ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ نلنی کے سر پر رکھ دیا۔

نلنی نے کہا: "پتا جی! مجھے ماں کی بہت ہی کم یاد ہے۔ کچھ کچھ خیال آتا ہے کہ وہ دوپہر کو چارپائی پر لیٹ کر کتاب پڑھتی تھیں، مجھے یہ اچھا نہ لگتا تھا۔ میں ان کے ہاتھ سے کتاب چھین کر کھیلنا چاہتی تھی۔"

اس طرح گفتگو ہوتے ہوتے اس زمانے کی کئی باتیں چھڑ گئیں۔ ماں کیسی تھی، کیا کرتی تھی، اس وقت کیا ہوتا تھا۔ وغیرہ۔ انہی باتوں میں آفتاب غروب ہو گیا۔ کلکتے کے سب باشندے اپنے اپنے کام میں سرگرمی سے مصروف تھے۔ صرف یہی دونوں باپ بیٹی مل کر چھت کے ایک کونے میں اپنے دکھ سکھ کی کہانی دہرا رہے تھے۔

اتنے میں زینے پر جوگیندر کے پاؤں کی آہٹ سن کر دونوں کی گفتگو رک گئی۔ دونوں جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جوگیندر وہاں آ کر دونوں کو تیز نگاہوں سے گھور کر

بولا۔ "معلوم ہوتا ہے نلنی کی محفل آج کل اس چھت پر گرم ہونے لگی ہے۔"

جوگیندر ناراض ہو گیا تھا۔ گھر میں دن رات غم کی گھٹا چھائی رہتی تھی۔ اس لئے وہ بہت کم گھر رہتا تھا۔ اور دوستوں کے گھر جاتا تھا۔ تو وہاں نلنی کے بیاہ کے بارے میں جواب دہی کرنی پڑتی تھی۔ اس لئے اسے کہیں بھی چین اور سکون میسر نہ تھا۔ گھر اور باہر دونوں ہی اس کے لئے تکلیف دہ ہو رہے تھے۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا "نلنی اب بیجا ضد کر رہی ہے۔ عورتوں کو انگریزی ناول پڑھانے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔" نلنی سوچتی ۔۔۔ "رمیش نے جب مجھے چھوڑ دیا ہے۔ تو میرا جینا بیکار ہے۔ میرا دل چور چور ہو جانا چاہئے۔" اسی لئے آج وہ بڑی ہمت سے اپنے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے بیٹھی تھی۔ ناول پڑھ کر کتنی عورتیں ناکامیٔ الفت میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے بیٹھتی ہیں۔

جوگیندر کے طنزیہ فقروں کے حملے سے نلنی کو بچانے کے لئے آنند چرن بابو نے جلدی سے کہا۔ "میں نلنی سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔" جیسے وہی اس کو باتیں کرنے کے لئے چھت پر لائے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے محفل گرمانے نہیں آئی۔

جوگیندر نے کہا۔ "کیوں، کیا چائے کی میز کے پاس بیٹھ کر باتیں نہیں ہو سکتیں؟ باوجی، آپ نلنی کو پاگل بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا ہو گا، تو پھر گھر میں کیونکر رہیں گے؟"

نلنی متحیر ہو کر بولی۔ "پتاجی، کیا ابھی چائے نہیں پی؟"

جوگیندر نے کہا۔ "چائے تو شاعر کا تخیل نہیں، جو غروب آفتاب کے وقت سرخ آسمان سے اپنے آپ ٹپک پڑے گی۔ چھت کے کونے میں بیٹھے رہنے سے چائے کا پیالہ خودبخود تو نہ بھر جائے گا۔ بھلا یہ بات بھی سمجھانی پڑے گی؟"

نلنی کو ندامت سے بچانے کے لئے آنند چرن بابو فوراً بول اٹھے۔ "آج میری طبیعت چائے پینے کو نہیں چاہتی تھی، اسی لئے نیچے نہیں گیا۔"

جوگیندر نے کہا۔ "آپ لوگ کھانا پینا چھوڑ کر تپسوی تو نہ ہو جائیں گے۔ پھر میری کیا حالت ہو گی؟ میں تو ہوا کھا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

آنند چرن بابو بولے "نہیں جی، میں تپسیا کی بات نہیں کہتا۔ کل رات مجھے نیند اچھی طرح نہیں آئی۔ اسی لئے آج میں اس بات کو آزما کر دیکھنا چاہتا ہوں، کہ چائے نہ پینے سے طبیعت کیسی رہتی ہے؟"

اس میں نلنی کے ساتھ باتیں کرتے وقت آنند چرن بابو کو کئی بار چائے کے پیالے کا خیال آیا۔ لیکن آج وہ اُٹھ نہ سکے۔ کئی دنوں کے بعد آج نلنی ان سے خوب کھل کر باتیں کر رہی تھی۔ آنند چرن بابو کا دل محبت سے لبریز ہو گیا تھا۔ یاد نہیں اتنی گہری محبت سے ان دونوں میں پہلے کبھی باتیں ہوتی تھیں، یا نہیں۔ یہاں سے اُٹھتے ہی پھر باتوں کا یہ سنگ نہ رہے گا۔ ملنے کی کوشش کرتے ہی ڈرپوک ہرن کی طرح سب باتیں غائب ہو جائیں گی۔ اسی خیال سے بار بار چائے کا خیال آنے پر بھی وہ وہاں سے نہ اُٹھ سکے۔

نلنی کو یقین نہ آیا، کہ آنند چرن بابو نے اچھی طرح نیند نہ آنے کے باعث آج چائے پینا ترک کر دیا ہے۔ اس نے کہا "چلئے، پتا جی، چائے پینے چلئے!"

اسی وقت آنند چرن بابو نیند نہ آنے کی بات بھول کر چائے کی میز کی طرف لپکے۔

چائے کے کمرے میں داخل ہوتے ہی آنند چرن بابو نے دیکھا کہ اکھشے کمار بھی وہاں بیٹھا ہے۔ اس سے ان کے دل کو کچھ کھٹکا ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ آج نلنی کی طبیعت کچھ مسرور ہے۔ اکھشے کو دیکھتے ہی کہیں پھر بگڑ نہ جائے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ نلنی کو دیکھتے ہی اکھشے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بولا۔ "جوگیندر! اب میں چلتا ہوں۔"

نلنی نے کہا "کیوں اکھشے بابو! اتنی جلدی کیا ہے؟ گھر پر کیا کوئی کام ہے؟ ایک پیالی چائے تو پیجئے۔ پھر چلے جایئے گا۔"

نلنی کے اس خلاف معمول تغیر سے سب لوگ حیران رہ گئے۔ اکھشے نے پھر بیٹھتے ہوئے کہا "آپ کی غیر حاضری میں دو پیالے چائے پی چکا ہوں۔ اگر آپ اصرار کرتی ہیں تو دو پیالے اور پی سکتا ہوں۔"

نلنی نے مسکرا کر کہا "چائے پینے کے لئے تو آپ سے کبھی اصرار نہیں کرنا پڑا۔"

بہت دنوں کے بعد آج آنند چرن بابو کی چائے کی میز پر گفتگو کا ٹھاٹھ جما۔ بیچ

نلنی ہنسی کی بات پر بھی صرف قدرے مسکرا دیتی تھی۔ اس کی ہنسی ہونٹوں کے دائرے سے باہر نہ نکلتی تھی۔ لیکن آج وہ بات بات پر کھلکھلا اٹھتی تھی۔ وہ اکھشے بابو کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی "بابوجی! اکھشے بابو کی یہ بے انصافی تو دیکھئے۔ آپ کی گولی کئی دن سے نہیں کھائی۔ پھر بھی ویسے کے ویسے ہٹے کٹے بنے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے دل میں اس کی کچھ بھی احسان مندی ہوتی، تو کم ازکم سر درد کا نام تو لیتے"۔

آنند چرن بابو فرط مسرت سے ہنسنے لگے۔ بہت دنوں کے بعد آج پھر ان کی گولیوں کا تذکرہ چھڑا۔ انہوں نے اسے خاندان کی صحت کا نشان سمجھ کر اطمینان کی سانس لی۔ ان کے دل سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔ انہوں نے کہا "میری گولی کھانے والا بھی ایک اکھشے ہے اور اسے بھی چھوڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے"۔

اکھشے نے کہا "آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔ اکھشے کو چھوڑ لینا ذرا مشکل ہے"۔

جوگیندر نے کہا "ٹھیک ہے، درست ہے۔ چھوڑنے سے ——— جس طرح کھوٹے روپیہ بھناتے چھوٹتے وقت پولیس، دخل اندازی کرتی ہے۔ اسی طرح اس میں بھی ——— معاملہ پولیس تک پہنچنے کا اندیشہ ہے"۔

اسی طرح ہنسی مذاق کی باتیں ہونے سے آنند چرن کی چائے کی میز پر سے بہت دنوں کے بعد اداسی کا بھوت دور ہوا۔ آج یہ چائے کی محفل جلد برخاست نہ ہوئی لیکن آج نلنی نے معمول کے مطابق پر بال نہ سنوارے تھے۔ اس لئے وہ بال سنوارنے چلی گئی۔ اکھشے بھی ایک ضروری کام یاد آجانے کی وجہ سے چلا گیا۔

جوگیندر نے آنند چرن بابو سے کہا "بابوجی! اب دیر نہ کیجئے۔ جس طرح ہو نلنی کا بیاہ کر دیجئے"۔

آنند چرن بابو جواب دینے کی بجائے جوگیندر کے منہ کی طرف دیکھنے لگے ——— جوگیندر نے کہا "رمیش کے ساتھ نلنی کا بیاہ کیوں نہ ہوا اس موضوع پر سماج میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ اور افواہیں پھیل رہی ہیں۔ میں کہاں تک کس کس کا منہ بند کرتا پھروں گا۔ اکیلا کتنے آدمیوں کے سوالات کا جواب دے سکوں گا۔ اب کسی ترکیب

کام نکالنا ہوگا۔ اس دن میں نے اکھل چندر کو خوب ہی پھٹکارا تھا۔ سنتا ہے وہ نلنی کے بارے میں جو جی میں آئے بکتا پھرتا ہے۔ اگر نلنی کا بیاہ جلد ہو جائے، تو سب بکھیڑا مٹ جائے۔ میری بات مانئے اب دیر نہ کیجیے۔"

"لیکن بیاہ ہوگا کس کے ساتھ جوگیندر؟"

"ایک شخص ہے ــــ جو واقعہ سب کو معلوم ہے، اور جیسی باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے بر ملنا دشوار ہے۔ ایک بے چارا اکھشے ہے۔ اسے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اسے کھانے کو کہیے گا، تو گولی کھائے گا۔ اور بیاہ کرنے کو کہیے گا تو بیاہ کرے گا۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو جوگیندر؟ اکھشے کمار کے ساتھ نلنی کبھی بیاہ نہ کر سکے گی۔"

"اگر آپ کچھ نہ بولیں، تو میں اسے رضامند کر سکتا ہوں۔"

بابو آنند چرن گھبرا کر بولے "نہیں، جوگیندر! تم نلنی کو نہیں پہچانتے۔ تم اسے خوف دکھا کر یا تکلیف پہنچا کر بے چین نہ کرو۔ کچھ دن اس کا جی ٹھکانے رہنے دو۔ وہ بے چاری جنم کی دکھیا ہے۔ بہت تکلیف اٹھا چکی ہے۔ بیاہ کے لئے ابھی بہت وقت ہے۔"

"آپ گھبرائیے نہیں۔ میں جہاں تک ہو سکے گا، بڑی ہوشیاری اور نرمی سے کام لوں گا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں جھگڑے کے بغیر بات ہی نہیں کر سکتا؟"

چنانچہ اسی شام جب نلنی بال سنوار کر باہر آئی، تو جوگیندر نے کہا "نلنی! تم سے ایک بات کہنا ہے۔"

یہ سنتے ہی نلنی کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ آ کر جوگیندر کے قریب بیٹھ گئی۔ جوگیندر نے کہا "نلنی! بابو جی کی صحت روز بروز کیسی گرتی جاتی ہے۔ تم دیکھ رہی ہو نہ؟"

لیکن نلنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جوگیندر کہتا گیا "اگر خاص کوشش نہ کی جائے گی تو وہ سخت بیمار ہو جائیں گے۔"

نلنی سمجھ گئی کہ باپ کی اس بیماری کا الزام میرے سر تھوپا جا رہا ہے۔ وہ سر جھکائے ساری کے آنچل سے کھیلنے لگی۔

جوگیندر نے کہا "جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کا ذکر کرنا ہمارے لئے شرم کا باعث ہے
اگر اب تم بابوجی کے دل کو خوش رکھنا چاہتی ہو، تو جہاں تک جلد ہو سکے، اس ناپسندیدہ
جھگڑے کو بالکل ختم کر ڈالو"

یہ کہہ کر جوگیندر جواب کی امید میں نلنی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ نلنی شرم سے
سر جھکائے ہوئے بولی "ان باتوں کے لئے بابوجی کو میں کبھی ناراض نہیں کروں گی"
"مانا اگر تم انہیں ناراض نہ کرو گی لیکن اس سے اور لوگوں کی زبان تو بند نہ ہوگی"
"آپ ہی کہئے۔ اس کے لئے میں کیا کر سکتی ہوں؟"
"چاروں طرف یہ جو طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی ہیں، انہیں روکنے کا صرف
ایک ہی طریقہ ہے"

جوگیندر کے دل کی بات کا اندازہ کر کے نلنی فوراً بول اُٹھی "کچھ دن کے لئے بابوجی
کو ساتھ لے کر مغربی علاقے کی سیر مفید نہ ہوگی؟ دو چار مہینے ادھر اُدھر گھوم آنے سے
سب باتیں دب جائیں گی"

"اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ جب تک بابوجی کو اس بات کا پورا یقین
نہ ہو جائے گا کہ تمہارے دل میں کوئی دکھ نہیں۔ ان کے دل میں برچھی سی چبھتی رہے گی"
نلنی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے فوراً آنکھیں پونچھ کر کہا "تو مجھ سے
کیا کہنے کو کہتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں کہ وہ بات سننے میں تمہیں سخت معلوم ہوگی لیکن اگر تم سب طرف
بھلائی چاہتی ہو، تو اب اپنی شادی کے معاملے میں دیر نہ کرو"
نلنی کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ جوگیندر اپنے اضطراب کو روک نہ سکا
بول اُٹھا!

نی! تم چھوٹی سی بات کو تخیل کی حد سے بڑی کرنے کو اچھا سمجھتی ہو۔ تمہارے
بیاہ کے سلسلے میں جو گول مال ہوا ہے۔ ایسا کتنی ہی لڑکیوں کے بیاہ میں ہوتا ہے۔ لیکن
وہ فوراً نبٹ جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو، بات بات پر گھر گھر نا دل بننے لگیں۔ تو پھر کسی کی جان

کس طرح بچے۔ زندگی بھر سنیاسی بن کر چھت پر بیٹھی آسمان کو دیکھتی رہوں گی ۔ اور اپنے من مندر میں اس فریبی اور محبت ناآشنا کی یاد کو مورتی بنا کر پوجا کروں گی ـــ دنیا کے سامنے ایسی شاعری میں تمہیں ندامت محسوس نہ ہو تو نہ سہی لیکن ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے ۔ اس لئے پہلے گھر میں شادی کر کے اس شاعری کو ختم کرو۔"

جوگیندر کی باتیں چھری کی طرح نلنی کے جگر میں اتر گئیں ۔ وہ بولی: "بھیا! میں کب کہتی ہوں کہ عمر بھر کنواری رہ کر سنیاسی بنوں گی ؟"

جوگیندر نے کہا: "تو پھر شادی کر لو ۔ اگر تمہیں سورگ کے ماجانند کے سوا اور کوئی پسند ہی نہ ہو تو سنیاسی بننا ہی ٹھیک ہے ۔ دنیا میں اپنی خواہش و آرزو کے مطابق کس کو سب چیزیں میسر آتی ہیں ؟ جسے جو کچھ مل جاتا ہے اسی کے مطابق دل کو مطمئن کر کے خوش ہونا چاہیئے ۔"

نلنی نے کہا: "بھیا! آپ ایسی طنز آمیز گفتگو کیوں کرتے ہیں ؟ میں نے آپ سے پسند یا ناپسند کی کوئی بات کبھی کہی ہے ؟"

"کہی تو نہیں ۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کبھی کبھی تم خواہ مخواہ کسی چھوٹے خیال کے تحت اپنے خیر خواہوں سے بگڑ جاتی ہو لیکن تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ اب تک جتنے لوگوں سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے ان میں ایک ہی شخص ایسا ہے جس نے دکھ سکھ میں رنج و غم میں ہمیشہ تمہارا ساتھ دیا ہے ۔ اسی لئے میں دل ہی دل میں اُسے بے حد پسند کرتا ہوں ۔ اس سے عقیدت رکھتا ہوں ۔ تمہیں خوش رکھنے کے لئے وہ جان تک دے سکتا ہے ۔ اگر ایسا سوامی چاہو تو کہیں ڈھونڈنا نہ پڑے گا ۔ اور اگر کسی ناول کا ہیرو چاہو تو ...."

نلنی تیزی سے کھڑی ہو کر بولی: "یہ آپ کیا کہتے ہیں ؟ مجھ سے ایسی بات نہ کہیئے ! باپو جی مجھے جو حکم دیں گے جس سے شادی کرنے کو کہیں گے میں ان کے حکم کے سامنے سر جھکا دوں گی ۔ اگر ان کی بات نہ مانوں تو پھر آپ ناول کا ذکر چھیڑیئے گا ۔"

جوگیندر نے فوراً نرم لہجے میں کہا: "بہن! ناراض نہ ہونا ۔ تم جانتی ہی ہو جب میری طبیعت بگڑتی ہے تو میرا دماغ ٹھیک نہیں رہتا ۔ جو میرے جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہوں

میں بچپن ہی سے تمہیں جانتا ہوں۔ کیا مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کتنی حیا پرور ہو۔ اور بابو جی سے تمہیں کتنی محبت ہے!"

یہ کہہ کر جوگیندر آنند چرن کے کمرے میں چلا گیا۔ آنند چرن بابو اپنے کمرے میں بیٹھے دل ہی دل میں یہ سوچ کر بے چین ہو رہے تھے کہ جوگیندر اپنی بہن کو نہ جانے کتنی سخت باتیں کہہ رہا ہے۔ وہ اٹھ کر ان کے پاس جانا ہی چاہتے تھے کہ جوگیندر سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور بولا۔

"نلنی شادی پر آمادہ ہے۔ آپ سمجھتے ہوں گے میں نے زبردستی اسے رضامند کیا ہے۔ لیکن آپ اس خیال کو دل میں ذرا بھی جگہ نہ دیں۔ اب آپ اس سے صرف ایک بار کہہ دیجئے۔ پھر وہ اکھشے سے بیاہ کرنے میں عذر نہ کرے گی۔"

"مجھے کہنا پڑے گا؟"

"آپ نہ کہیں گے تو کیا وہ خود آ کر کہے گی کہ میں اکھشے کمار سے شادی کروں گی؟ اچھا، آپ اپنے منہ سے کہتے ہوئے شرماتے ہیں، تو مجھے حکم دیجئے۔ میں آپ ہی کے حکم سے آپ کی طرف سے کہہ دوں گا۔"

آنند چرن بابو مضطرب ہو کر بولے "نہیں نہیں، جو بات مجھے کہنا چاہئے۔ میں خود ہی کہوں گا۔ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟ میری رائے میں تو ابھی بیاہ شادی کی بات کچھ دن اور ملتوی رکھو۔"

لیکن جوگیندر نے اصرار کیا۔ "نہیں بابو جی! اب دیر کرنا درست نہیں۔ اب اس طرح نہ چلے گا۔"

بابو آنند چرن جانتے تھے کہ جوگیندر کی ضد کے سامنے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ انہوں نے ٹالنے کی غرض سے کہا۔ "اچھا میں کہہ دوں گا۔"

جوگیندر نے کہا۔ کہنے کا آج ہی اچھا موقع ہے۔ وہ آپ کے حکم کا انتظار کر رہی ہے۔ جو کچھ بھی ہو۔ آج ہی اس بات کا فیصلہ کر ڈالئے۔ سوچنے سے کام نہ چلے گا۔ بابو جی! ایک بار نلنی کے پاس چلئے نا!"

"اچھا، تم یہیں رہو۔ میں اکیلا ہی اس کے پاس جاتا ہوں۔"

بابو آنند چرن نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہاں اندھیرا تھا۔ ان کے پاؤں کی آہٹ سن کر نلنی گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور بولی "بابو جی، روشنی بجھ گئی ہے۔ آپ بیٹھئے۔ میں نوکر کو بلا کر لیمپ جلانے کو کہہ دوں۔"

آنند چرن بابو سمجھ گئے کہ کمرے میں اندھیرا کیوں ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ "لیمپ جلانے کی ضرورت نہیں۔" اور ٹٹول کر نلنی کے پاس جا بیٹھے۔

صحت کے متعلق دریافت کرکے نلنی نے براہ راست گفتگو شروع کی۔ "بابو جی! کیا اب آپ مجھے اپنے پاس نہ رکھیں گے؟"

"کیوں نہ رکھوں گا بیٹی؟"

"جب تک بھابی نہیں آتی میں آپ کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔ میں نہ رہوں گی تو آپ کی خدمت اور دیکھ بھال کون کرے گا؟"

"میری دیکھ بھال کی کیا پوچھتی ہو؟ میری ایسی قسمت کہاں، کہ میری خدمت کے لئے تم میرے پاس رہو۔"

"کمرے میں بڑا اندھیرا ہے۔ لیمپ لے آؤں۔" یہ کہہ کر وہ ساتھ کے کمرے سے لیمپ لے آئی۔ اور پھر باپ سے کہا۔ "ادھر کئی دنوں سے اطمینان نہ ہونے کے باعث آپ کو اخبار نہیں سنا سکی۔ آج کا اخبار آپ کو سناؤں؟"

"اچھا، تم ذرا بیٹھو۔ میں ابھی آ کر سنتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جوگیندر کے پاس آ گئے۔ انہوں نے سوچا تھا۔ جوگیندر سے کہہ دوں گے — آج بات نہیں ہو سکی۔ پھر کسی دن ہو گی۔

لیکن ان کے کمرے میں قدم رکھتے ہی جوگیندر بول اٹھا۔ "کہئے کیا ہوا؟ آپ نے اس سے شادی کے لئے کہہ دیا؟"

وہ صرف یہی کہہ سکے۔ "ہاں، کہہ دیا ہے۔"

"وہ آپ کی بات پر ضرور رضامند ہو گئی ہو گی!"

"ہاں تقریباً رضامند کر آیا ہوں۔"

"تو میں اکھشے بابو سے کہہ آؤں؟"

"نہیں نہیں، ابھی اکھشے سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اتنی جلدی کرنے سے سب بات بگڑ جائے گی۔ بلکہ ابھی ہم سب ایک بار مغربی صوبوں کی سیر کر آئیں۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

جوگیندر اس کا جواب دئے بغیر چلا گیا۔ وہ کندھے پر چادر ڈال کر سیدھا اکھشے بابو کے گھر پہنچا۔ اکھشے اس وقت "بک کیپنگ" سیکھ رہا تھا۔ جوگیندر نے اس کے کاغذ ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا "یہ سب بعد میں ہوگا۔ ابھی اپنے بیاہ کی تاریخ مقرر کرو۔"

اکھشے نے متحیر ہو کر کہا "ابی! کیا کہہ رہے ہو؟"

(۳۹)

دوسرے دن صبح جب نلنی اُٹھ کر باہر آئی تو دیکھا۔ آنند چرن بابو اپنی خوابگاہ کی کھڑکی کے پاس ایک آرام کرسی پر خاموش بیٹھے ہیں۔ کمرے میں زیادہ سامان نہ تھا۔ ایک چارپائی اور ایک کونے میں ایک الماری تھی۔ سامنے دیوار پر ان کی مرحوم بیوی کی تصویر آویزاں تھی۔ نلنی باپ کے پیچھے کھڑی ہو کر، ان کے پکے ہوئے بال چننے کے بہانے ان کی پیشانی پر انگلی پھیرتی ہوئی بولی "چلئے آج ذرا صبح سویرے چائے پی لیں۔ پھر آپ کے کمرے میں بیٹھ کر کل کی طرح آپ کی باتیں سنوں گی۔ مجھے وہ باتیں بڑی پسند ہیں۔"

وہ سمجھ گئے کہ تھوڑی دیر بعد چائے کی میز پر اکھشے بابو آ جائیں گے۔ اس لئے وہ ان کے آنے سے پہلے ہی چائے پی کر میرے کمرے میں تنہائی کا سہارا لینا چاہتی ہے۔

نیچے جا کر انہوں نے دیکھا کہ نوکر نے ابھی تک چائے تیار نہیں کی، وہ اس پر سخت خفا ہوئے۔

نوکر نے یہ سمجھانے کی بے سود کوشش کی، کہ آج مقررہ وقت سے پہلے ہی چائے طلب کی جا رہی ہے۔ وہ اس کی بات اَن سُنی کر کے کہنے لگے "میرے نوکر نواب ہو گئے ہیں

ان کو جگانے کے لئے بھی ایک نوکر کی ضرورت ہے۔"

نوکر فوراً چائے تیار کر کے لے آیا۔ آرام سے آہستہ آہستہ چائے پینے کی بجائے آج آنند چرن بابو ایک دم پیالہ خالی کرنے لگے۔ نلنی حیرت سے بولی "بابوجی! کیا آپ کو کہیں باہر جانا ہے؟"

"نہیں تو' جاڑے کے دنوں میں گرم چائے ایک دم پی لینے سے پسینہ آکر جسم ہلکا ہو جاتا ہے۔"

لیکن آنند چرن بابو کے جسم میں پسینہ آنے سے پہلے ہی جوگیندر' اکھشے کو لئے وہاں آ پہنچا۔ آج اکھشے خوب بنا ٹھنا ہوا تھا۔ دائیں ہاتھ میں چاندی کے دستے کی چھڑی تھی۔ سینے پر گھڑی کی سنہری زنجیر لٹک رہی تھی۔ بائیں ہاتھ میں لپٹی ہوئی ایک کتاب تھی۔ آج خلاف معمول وہ نلنی کے پاس ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اور مسکرا کر کہنے لگا "آج آپ کی گھڑی کچھ تیز چلتی ہے۔"

نلنی نے نہ اکھشے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اور نہ اس کی بات کا جواب دیا۔ آنند چرن نے نلنی سے کہا "بیٹی! ذرا اوپر تو چلو۔ میری گرم پوشاک کو ایک بار دھوپ دکھا دو۔"

جوگیندر نے کہا "بابوجی! دھوپ تو کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ پھر اتنی جلدی کس لئے؟ نلنی' اکھشے کو ایک پیالہ چائے دو۔ مجھے بھی چاہیئے۔ لیکن پہلے مہمان کی تواضع ہونی چاہیئے!"

نلنی نے دو پیالوں میں چائے ڈال کر ایک جوگیندر کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا اکھشے کی طرف ذرا سا بڑھا کر باپ کے منہ کی طرف دیکھا۔ آنند چرن بولے "دھوپ تیز ہو جانے پر گرمی محسوس ہوگی۔ اب چلو۔"

جوگیندر نے کہا "کپڑوں کو پھر دھوپ دکھا دینا۔ اکھشے بابو آئے ہیں۔"

آنند چرن ذرا تیز ہو کر بولے "تم ہر بات میں دخل دیتے ہو۔ اپنی ضد کے سامنے دوسرے کا بھلا برا کچھ نہیں سمجھتے۔ میں بہت دنوں تک سب کچھ برداشت کرتا آیا ہوں۔

لیکن اب مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ چلو بیٹی، کل سے ہم بالائی کمرے ہی میں چائے پئیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ چلنے کو تیار ہوئے۔ نلنی نے نرمی سے کہا "بابوجی، ذرا اور بیٹھئے۔ آج آپ نے ابھی چائے نہیں پی۔ اکھشے بابو، کیا میں پوچھ سکتی ہوں، کہ اس کاغذ میں کیا لپیٹ رکھا ہے؟"

اکھشے نے کہا "صرف پوچھ ہی نہیں سکتیں۔ آپ اسے کھول کر بھی دیکھ سکتی ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے کاغذ میں لپٹی ہوئی کتاب نلنی کی طرف بڑھا دی۔

نلنی نے کھول کر دیکھا ——— وہ "ٹینی سن" کی نظموں کا مجموعہ تھا۔ نلنی کچھ پریشان سی ہو گئی۔ یہی کتاب ایسی ہی جلد والی اسے رمیش تحفے کے طور پہ دے چکا تھا۔

جوگیندر نے کہا "اصل بات سے اب بھی پردہ نہیں اٹھا۔" یہ کہہ کر اس نے کتاب کا سادہ ورق کھول کر نلنی کو دکھایا۔ اس پر لکھا تھا ——— "شریمتی نلنی دیوی کے لئے اکھشے کا تحفۂ عقیدت!"

اسی وقت کتاب نلنی کے ہاتھ سے زمین پر گر پڑی۔ اور وہ اس پر کوئی توجہ دئے بغیر بولی "چلئے بابوجی!"

دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ جوگیندر کی آنکھیں غصّے کے مارے سُرخ ہو گئیں۔ جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے کہا "اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ اب میرا یہاں رہنا دشوار ہے۔ مجھے کہیں سکول کی نوکری مل جائے تو میں فوراً یہاں سے چلا جاؤں۔"

اکھشے نے کہا "بھائی، تم فضول غصہ کر رہے ہو۔ میں نے تو اسی وقت کہہ دیا تھا، کہ تم بھولتے ہو۔ تم نے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ نلنی کبھی میری جانب ملتفت نہیں ہو سکتی۔ اس امید کو چھوڑ دو۔ اور اب ایسی کوشش کرو، کہ وہ رمیش کو بھول جائے۔"

جوگیندر نے کہا "بات تو تم نے کہہ دی۔ لیکن اس کا کوئی طریقہ بھی ہونا چاہیے۔"
اکھشے نے کہا "میرے سوا کیا دنیا میں اور کوئی بر نہیں؟ جیسے بھی ہو سکے، ایک

اچھا سا بر ڈھونڈنا چاہئے۔ جسے دیکھتے ہی ان کی دھوپ میں کپڑے ڈالنے کی خواہش نہ بھڑک اٹھے۔"

جوگیندر بولا: "لیکن بر تو ایسی چیز نہیں جو خواہش کرتے ہی مل جائے۔"

"تم تو فوراً گھبرا اٹھتے ہو۔ میں تمہیں لائق بر کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ لیکن جلد بازی سے کام نہ ہوگا۔ پہلے ہی بیاہ کی تجویز پیش کرکے لڑکی اور لڑکے کو شک میں مبتلا کرنے سے کام نہ چلے گا۔ پہلے دونوں میں آہستہ آہستہ محبت بڑھنے دو۔ پھر دونوں کے دلی جذبات کو سمجھ کر بیاہ کا دن مقرر کر دینا۔"

"ترکیب تو تم نے خوب بتائی۔ لیکن اب لڑکے کا نام بھی بتاؤ۔"

"تم انہیں اچھی طرح نہیں جانتے۔ صرف دیکھا ہوگا۔ ان کا نام ہے کمل نین ڈاکٹر!"

"کمل نین بابو!"

"چونکتے کیوں ہو؟ ان کی وجہ سے برہمو سماج میں بڑی ہلچل مچی ہے۔ مچی رہنے دو۔ کیا اس کے لئے ایک لائق بر کو ہاتھ سے چھوڑ دوگے؟"

"اگر میرے کئے کچھ ہوتا، تو میں کبھی انہیں ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ تاہم کوشش کروں گا۔ کیا کمل نین بابو شادی کے لئے راضی ہو جائیں گے؟"

"آج ہی ہو جائیں گے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن وقت آنے پر کیا نہیں ہو سکتا۔ ہاں، کل کمل نین بابو کا لیکچر ہے۔ اس لیکچر میں نلنی کو لے چلو۔ ان کا لیکچر بڑا دلکش ہوتا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ بے ساختہ دل کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔"

"یہ تو ہوا۔ لیکن کمل نین بابو کے خاندان اور گھر بار کی بھی تو سناؤ۔"

اکشے نے کمل نین کے خاندان کے متعلق جو کچھ بیان کیا۔ اس کا اختصار یہ ہے کہ — کمل نین کے والد راج ولبھ ضلع فرید پور کے چھوٹے سے زمیندار تھے۔ تیس برس کی عمر میں وہ برہمو سماج میں داخل ہوئے۔ لیکن ان کی بیوی نے پتی کا نیا دھرم قبول نہ کیا۔

اس کا یہ رویہ راج ولبھ کو اچھا معلوم نہ ہوا۔ ان کے بیٹے کمل نین نے دھرم کی اشاعت کے سلسلے میں برہمو سماج میں خاص شہرت حاصل کر لی۔ پھر وہ سرکاری ڈاکٹر

مقرر ہو کر بنگال کے مختلف مقامات پر گئے۔ اور اپنی خوش خلقی، نیک کرداری، علاج میں مہارت اور نیک کاموں میں شرکت سے ہر طرف نام پیدا کیا۔

اسی دوران میں ایک نیا حادثہ پیش ہوا۔ راج ولبھ بڑھاپے میں ایک بیوہ سے شادی کرنے کے لئے پاگل ہو اُٹھے۔ کوئی انہیں روک نہ سکا۔ انہوں نے کہا "میری پہلی بیوی صحیح معنوں میں میری دین و دنیا کی ساتھی نہیں۔ جس کے ساتھ دھرم مت، برتاؤ اور دل سی یگانگت ہو اُسے بیوی نہ بنانا سخت بے انصافی ہے۔ چنانچہ سب کی مخالفت کے باوجود راج ولبھ نے اس بیوہ سے شادی کرلی۔

اس کے بعد کمل نین کی ماں گھر چھوڑ کر کاشی جانے پر آمادہ ہوئیں۔ جب کمل نین کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ ڈاکٹری چھوڑ کر رنگ پور سے چلے آئے۔ اور ماں سے کہا "ماں! میں تمہارے ساتھ کاشی چلوں گا۔"

ماں نے روتے ہوئے کہا "بیٹا! میرے ساتھ تم سب کی کسی بات میں یگانگت نہیں، میرا طور طریقہ تم سے بالکل مختلف ہے۔ ایسی حالت میں تم میرے ساتھ جاکر کیوں فضول تکلیف اُٹھاؤ۔"

کمل نین نے کہا "ماں اب میرا اور تمہارا طریقہ ایک سا ہوگا۔"

چنانچہ وہ ماں کے ساتھ کاشی گیا۔ ماں نے کہا "بیٹا! کیا مجھے بہو کا منہ نہ دکھاؤ گے؟"

کمل نین بڑی مشکل میں پھنس گیا۔ بولا "ابھی کیا ضرورت ہے، وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔"

ماں نے سمجھا بیٹا بہت کچھ چھوڑنا منظور کرکے میرے ساتھ آیا ہے لیکن برہمو سماج سے باہر شادی کرنا نہیں چاہتا۔ اس نے دردانگیز لہجے میں کہا "بیٹا! کیا تو میرے لئے سب کچھ چھوڑ کر سنیاسی ہو جائے گا؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جہاں تمہاری خواہش ہو شادی کرلو۔ میں رخنہ انداز نہ ہوں گی۔"

کمل نے دو تین دن غور و فکر کرنے کے بعد کہا "ماں! تم جیسی بہو چاہتی ہو۔ ویسی ہی لاکر میں اسے تمہاری خدمت پر مقرر کردوں گا۔ میں ایسی بہو گھر میں کبھی نہ لاؤں گا۔ جو تمہاری

بات نہ سُنے۔ اور تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے ؟

یہ کہہ کر کمل نین اچھی لڑکی کی تلاش میں بنگال چلے آئے۔ اس کے بعد واقعات کچھ الجھے ہوئے ہیں... کوئی کہتا ہے کہ اس نے یہاں آکر چپ چاپ ایک یتیم لڑکی سے بیاہ کر لیا تھا۔ لیکن وہ جلد ہی مر گئی۔ بعض کو اس میں شک ہے۔ اکھشے کا خیال ہے کہ شادی کے وقت اس نے انکار کر دیا تھا... کچھ بھی ہو۔ اکھشے کی رائے تھی، کہ "کمل نین اب جسے بھی پسند کر کے شادی کرے گا، اسی کو اس کی ماں خوشی سے بہو بنا لیں گی۔ نلنی ایسی حسین و خوبصورت اور نیک لڑکی کمل نین کو کہاں ملے گی ؟ نلنی کی فطرت نہایت نرم اور حلیم ہے وہ دل و جان سے ساس کی خدمت کرے گی۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دے گی۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے گی۔ کمل نین دو ہی تین دن میں نلنی کی خوش اخلاقی سے متاثر ہو جائیں گے۔ اس لئے میری یہی رائے ہے کہ کسی طرح دونوں کا تعارف کرا دیا جائے !"

(۴۰)

اکھشے کے چلے جانے پر جوگیندر دوسری منزل پر گیا۔ دیکھا آنند چرن بابو بیٹھے نلنی سے باتیں کر رہے ہیں۔ جوگیندر کو دیکھ کر آنند چرن ذرا شرما سے گئے۔ آج چائے کے کمرے میں ان کا فطری حلم یکایک غصے میں بدل گیا تھا۔ اس کا بھی انہیں افسوس تھا۔ اسی لئے انہوں نے جوگیندر کو دیکھتے ہی نرمی سے کہا : "آؤ جوگیندر بیٹھو !"

جوگیندر نے کہا : "بابو جی، آپ نے باہر آنا جانا، لوگوں سے میل ملاپ قطعاً ترک کر دیا ہے۔ دونوں رات دن بیٹھے رہتے ہو۔ کیا یہ اچھا ہے ؟"

بابو آنند چرن بولے : "بیٹا ! میں نے تو اسی طرح گھر کے کونے میں بیٹھے بیٹھے زندگی گذار دی ہے۔ کبھی اتفاق ہی سے باہر نکلتا ہوں نلنی کو کہیں باہر لے جانا بھی دشوار ہے"

نلنی نے کہا : "بابو جی ! آپ مجھے کیوں الزام دیتے ہیں۔ آپ مجھے جہاں لے جانا چاہتے ہوں لے چلئے"

جوگیندر نے کہا : "بابو جی ! کل ایک میٹنگ ہے۔ نلنی کو بھی وہاں لے چلئے"

آنند چرن بابو جانتے تھے کہ نلنی بہت دنوں سے بھیڑ بھاڑ میں جانا پسند نہیں کرتی۔

کسی جلسے میں جاتے ہوئے وہ شرماتی ہے۔ اسی لئے وہ جوگیندر کی بات کا جواب دینے کی بجائے نلنی کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ نلنی یکایک خلاف معمول جرأت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "میٹنگ!... کون لیکچر کرے گا وہاں؟"

"کمل نین بابو!" جوگیندر نے کہا۔

آنند چرن بولے۔ "کمل نین؟"

جوگیندر نے کہا۔ "ان کی تقریر بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ ایسے بے تکان اور فصیح مقرر ہندوستان میں بہت ہی کم ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات سننے سے حیرت ہوتی ہے۔ ایسا ایثار! ایسا استقلال! ایسی فرض شناسی بہت ہی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ایسے انسان کو دیکھنا قسمت ہی سے نصیب ہوتا ہے"

اب سے دو گھنٹے پیشتر جوگیندر کمل نین کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ اس نے اکھٹے سے جو کچھ سنا تھا، اسی کو بڑھا کر بیان کر دیا۔ نلنی نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔

"تو بابو جی، چلئے نہ، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی"

اگرچہ بابو آنند چرن کو نلنی کے اس اصرار و اشتیاق پر اعتماد تھا۔ تاہم وہ دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ انہوں نے سوچا۔ اگر نلنی اسی طرح جلسوں اور محفلوں میں شامل ہوا کرے گی، تو اس کی طبیعت سنبھل جائے گی۔

انہوں نے کہا۔ "اچھا تو جوگیندر، کل ہم سب کو ٹھیک وقت پر میٹنگ میں لے چلنا۔ لیکن کمل نین بابو کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ ان کے متعلق مختلف لوگوں سے مختلف باتیں سننے میں آئی ہیں"

جوگیندر نے کمل نین کے مخالفوں کو بے نقط سناتے ہوئے کہا۔ "یہ پاکھنڈی کچھ بھی کہیں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ کمل نین نہایت ہی ایثار پیشہ نوجوان ہے۔ ماں کے راحت و آرام کے لئے اپنا آرام و سکون چھوڑ کر انہوں نے کاشی میں رہائش اختیار کی۔ اسی لئے پاکھنڈی لوگوں نے ان کی برائی شروع کر دی۔ کوئی کچھ بھی کہے۔ میں تو کمل نین کی تعریف ہی کرتا ہوں... نلنی، تمہاری کیا رائے ہے؟"

نلنی نے کہا: "میں بھی تو یہی ٹھیک سمجھتی ہوں۔"

جوگیندر خوش ہو کر بولا: "جانتا تھا کہ نلنی اچھا ہی کہے گی۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ بابو جی کو آرام پہنچانے کے لئے اپنے آرام کو چھوڑنے کا موقعہ پا کر نلنی خوش ہوتی ہے۔"

آنند چرن بابو نے ہنس کر محبت بھری نگاہ سے نلنی کی طرف دیکھا۔ اس نے شرم سے سر جھکا لیا۔

(۱۴)

میٹنگ ختم ہونے کے بعد آنند چرن بابو نلنی کے ساتھ گھر لوٹے۔ تو ابھی شام ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ وہ چائے کی میز پر بیٹھ کر بولے: "آج طبیعت خوش ہو گئی!" اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کے دل میں نئے خیالات و جذبات کا سمندر موج زن تھا۔

نلنی چائے پی کر اوپر چلی گئی لیکن آنند چرن بابو نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ خیالات میں کھوئے ہوئے بیٹھے رہے۔

آج جس ڈاکٹر نے تقریر کی تھی۔ وہ عجیب انداز کا نوجوان ہے۔ عین شباب میں بھی گویا بچپن کی معصوم ملاحت اس کے چہرے پر چھا رہی تھی۔ اور ساتھ ہی متانت اور خوش دلی! اس کی تقریر میں عجیب اثر تھا۔ جی چاہتا تھا ہزار کان سے اس کی تقریر سنیں۔ اس کے دل کے جذبات بھی کتنے پاکیزہ تھے۔ جیسے گنگا کی مقدس دھارا!

اس کی تقریر کا موضوع تھا "ایثار و قربانی" اس نے کہا تھا —— دنیا میں جو لوگ ایثار نہیں کرتے وہ کچھ نہیں پا سکتے۔ اپنی خواہشات کا ایثار ہی انسانیت ہے۔ ویسے ہمیں جو کچھ ملتا ہے، وہ صحیح معنوں میں ملنا نہیں ہے۔ ایثار سے ہم جو کچھ حاصل کر سکیں وہی حقیقت میں پانا ہے۔ وہی ہماری حقیقی دولت ہے۔ ایثار سے حاصل ہونے والی دولت کو اور زیادہ حاصل کرنے کی طاقت انسان کے دل میں ہے۔ جو کچھ بھی ہم دیں۔ اس کے متعلق اگر سر جھکا کر، ہاتھ جوڑ کر کہہ سکیں —— میں نے دیا۔ اپنے تیاگ کا دان، اپنے دکھ کا دان، اپنے آنسوؤں کا دان' تو چھوٹی سی بات بھی بڑی ہو سکتی ہے۔ یہی معمولی چیز، پوجا کا سامان بن کر ہمارے دل کے، ہماری روح کے مندر میں جواہرات کا خزانہ بن سکتا ہے

یہ سب باتیں نلنی کے دل کے آسمان پر بادل کی طرح چھاگئیں۔ وہ چھت پر خاموش بیٹھی انہی باتوں پر غور کرنے لگی۔ اس کا دل خیالات سے لبریز تھا۔ تمام آسمان اور زمین اسے آج انہی خیالات سے لبریز نظر آتے تھے۔

میٹنگ سے واپسی پر جوگیندر نے کہا: "اکھشے، واقعی تم نے بڑے لائق برکا پتہ بتایا۔ اس کی آدمی باتیں تو میری سمجھ ہی میں نہیں آئیں۔"

اکھشے نے کہا: "مریض کی حالت دیکھ کر ہی دوا تجویز کی جاتی ہے۔ نلنی رمیش کے دھیان میں ڈوبی رہتی ہے۔ اس دھیان کو سنیاسی کے سوا ہم عام انسان نہیں توڑ سکتے جب تقریر ہو رہی تھی، تو تم نے نلنی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا؟"

جوگیندر نے کہا: "ہاں دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کی طرف دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا، کہ وہ تقریر میں بے حد دلچسپی لے رہی ہے۔ لیکن کیا تقریر کی پسندیدگی سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ مقرر کے گلے میں" ورمالا" ڈال دے گی؟"

اکھشے نے کہا: "کیا یہی تقریر ہم لوگوں کے منہ سے اچھی معلوم ہوتی؟ جوگیندر کیا تم نہیں جانتے کہ تپسویوں پر عورتوں کو زیادہ اعتقاد ہوتا ہے۔ کالیداس نے لکھا ہے، کہ سنیاسی کے لئے پاربتی نے تپسیا کی تھی۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں، کہ اگر تم دیولوک سے بھی کوئی نوجوان لاکر نلنی کے سامنے کھڑا کر دوگے، تو وہ دل ہی دل میں اس کا مقابلہ رمیش سے کرے گی۔ اور رمیش کے مقابلہ میں کوئی بھی نہ ٹھہرے گا۔ سب اس کی نگاہ میں ہلکے معلوم ہوں گے۔ نلن بین معمولی آدمی نہیں۔ اس کے ساتھ رمیش کے موازنہ کی بات ہی نلنی کے دل میں نہ آئے گی۔ اگر نلن بین کو کسی ترکیب سے یہاں لا سکو تو کیا کہنے۔ نلنی کے دل میں اس سے کسی قسم کا شک پیدا نہ ہوگا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ نلنی کی عقیدت بڑھتی جائے گی۔ اور ممکن ہے کسی دن نلنی کی پھولوں کی ٹوکری سے ورمالا نکلوالی جائے۔"

جوگیندر نے کہا: "میں تو کوئی ترکیب نہیں سوچ سکتا۔ کہہ دینا میرے لئے آسان ہے۔ لیکن سچ پوچھو تو بر مجھے پسند نہیں۔"

اکھشے نے جلدی سے کہا "دیکھو جوگیندر۔ کہیں اپنی ضد میں بنا بنایا کام نہ بگاڑ دینا۔ سب خوبیاں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح بھی ہو، تمھیں کے دل سے رنجش کا خیال دور کر دینا چاہیے۔ ویسے تو یہ کام دشوار کیا، تقریباً ناممکن ہے لیکن میری رائے کے مطابق چلوگے، تو کچھ دشوار نہیں۔"

جوگیندر نے کہا۔ "تم خواہ کچھ کہو، لیکن میں تو کمل نین کو کسی قدر پاگل سمجھتا ہوں۔ ایسے آدمی سے ناطہ جوڑتے ڈر محسوس ہوتا ہے۔"

یہی باتیں کرتے جب اکھشے اور جوگیندر بابو آنند چرن کے چائے کے کمرے میں پہنچے۔ تو انھوں نے دیکھا کہ تمنی دوسرے دروازے سے باہر جا رہی ہے۔ اکھشے سمجھ گیا کہ اس نے کھڑکی میں سے ہمیں آتے دیکھ لیا ہے۔ وہ قدرے ہنس کر بابو آنند چرن کے پاس بیٹھ گیا۔ اور پیالے میں چائے انڈیل کر بولا۔ "کمل نین جو کچھ کہتے ہیں۔ دل سے کہتے ہیں۔ اسی لئے اُن کی بات دل میں اُتر جاتی ہے۔ ان کی تقریر سے کس کا دل متاثر نہیں ہوتا؟"

بابو آنند چرن بولے۔ "واقعی اس میں بڑی قابلیت ہے۔"

"صرف قابلیت ہی نہیں" اکھشے نے کہا۔ "ایسا کردار کہیں دیکھنے میں نہیں آتا۔"

قدرے توقف کے بعد اکھشے نے کہا۔ "لیکن مجھے خوف ہے کہ ان کا عناصری جسم جلد ہی مٹ نہ جائے۔"

بابو آنند چرن گھبرا کر بولے۔ "کیوں، کیا ان کی صحت اچھی نہیں رہتی؟"

اکھشے نے کہا۔ "اچھی کیسے رہے گی؟ دن رات کام میں لگے رہتے ہیں۔ صحت کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔"

آنند چرن بابو نے کہا۔ "یہ تو بڑا ظلم ہے۔ اگر کمل نین بابو میرے پاس رہتے تو میں چند ہی دنوں میں ان کی صحت کو بہتر بنانے کا انتظام کر دیتا۔ اصل میں حفظانِ صحت کے کچھ اصول ہیں۔ جن میں سے اہم ....."

جوگیندر قطع کلام کرتے ہوئے بولا۔ "بابو جی، آپ کیوں اتنی فکر کرتے ہیں، کمل نین بابو بھلے چنگے ہیں۔"

بابو آنند چرن بولے "سنو جوگیندر! الحقیقت، جو کہتا کچھ غلط یا ناممکن نہیں۔ ہمارے ملک میں بہت سے آدمی چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں۔ کمل نین کو ابھی سے آگاہ کر دینا چاہئے کہ وہ صحت کی طرف سے غفلت نہ کرے۔"

جگت نے کہا "جی ہاں، میں انہیں آپ کے پاس بلا لاؤں گا۔ اگر آپ انہیں اچھی طرح سمجھا دیں تو شاید وہ سمجھ جائیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے جو آسو ریک دوا امتحان کے دنوں میں مجھے دیا تھا۔ وہ بڑا مفید ہے۔ جو لوگ ہمیشہ دماغی کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے اس سے بہتر دوا اور کوئی نہیں۔ اگر آپ ایک بار ان میں بولو...."

جوگیندر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بولا "جگت، تم بیٹھے رہو۔ میں جاتا ہوں۔"

(۴۳)

پہلے جب بابو آنند چرن کی طبیعت اچھی نہ تھی، تو وہ طرح طرح کی ڈاکٹری اور ویدک دواؤں کا استعمال کیا کرتے تھے۔ اب انہیں دواؤں کے استعمال کا اتنا شوق نہ رہا تھا۔ اب وہ کسی سے اپنی علالت کا ذکر تک نہ کرتے۔ بلکہ الٹا اسے چھپانے کی کوشش کرتے۔

ایک دن جب وہ بے وقت آرام کرسی میں لیٹے اونگھ رہے تھے۔ تو زینے پہ کسی کے آنے کی آہٹ سن کر نلنی سلائی کے سامان کو گود سے پھینک کر اپنے بھائی جوگیندر کو اطلاع دینے دروازے تک گئی۔ تو جوگیندر کے ساتھ کمل نین بابو آ رہے تھے۔ اسے بھاگ کر دوسرے کمرے میں جاتے دیکھ کر جوگیندر نے کہا "نلنی! ڈاکٹر بابو آئے ہیں۔ آؤ ان سے تمہارا تعارف کرا دوں۔"

نلنی ٹھہر گئی۔ کمل نین نے اس کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر نظر جھکائے ہوئے نمسکار کیا۔

اتنے میں آنند چرن بابو نے بیدار ہو کر نلنی کو پکارا۔ وہ ان کے پاس جا کر آہستہ سے بولی "کمل نین بابو آئے ہیں۔"

جوگیندر کے ساتھ کمل نین بابو کو کمرے میں دیکھ کر آنند چرن بابو گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ عورت

واحترام سے ان کا استقبال کیا۔ اور بانداز تفاخر سے کہا۔ "آج میری بڑی خوش قسمتی ہے۔ آپ نے میرے گھر پہ قدم رنجہ فرمایا۔" نی تم کہاں جاتی ہو۔ یہاں بیٹھو۔ کمل نین بابو یہ میری لڑکی ہے۔ ہم دونوں اس دن آپ کی تقریر سننے گئے تھے۔ سن کر طبیعت خوش ہوگئی۔ آپ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے۔ اسے ہم کبھی کھو نہیں سکتے۔ اور جو حقیقت نہیں ملا اسی کو گنوا سکتے ہیں۔ یہ نہایت گہری بات ہے۔ کیوں کہ حقیقت میں کسی چیز کو ہم نے اپنا لیا ہے۔ اور کون سی چیز ابھی اپنانے کے قابل ہے۔ اس کا پتہ اسی وقت چلتا ہے۔ جب وہ ہمارے ہاتھ میں نہیں رہتی۔ ڈاکٹر بابو! میری آپ سے ایک درخواست ہے۔ آپ کبھی کبھی یہاں آکر مجھ سے بات چیت کر جایا کریں تو مجھ پہ بڑا احسان ہو۔ ہم آجکل تقریباً باہر نہیں جاتے۔ اتفاق ہی سے کہیں آنا جانا ہوتا ہے۔ آپ یہاں آئیں گے مجھے اور اس لڑکی کو یہیں دیکھیں گے۔"

کمل نین شرم سے سمٹی ہوئی منی کے منہ کی طرف ایک نظر دیکھ کر بولے۔ "میں نے تقریر میں جو بڑی بڑی باتیں کہی ہیں۔ ان سے آپ مجھے متین [illegible] سمجھ بیٹھئے گا۔ اس دن سکول کے طلبا نے مجبور کیا اور مجھے پکڑ کر لے ہی گئے۔ اس لئے تقریر کرنی پڑی۔ میں کسی کے اصرار کو رد نہیں کر سکتا۔ لیکن میں وہاں ایسی تقریر کر آیا ہوں۔ کہ اب شاید دوبارہ مجھ سے اصرار نہ کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری تقریر بار بار سننے تو ان کی سمجھ ہی میں نہیں آئی۔ جوگیندر بابو! آپ بھی تو اس دن جلسے میں موجود تھے۔ آپ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھئے گا کہ میرا دل مضطرب نہیں ہوا۔"

جوگیندر نے کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکا۔ یہ میری کم فہمی کا قصور ہے۔ آپ اس کا برا نہ مانیں!"

بابو آنندچرن بولے۔ "سب باتیں سمجھنے کے لئے خاص عمر چاہئے۔"

کمل نین نے کہا "سب باتیں سمجھنے کی ضرورت بھی ہمیشہ نہیں ہوتی۔"

بابو آنندچرن نے کہا "مجھے آپ سے ایک بات کہنا ہے۔ قسمت نے آپ کو اس دنیا میں دھرم کا کام کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس لئے آپ اپنی جسمانی صحت کا بھی خیال رکھئے۔ جو

سمجھتے ہیں انہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اصل سرمائے کو کبھی ضائع نہ کریں۔ سرمایہ کھونے سے حفاظت کی طاقت بیکار ہو جاتی ہے۔"

بابو کمل نین نے کہا: "اگر آپ کو کبھی مجھے اچھی طرح سمجھنے کا موقعہ ملا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کسی چیز کو حقیر نہیں سمجھتا۔ میں اس دنیا میں بھکاری بن کر آیا ہوں۔ میں نے نیک آدمیوں کی خدمت کر کے اپنے جسم اور روح کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ میں اس طرح کی "نوابی" نہیں کرنا چاہتا کہ کسی کی تحقیر کر کے اپنا سب بنا بنایا کام بگاڑ لوں۔ جو شخص بنا نہیں سکتا اسے بگاڑنے کا بھی حق نہیں۔"

بابو آنند جیون نے کہا "بہت ٹھیک کہا آپ نے، اسی طرح کی کچھ باتیں اس دن تقریر میں بھی کہی تھیں آپ نے!"

اتنے میں جوگیندر نے کہا "آپ بیٹھئے۔ میں جاتا ہوں، ایک ضروری کام ہے۔"

بابو کمل نین بولے: "جوگیندر بابو! مجھے معاف کیجئے گا۔ میں باتوں میں کھو سا گیا تھا۔ اچھا تو میں بھی چلتا ہوں۔ کچھ دور تک آپ کا ساتھ رہے گا!"

"نہیں نہیں! آپ بیٹھئے" جوگیندر نے کہا "آپ میرے برتاؤ پر دھیان نہ دیجئے۔ میں کسی ایک جگہ دیر تک چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا۔ طبیعت ہی کچھ ایسی ہے۔"

آنند جیون بابو نے تائید کرتے ہوئے کہا "ہاں کمل نین بابو! آپ جوگیندر کے متعلق کچھ خیال نہ کیجئے۔ اس کی طبیعت بڑی عجیب ہے۔ اس کا آنا جانا اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ اسے باندھ کر بٹھلائے رکھنا بڑا مشکل ہے۔"

جوگیندر کے چلے جانے پر آنند جیون نے پوچھا "کہئے ابھی آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟"

کمل نین نے ہنس کر کہا "کہاں کا نام بتاؤں؟ کہیں اطمینان سے ٹھہرا ہوتا، تو بتا سکتا تھا۔ میری جان پہچان کے بہت سے لوگ ہیں۔ وہ جدھر چاہتے ہیں۔ مجھے کھینچ لے جاتے ہیں۔ مجھے بھی یہ بُرا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن انسان کو آرام و سکون سے رہنے کی بھی بڑی ضرورت ہے۔ اسی لئے جوگیندر نے اپنے مکان کے قریب ہی میرے لئے ایک مکان کا انتظام کر دیا ہے۔ اچھی آرام دہ جگہ ہے۔"

بابو آنند چرن یہ سُن کر بہت خوش ہوئے۔ لیکن نلنی کے چہرے کا رنگ یاس وغم سے تھوڑی دیر کے لئے متغیر ہو گیا۔ اس کے پاس والے مکان میں ہی سُشیل رہتا تھا۔

اتنے میں چائے تیار ہونے کی اطلاع سُن کر سب چائے پینے کے لئے نیچے آ گئے۔ بابو آنند چرن نے نلنی سے کہا "بیٹی! کمل نین بابو کو ایک پیالہ چائے دو۔"

"نہیں، معاف کیجئے" کمل نین نے کہا "میں چائے نہیں پیتا۔"

آنند چرن نے کہا "ایک پیالہ چائے پینے میں کیا حرج ہے۔ اگر چائے پینے کی عادت نہ ہو تو کچھ پھل اور مٹھائی کھا کر پانی پی لیں۔"

"نہیں، شکریہ!"

"آپ تو ڈاکٹر ہیں۔ آپ سے کیا کہوں؟ وہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ چار گھنٹے بعد جاگنے کے بعد تھوڑا سا گرم پانی پی لینا یا چائے پینا بہت مفید ہے۔"

کمل نین نے نلنی کے چہرے کی طرف دیکھ کر اندازہ کیا۔ وہ میرے چائے نہ پینے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ اس نے جلدی سے کہا "آپ جو کچھ دل میں سوچ رہی ہیں وہ ٹھیک نہیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کی اس میز سے نفرت کر رہا ہوں۔ میں پہلے بہت چائے پیا کرتا تھا۔ چائے کی خوشبو سے اب بھی میرا جی للچا اٹھتا ہے۔ آپ لوگوں کو چائے پیتے دیکھ کر میں لطف اٹھا رہا ہوں۔ لیکن یہ بات تو آپ جانتی ہوں گی کہ میری ماتاجی بے حد پرہیزگار ہیں۔ میرے سوا ان کا سچا ہمدرد اور کوئی نہیں۔ ان کے خیالات کے خلاف کوئی کام کر کے میں ان کے پاس کیونکر رہ سکتا ہوں؟ اس لئے میں نے چائے پینا چھوڑ دیا ہے۔ آپ لوگ چائے پی کر جو حظ محسوس کر رہے ہیں۔ اس میں سے مجھے بھی حصہ مل رہا ہے۔"

اس سے پہلے کمل نین کی بات چیت سے نلنی چڑ رہی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ کمل نین انہیں اپنے صحیح حالات نہیں بتا رہا۔ وہ صرف باتیں بنا کر خود کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن جب اس نے اپنی ماں کی بات کہی۔ تو نلنی عقیدت کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھے بغیر نہ رہ سکی۔ اور ماں کا نام لیتے ہی کمل نین کے چہرے پر جو ایک سہانا عقیدت

کا جذبہ عیاں ہوا۔ اسے دیکھ کر نلنی کا دل بے حد متاثر ہوا۔

اتنے میں بابو آنند چرن بولے: "اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی، تو آپ سے کبھی چائے پینے کے لئے اصرار نہ کرتا۔"

کمل نین نے قدرے مسکرا کر کہا: "میں نے چائے نہ پی — لیکن آپ کے محبت آمیز اصرار نے مجھے چائے سے زیادہ لطف دیا ہے۔"

کمل نین کے چلے جانے پر نلنی اپنے باپ کے ساتھ اوپر گئی۔ وہاں بیٹھ کر نلنی ایک ماہنامے سے اچھے مضامین منتخب کر کے باپ کو سنانے لگی۔ سنتے سنتے آنند چرن بابو کو نیند آ گئی۔ کچھ دن سے ان کے جسم میں کمزوری اور سستی سی آ گئی تھی۔

(۴۳)

کچھ ہی دنوں میں کمل نین اور آنند چرن بابو میں خاصا ربط ضبط ہو گیا۔ نلنی نے پہلے سمجھا تھا کہ کمل نین ایسے شخص سے صرف روحانی اور فلسفیانہ باتیں ہی سننے کو مل سکتی ہیں۔ وہ یہ بات سوچ ہی نہیں سکی کہ ایسے گیانی شخص کے ساتھ معمولی معاملات پر عام آدمیوں کی طرح باتیں بھی کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ کمل نین ہنسی مذاق کی باتوں سے عموماً قدرے دور دور ہی رہتے تھے۔

ایک دن کمل نین بابو، نلنی اور آنند چرن بابو سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں جوگیندر آ کر کسی قدر جوش میں بولا: "بابو جی، آپ کو معلوم نہیں، آج کل سماج کے کتنے ہی لوگ ہم کو کمل نین بابو کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کہنے لگے ہیں۔ اسی موضوع پر آج پردیپ سے میرا جھگڑا ہو گیا۔"

آنند چرن نے مسکرا کر کہا: "اس میں شرم کی کون سی بات ہے؟ جہاں سب گرو ہی گرو ہوں چیلا ایک بھی نہ ہو۔ اس جماعت میں شامل ہوتے مجھے ضرور شرم محسوس ہوتی ہے۔ وہاں نصیحت دینے کی گڑبڑ میں نصیحت حاصل کرنے کی امید نہیں ہوتی۔"

کمل نین نے کہا: "میں بھی آپ ہی کی جماعت میں ہوں۔ ہم لوگوں کی جماعت

چیلوں (شاگردوں) کی جماعت ہے۔ جہاں کہیں سے بھی یہ سیکھنے کی امید ہوتی ہے۔ ہم اپنی ٹھوڑی اٹھائے اس طرف دوڑنے لگتے ہیں۔"

جوگیندر نے مضطرب ہو کر کہا: "نہیں نہیں، یہ بات اچھی نہیں۔ کمل نین بابو! اس طرح کوئی آپ کا دوست یا ہمدرد نہ بن سکے گا۔ جو آپ کے پاس جائے گا اسی کو آپ کا چیلا کہا جانے لگے گا۔ یہ بات ہنسی میں اڑا دینے کی نہیں۔ نہ جانے آپ کیا کچھ کیا کرتے ہیں۔ یہ سب چھوڑ دیجئے۔"

"بتائیے میں کیا کیا کرتا ہوں؟"

"سُنا ہے آپ پرانا یام (ورزش) کیا کرتے ہیں۔ صبح سویرے دیر تک سورج کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ کھانے پینے میں طرح طرح کے پرہیز کرتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگوں سے الگ سے ہو گئے ہیں۔"

کمل نین نے ہنس کر کہا: "جوگیندر بابو! میں مانتا ہوں کہ دس آدمیوں میں مل کر نہ رہنا نقص ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ نقص مجھ میں نہ رہے۔"

اس کے بعد جوگیندر اور کمل نین میں دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر جوگیندر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کمل نین بابو کہ آپ میری باتوں کا برا نہ مانیں۔"

"لیکن آپ چلے کہاں؟ یوں بھاگنے سے کام نہ بنے گا۔"

"آج آپ کے ساتھ بہت باتیں ہوئیں۔ اب ذرا گھوم آؤں۔"

یہ کہہ کر جوگیندر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد نلنی سر جھکا کر میز پوش کی جھالریں لپیٹنے لگی۔ اس وقت اگر اس کا چہرہ دیکھا جاتا۔ تو اس کی آنکھوں میں ضرور آنسو بھرے ہوئے نظر آتے۔

نلنی نے اس روز کمل نین سے بات چیت کرتے کرتے اپنے دل کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ وہ کمل نین بابو کی تقلید کرنے، ان کے راستے پر چلنے کے لئے بے قرار ہو گئی تھی۔ رنج و غم کی ماری نلنی کو جب کوئی سہارا نظر نہ آتا تھا، اسی وقت کمل نین نے گویا اسے

ایک نئی دنیا کا پتہ بتا دیا۔ کچھ دنوں سے اس کا دل بیماریوں کی طرح سخت ریاضت کے لئے مضطرب تھا۔ جب اس نے کمل نین کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے لئے بڑی احتیاط اور ہر قسم کے پرہیز کا خیال رکھتے۔ بے نمک کھایا تو اسے اطمینان سا محسوس ہوا۔ اس کے دل پر ایک قسم کا سکون سا طاری ہو گیا۔ اس نے اپنی خواب گاہ سے چٹائی اور غالیچے کو ہٹا کر بستر کے پردے کو اوٹ میں کر دیا۔ اب اس کمرے کے فرش کو وہ خود پانی سے دھو کر صاف کرتی تھی۔ ایک گلدان میں کچھ پھول رکھے رہتے تھے۔ وہ غسل کر کے سفید کپڑے پہن کر اس کمرے میں آسن بچھا کر بیٹھتی تھی۔ کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے رہتے تھے۔ جس سے ہوا اور روشنی بے روک ٹوک آتی تھی۔ نلنی اس روشنی اور ہوا سے اپنے دل کو پاک و صاف کر کے ایشور کی یاد کیا کرتی تھی۔ آنند چرن بابو اس ریاضت میں نلنی کا پوری طرح ساتھ نہیں دے سکتے لیکن اس کے چہرے پر ایک قسم کی مسرت کا جو نشان دکھائی دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر بوڑھے باپ کا دل محبت سے لبریز ہو جاتا تھا۔ کمل نین کے آتے پر نلنی اور آنند چرن اسی کمرے میں فرش پر بیٹھ کر آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

جوگیندر ایک دم اس کے خلاف ہو گیا، وہ کہنے لگا "تم دونوں نے مل جل کر ریاضت سے اس خوفناک مکان کو مقدس بنا دیا ہے۔ میرے جیسے انسان کے لئے یہاں پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نہیں"

اس سے پہلے جوگیندر کی طنز آمیز باتوں سے نلنی کے دل میں غصے کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ اب آنند چرن بابو کبھی کبھی جوگیندر کی بات سے بگڑ بیٹھتے تھے۔ مگر نلنی کمل نین کے سلجھے بے تکلفی سے ہنستی بولتی تھی۔ اب نلنی نے اپنے دل کو محبت کے افکار و آلام سے۔ رنج و غم کے جھمیلوں سے نکال کر سکون کا راستہ تلاش کر لیا تھا۔ اس بارے میں وہ شرم و حیا کو بھی دل کی کمزوری سمجھنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی، کہ لوگ میرے اس نئے طریق کو دیکھ کر ہنسی اڑانے میں میری نقل اتارتے ہیں۔ اس کے باوجود اسے کمل نین پر جو اعتقاد و اعتماد تھا۔ اس نے دنیا بھر کو چھپا لیا۔ اور اب کسی کے مذاق اور تمسخر کی اسے پرواہ نہ تھی۔

ایک دن نلنی صبح سویرے اشنان اور پوجا پاٹھ سے فارغ ہو کر خلوت کدے کی کوٹھڑی کے سامنے خاموش بیٹھی تھی۔ کہ آنند چرن بابو اپنے ہمراہ کمل نین کو لئے اچانک وہاں آ گئے۔ اس وقت نلنی کے دل پر عجیب سکون و اطمینان طاری تھا۔ وہ احساس تسکین سے جھوم رہی تھی۔ اس نے پہلے کمل نین کو سر بسجود ہو کر پرنام کیا۔ اور پھر اپنے باپ کو پرنام کر کے دونوں کے قدموں کی خاک اپنی پیشانی پر لگائی۔

کمل نین حیرت ندامت سے ہو کر شرما گئے۔ آنند چرن نے کہا "آپ شرمائیے نہیں، نلنی نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

اس سے پہلے کمل نین بابو اتنے سویرے یہاں نہ آتے تھے۔ اس لئے نلنی نے بڑے اشتیاق سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ کمل نین نے کہا "کاشی سے ماں جی کی صحت خراب ہونے کی اطلاع آئی ہے۔ اس لئے آج شام کی گاڑی سے میں کاشی جانا چاہتا ہوں۔ شام سے پہلے پہلے یہاں کے تمام کام ختم کرنے چاہئیں، یہی سوچ کر آج اتنے سویرے آپ سب سے ملنے آیا ہوں۔"

آنند چرن نے کہا "اب میں آپ سے کیا کہوں۔ آپ کی ماتا بیمار ہیں۔ ایشور انہیں جلد صحت بخشیں۔ انہی چند دنوں میں آپ کی ملاقات سے ہمیں جو فیض ہوا ہے۔ اس قرض کے بوجھ سے ہم کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

کمل نین نے کہا "یہ تو آپ کا حسن اخلاق ہے۔ سچ پوچھئے تو آپ لوگوں نے مجھ پر جو کرم کیا ہے۔ اسے میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ ہمسائے کے ساتھ جو بہتر سے بہتر سلوک کیا جا سکتا ہے۔ وہ آپ نے کیا ہی ہے۔ اس کے علاوہ جن ضروری باتوں کے متعلق میں ایک عرصے سے دل ہی دل میں غور و فکر کیا کرتا تھا۔ انہیں آپ نے اپنے خلوص سے مکمل کر دیا ہے میرے جذبات اور میری امنگوں کو آپ کی زندگی میں آ کر پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ایک سہارا مل گیا ہے۔"

بابو آنند چرن بولے "ہمیں کسی چیز کی بڑی ضرورت تھی۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ضرورت ہے کس چیز کی۔ عین اسی وقت آپ نہ جانے کہاں سے آ گئے۔ آپ نہ آتے تو آپ

سے ملاقات نہ ہوتی، تو نہ جانے ہماری کیا حالت ہوتی۔ آپ کو پاکر ہم واقعی بڑے خوش ہوئے ہیں۔ ہم گھر سے باہر بہت ہی کم نکلتے ہیں۔ سبھا سوسائیٹیوں میں زیادہ نہیں جاتے۔ ہمیں جلسوں میں جاکر تقریریں سننے کا بھی شوق نہیں۔ ہم جانا چاہیں تو جا بھی سکتے ہیں لیکن نلنی کو لے جانا بڑا دشوار ہے۔ لیکن اس دن کی حیرت آپ سے کیا کہوں۔ جیسے ہی جوگیندر کے منہ سے سُنا، کہ آپ تقریر کریں گے۔ ہم دونوں بڑے اشتیاق سے ٹھیک وقت پر وہاں پہنچے۔ ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا۔ یہ ایک اچنبھا تھا۔ بالکل اچنبھا۔ آپ ان باتوں کو یاد رکھئے، اسی سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا، کہ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ ورنہ ایسا واقعہ پیش کیوں آتا؟"

کمل نین نے کہا "آپ بھی یاد رکھئے کہ آپ کے سوا میں نے اپنی زندگی کے گہرے راز کو کسی سے بھی نہیں کہا۔ سچ کو ظاہر کرنا ہی سچ کے متعلق بہترین تعلیم ہے۔ اسے ظاہر کرنے کی ضرورت مجھے آپ سے مل کر ہی معلوم ہوئی۔ اس لئے سمجھ لیجئے کہ مجھے آپ کی کس حد تک ضرورت تھی۔"

نلنی چپ چاپ دونوں کی گفتگو سُن رہی تھی، اور کھڑکی کی راہ سے آ کر جو دھوپ فرش پر پڑتی تھی۔ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب کمل نین جانے لگے۔ تو نلنی نے کہا۔ "خیال رکھئے گا، کہ آپ کی ماتا جی کے تندرست ہونے کی اطلاع ہمیں بھی مل جائے۔"

جب کمل نین اٹھ کھڑا ہوا، تو نلنی نے دوبارہ اسے ماتھا ٹیک کر پرنام کیا۔

(۴۴)

ادھر کئی دنوں سے اکھشے غائب تھا۔ کمل نین کے کاشی چلے جانے پر آج وہ جوگیندر کے ساتھ آنند چرن بابو کی چائے کی میز پر دکھائی دیا۔ اس نے نلنی کی محبت کا اندازہ لگانے کے لئے رمیش کو اچھا ذریعہ ڈھونڈ لیا تھا۔ جس بات کے لئے نلنی اکھشے سے چڑتی تھی اسی بات کے لئے رمیش اس پر فریفتہ ہوتا۔ آج اس نے دیکھا نلنی کے چہرے پر اطمینان و مسرت جھلک رہی ہے۔

اکھشے کو دیکھ کر اس کے چہرے کی بناوٹ میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ نلنی نے فطری

مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "آج آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی دئے۔"
اکھشے نے جواب دیا: "میں کیا روز دیکھے جانے کے قابل ہوں؟"
نلنی نے ہنس کر کہا: "اگر قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے ملنا جلنا ہی مناسب نہ سمجھا جائے۔ تو ہم میں سے اکثر کو تنہائی میں ہی رہنا پڑے۔"

جوگیندر نے کہا: "اکھشے نے سوچا تھا کہ ہم اکیلے معذرت کرکے ساری عزت خود ہی لوٹ لیں گے۔ لیکن نلنی نے ساری انسانی برادری کی طرف سے معذرت کرکے اکھشے کی اس امید پر پانی پھیر دیا۔ مگر اس معاملے میں مجھے ابھی کچھ کہنا ہے۔ ہمارے ایسے عام انسان ہی روز دیکھے جانے کے قابل ہیں۔ اور جو غیر معمولی انسان ہیں ان کا تو اتفاق ہی سے درشن ہونا اچھا ہے۔ اسی لئے وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں گھومتے اور غاروں میں رہتے ہیں۔ اگر وہ آبادی میں رہنے لگیں تو پھر اکھشے اور جوگیندر ایسے بالکل معمولی عام لوگوں کو جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ جانا پڑے۔"

جوگیندر کے طنز آمیز جملے نشتر کی طرح نلنی کے دل میں پیوست ہو گئے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموشی سے تین پیالوں میں چائے بنا کر ان تینوں کے سامنے رکھدی۔
جوگیندر نے کہا: "معلوم ہوتا ہے تم چائے نہ پیوگی؟"
وہ جوگیندر سے سخت جواب سننے کی امید رکھتے ہوئے بھی نہایت ملائم لہجہ میں بولی۔
"نہیں، میں نے چائے پینا ترک کر دیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے اب کے مستقل ریاضت شروع ہو گئی ہے۔ چائے کے پتوں میں شاید روحانی طاقت نہیں ہے۔ یہ کیا آفت ہے؟ میری بات مانو تو یہ سب ڈھونگ چھوڑ دو۔ اگر پیالہ بھر چائے پینے سے تمہارا یوگ ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ جانے دو۔ اس دنیا میں مضبوط سے مضبوط چیز بھی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ایسے سخت اصولوں کی پابندی سے سماج میں رہنا دشوار ہے۔"
یہ کہہ کر جوگیندر نے فوراً اٹھ کر اپنے ہاتھ سے ایک پیالے میں چائے بنا کر نلنی کے آگے رکھدی۔
اس نے چائے کے پیالے کو ہاتھ لگائے بغیر آنند چرن بابو سے کہا: "آج آپ نے صرف چائے ہی پی ہے۔ کچھ کھائیے گا نہیں؟"

آنند چرن بابو کا ہاتھ اور آواز کانپنے لگی۔ انہوں نے کہا: "بیٹی، میں سچ کہتا ہوں، مجھے اس میز پر کچھ کھانا پینا اچھا نہیں لگتا۔ جوگیندر کی باتیں دیر سے چپ چاپ سننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ کیا جانے اس بڑھاپے میں منہ سے کیا نکل جائے۔ جس کے لئے بعد میں پچھتانا پڑے۔"

نلنی نے باپ کی میز کے پاس کھڑے ہو کر کہا: "بابو جی، آپ ناراض نہ ہوں۔ بھیا مجھے چائے پلانا چاہتے ہیں۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ میں تو اس کا ذرا بھی برا نہیں مانتی۔ نہیں بابو جی، آپ ضرور کچھ کھائیے۔ خالی پیٹ سے آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔"

یہ کہہ کر نلنی نے ناشتے کی طشتری ان کے سامنے رکھ دی اور آنند چرن آہستہ آہستہ کھانے لگے۔ نلنی پھر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور جوگیندر کی بنائی ہوئی چائے پینے کے لئے تیار ہوئی۔

اکھشے نے جلدی سے اٹھ کر کہا: "معاف کیجئے۔ یہ پیالہ مجھے دے دیجئے۔ میرا پیالہ خالی ہو گیا ہے۔"

جوگیندر نے جھپٹ کر نلنی کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا۔ اور آنند چرن سے مخاطب ہو کر کہا: "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ معاف کیجئے۔"

بابو آنند چرن جواب نہ دے سکے۔ ان کی آنکھوں میں بھرے آنسو دیکھتے ہی دیکھتے ٹپ ٹپ گر پڑے۔

جوگیندر اکھشے کو ساتھ لئے آہستہ آہستہ وہاں سے چلا گیا۔ آنند چرن بابو ناشتہ کر کے اٹھے اور نلنی کا ہاتھ پکڑ کر، تھرتھراتے پاؤں سے اوپر کے کمرے میں چلے گئے۔

اسی دن کچھ رات گذرے ان کے پیٹ میں زور کا درد ہونے لگا۔ بے چارے بوڑھے آنند چرن درد سے بے قرار ہو کر تڑپنے لگے۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے معائنہ کر کے کہا۔ "ان کا معدہ بگڑ گیا ہے۔ ابھی بیماری ابتدائی حالت میں ہے۔ اس وقت یہ مغرب میں کسی صحت افزا مقام پر جا کر سال چھ مہینے رہیں۔ تو صحت بحال ہو سکتی ہے۔"

درد رفع ہونے اور ڈاکٹر کے چلے جانے پر آنند چرن نے نلنی سے کہا: "چلو، بہن، ہم کچھ دن کاشی ہی میں رہ آئیں۔"

اس وقت نلنی بھی یہی سوچ رہی تھی۔ کمل نین کے چلے جانے پر وہ اپنی ریاضت میں کمی سی محسوس کر رہی تھی، کمل نین یہاں ہوتا تھا، تو اسے پوجا پاٹ میں ایک خاص روحانی کیف کا احساس ہوا کرتا تھا۔ کمل نین کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ گویا اثر و تاثیر میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ان کے چہرے پر جو سکون آمیز مسرت جھلکتی رہتی تھی وہ اس کے دل کو مسحور کرنے کے لئے از بس کافی تھی۔ اسی لئے جب اس نے کاشی جانے کی تجویز سُنی، تو بڑے اشتیاق سے کہا: "ہاں بابو جی، وہیں چلئے۔"

دوسرے دن کہیں جانے کی تیاری کرتے دیکھ کر جوگیندر نے پوچھا: "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

آنند چرن نے کہا: "ہم مغرب کی طرف سیر کے لئے جا رہے ہیں۔"

"مغرب کی طرف کہاں؟" جوگیندر نے پھر سوال کیا۔

آنند چرن بولے: "گھومتے پھرتے کوئی جگہ پسند کر کے کچھ دن ٹھہر جائیں گے۔"

جوگیندر کو کاشی جانے کی بات بتاتے ہوئے انہیں حجاب سا محسوس ہوا۔

جوگیندر نے کہا: "میں اس بار آپ کے ساتھ نہ جا سکوں گا۔ میں نے ہیڈ ماسٹری کیلئے جو درخواست بھیج رکھی ہے اس کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔"

(۴۵)

رمیش دوسرے دن صبح ہی الٰہ آباد سے غازی پور لوٹ آیا۔ اس وقت سڑک پر بہت آدمی نہ تھے۔ کُہر کی وجہ سے راستے کا اگلا حصہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ رمیش موٹے کپڑے کا اوور کوٹ پہنے گاڑی میں بیٹھا اپنے گھر کی طرف چلا۔ نہ معلوم اس کا دل کیوں دھڑک رہا تھا۔

صدر پھاٹک کے پاس جا کر رمیش گاڑی سے اُترا۔ سوچا، گاڑی کی آواز سُن کر کملا ضرور برآمدے میں آ کر کھڑی ہو گئی ہوگی۔ رمیش اپنے ہاتھ سے کملا کے گلے میں پہنانے کے لئے الٰہ آباد سے ایک قیمتی چندن ہار لایا تھا۔ اسے کوٹ کی جیب سے نکال کر اس نے ہاتھ میں لے لیا۔

دروازے کے سامنے آ کر رمیش نے دیکھا، کہ موہن برآمدے میں بے خبر سو رہا ہے۔

گھر کے دروازے بند ہیں۔ وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اور زور سے پکارا: "موہن!"

اس نے سوچا تھا۔ اس پکار سے گھر کے اندر رہنے والی کی بھی نیند ٹوٹ جائے گی۔ لیکن اس کی یہ امید نقش بر آب ثابت ہوئی۔

جب دو تین بار پکارنے پر بھی موہن کی نیند نہ ٹوٹی تو آخر اسے ہاتھ سے ہلا کر جگانا پڑا۔ موہن آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ اور چند لمحے حواس باختہ سا کھڑا رہا۔ رمیش نے پوچھا۔

"بھوجی گھر میں ہیں؟"

موہن پہلے تو رمیش کی بات سمجھا ہی نہیں۔ اس کے بعد چونک کر کہا: "ہاں وہ گھر ہی میں ہیں۔" یہ کہہ کر وہ پھر لیٹنے کی تیاری کرنے لگا۔

رمیش نے باہر سے کواڑوں کو دھکا دیا۔ دھکا لگتے ہی دروازہ کھل گیا۔ اس نے اندر جاکر ایک ایک کمرہ چھان مارا۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تاہم ایک بار اس نے زور سے پکارا: "کملا!" کہیں سے کچھ جواب نہ ملا۔ باہر باغیچے میں اشوک کے درخت کے نیچے تک جاکر ڈھونڈ آیا۔ نوکروں کی رہائش کے کمروں اور اصطبل میں بھی کھوج آیا۔ لیکن کملا کہیں نظر نہ آئی۔ گلی میں دھوپ نکل آئی۔ کوے کائیں کائیں کرکے چاروں طرف اڑنے لگے۔ محلے کی دو تین عورتیں سروں پر گھڑے رکھے احاطے کے اندر والے کوئیں سے پانی بھرنے کے لئے آتی دکھائی دیں۔ سڑک کی دوسری جانب ایک چھوٹے سے مکان میں کسی ادھیڑ عورت نے گیت گاکر چکی پیسنا شروع کیا۔

رمیش نے پھر کوٹھی میں آکر دیکھا۔ موہن گہری نیند میں مدہوش ہے۔ وہ جھک کر دونوں ہاتھوں سے موہن کو جھنجھوڑنے لگا۔ اس کے منہ سے تاڑی کی بو آرہی تھی۔ بہت زور سے ہلانے جلانے پر موہن کے ہوش ٹھکانے آئے۔ وہ بڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ رمیش نے پھر پوچھا: "موہن! بھوجی کہاں ہیں؟"

"اندر ہیں!"

"اندر تو نہیں۔"

"کل تو یہیں آئی تھیں۔"

"یہاں آکر پھر کہاں گئی تھیں؟"

موہن منہ پھیلا کر رمیش کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں امیش آ پہنچا۔ وہ خوب چوڑے کنارے کی دھوتی پہنے اور چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

رمیش نے پوچھا: "امیش، تمہاری ماں جی کہاں ہیں؟"

"ہاں جی تو کل سے یہیں ہیں۔"

"تم کہاں تھے؟"

"ماں جی نے کل شام کو مجھے شردی ہتی بابو کے گھر تماشا دیکھنے کے لئے بھیجا تھا۔"

اس وقت گاڑی بان نے کہا: "بابو جی کرایہ؟"

رمیش فوراً اسی گاڑی پر سوار ہو کر چکرورتی کے گھر پہنچا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ سب گھبرائے ہوئے سے ہیں۔ رمیش نے سوچا شاید کملا بیمار ہو گئی ہے لیکن یہ بات نہ تھی۔ کل شام کے کچھ دیر بعد ہی سے اوما یکایک چلا کر رونے لگی۔ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سب ڈر گئے۔ سب لوگ اس کے علاج کے لئے حیران تھے۔ سب مصلحات آنکھوں میں کاٹی۔

رمیش نے سوچا — اوما کی بیماری کی خبر سن کر کل ضرور کملا یہاں آئی ہو گی۔ اس نے ڈپٹی سے کہا: "معلوم ہوتا ہے اوما کی اس بیماری ہی کی وجہ سے کملا بہت پریشان ہو گئی ہے۔"

ڈپٹی کو ٹھیک ٹھیک معلوم نہ تھا کہ کملا کل رات یہاں آئی تھی، یا نہیں۔ اسی لئے اس نے رمیش کی بات میں بات ملا کر کہا: "ہاں انہیں اوما سے بڑا پیار ہے۔ اسی لئے انہیں بڑی فکر تھی لیکن ڈاکٹر نے کہا ہے۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ جلد ہی اچھی ہو جائے گی۔"

اتنے میں رمیش کی نئی کوٹھی سے امیش بھی وہاں آ پہنچا۔ وہ بے روک ٹوک اندر آتا جاتا تھا۔ اس لڑکے سے ان پورنا بھی بڑی محبت سے پیش آتی تھی۔ ان پورنا اسے اپنے کمرے کی طرف آتے دیکھ کر اس خوف سے کہ اوما کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ فوراً باہر آ گئی۔

امیش نے پوچھا: "ماں جی کہاں ہیں؟"

ان پورنا سہمی ہوئی بولی: "کیوں، کیا تم ہی تو انہیں یہاں سے دوسرے مکان میں

لے گئے تھے ۔ شام کے بعد شورانی کو ان کے پاس بھیجنا تھا، لیکن بچی کو نہ جانے یکایک کیا ہو گیا ۔ اس لئے بھیج نہ سکی ۔"

امیش کا چہرہ اُتر گیا ۔ اس نے کہا :" اس مکان میں تو وہ نہیں !"

ان پورنا نے مضطرب ہو کر پوچھا :" کیا کہہ رہے ہو ؟ کل رات تم کہاں تھے ؟"

"ہاں سیلا نات مجھے وہاں نہیں رہنے دیا ۔ اس مکان میں جاتے ہی انہوں نے مجھے شری پتی کے یہاں تماشا دیکھنے بھیج دیا ۔"

" تمہاری عقل تو دیکھ لی ۔ موہن کہاں تھا ؟"

" موہن تو کچھ کہتا ہی نہیں ۔ کل وہ خوب تاڑی پی کر بے ہوش ہو گیا تھا ۔"

" جاؤ جلدی سے بابو کو بلا لاؤ ۔"

وپن کے آتے ہی ان پورنا نے کہا :" ہائے یہ کیا ہو گیا !"

وپن کا چہرہ زرد پڑ گیا ۔ اس نے گھبرا کر پوچھا :" کیا ہوا ؟"

" کملا کل اپنی کوٹھی میں گئی تھی ۔ آج وہاں تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی ۔"

" تو کل رات کو یہاں نہیں آئیں ؟"

" نہیں ۔ بچی کو بیمار دیکھ کر انہیں بُلانا چاہا تھا ۔ لیکن یہاں تھا کون جسے بھیجتی ؟ کیا رمیش بابو آ گئے ؟"

" انہیں اُس مکان میں نہ پا کر رمیش بابو یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ یہیں ہیں ۔ وہ بھی یہیں آئے ہوئے ہیں ۔"

" جائیے جائیے ۔ جلدی سے رمیش بابو کو ساتھ لے کر کملا کو ڈھونڈیئے ۔ امیا ابھی سوئی ہے ۔ اب وہ اچھی ہے ۔"

وپن اور رمیش پھر اسی گاڑی میں بیٹھ کر نئی کوٹھی میں پہنچے ۔ اور کملا کے بارے میں موہن سے جرح پہ جرح کرنے لگے ۔ بہت کچھ مغز کھپانے کے بعد جو خبر ملی وہ یہ تھی، کہ کل شام سے کچھ پہلے کملا اکیلی گنگا کی طرف گئی تھی ۔ موہن اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا ۔ لیکن کملا نے انعام کے طور پر ایک روپیہ دے کر اسے واپس پھیر دیا ۔ وہ پہرا دینے

کے لئے صدر پھاٹک پر آ بیٹھا۔ اتنے میں تاڑی بیچنے والا تاڑی کا گھڑا سر پر رکھے اُدھر سے گذرا۔ اس کے بعد دنیا میں کہاں کیا ہوا، یہ موہن نہ بتا سکا جس راستے سے کملا کو گنگا کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے موہن نے وہ راستہ دکھایا۔

رمیش، وپن اور اُمیش اوس سے بھیگے ہوئے کھیتوں کے درمیان کے راستے سے کملا کی تلاش میں چلے۔ امیش ہرن کے بے ماں کے بچے کی طرح بے چین ہو کر مضطرب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ گنگا کے کنارے پہنچ کر تینوں ٹھہر گئے۔ وہاں چاروں طرف میدان تھا۔ سفید ریت صبح کی دھوپ میں چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ کہیں کوئی انسان نظر نہ آتا تھا۔ امیش زور زور سے چلا کر پکارنے لگا: "ماں، تم کہاں ہو، ماں تم کہاں ہو؟"

صدائے بازگشت بھی فضا میں گونج کر رہ گئی کہیں سے کوئی جواب نہ ملا۔

تلاش کرتے کرتے اچانک اُمیش کی نظر کچھ فاصلے پر ایک چمکتی سی چیز پر پڑی۔ اس نے دوڑ کر نزدیک جا کر دیکھا۔ پانی کے قریب ایک سفید رومال میں بندھا ہوا چابیوں کا ایک گچھا ہے۔

"کیا ہے؟" کہتے ہوئے رمیش بھی وہاں آگیا۔ اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ کملا کی چابیوں کا گچھا ہے۔

جس جگہ وہ گچھا پڑا تھا، اس سے کچھ ہٹ کر نم آلود زمین پر گنگا کے پانی کی طرف جاتے ہوئے دو چھوٹے چھوٹے پاؤں کے گہرے نشان بھی تھے۔ نتھرے ہوئے پانی کی تہ میں کوئی چیز جھلک رہی تھی۔ نگاہ پڑتے ہی امیش نے اسے پانی سے نکال کر دیکھا تو سونے کی زنجیر تھی۔ کملا کو یہ زنجیر رمیش نے تحفۃً دی تھی۔

اس طرح جب گنگا کے پانی میں کملا کے اُترنے کے کئی نشان ملے تو امیش سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ "ماں۔ ماں!" کہہ کر گنگا میں جا گھسا۔ وہاں پانی کچھ زیادہ نہ تھا۔ امیش پاگلوں کی طرح بار بار پانی میں غوطہ لگا کر کملا کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے پانی کو گدلا کر دیا۔ رمیش پاگلوں کی طرح حیران و ششدر کنارے پر کھڑا تھا۔ وپن نے امیش سے کہا۔

"یہ کیا کرتے ہو؟ نکل آؤ۔"

امیش منہ سے پانی پھینکتے پھینکتے بولا۔" نہیں بھیا! میں پانی سے باہر نہ نکلوں گا۔ ہرگز نہ نکلوں گا۔ ماں، تم کہاں گئیں، مجھے بھی اپنے ساتھ کیوں نہ لیتی گئیں۔"

وپن ڈر گیا۔ لیکن امیش تو مچھلی کی طرح پانی میں تیرنا جانتا تھا۔ اس کے لئے پانی میں ڈوب کر خودکشی کرنا بیکار تھا۔ جب وہ غوطے لگاتے لگاتے تھک گیا، تو آخر پانی سے نکل آیا۔ اور کنارے کی ریت پر لوٹ کر رونے لگا۔

وپن نے بت کی طرح بے حس و حرکت رمیش کو ہاتھ لگا کر کہا: "رمیش بابو! چلئے یہاں کھڑے رہنے سے کیا ہوگا؟ پولیس میں اس کی اطلاع کرنی چاہئے۔ وہ لوگ بھی تلاش کریں، شاید کچھ پتہ لگ سکے۔"

ان پورنا کے گھر اس دن چولھا گرم نہ ہوا۔ دن بھر سب لوگ کملا کی جدائی کے صدمے میں ڈوبے رہے۔ ملاحوں نے ناؤ لے کر گنگا کے دھارے میں دور تک جال ڈال کر ڈھونڈا۔ پولیس والے بھی چاروں طرف تلاش کرنے لگے۔ اسٹیشن پر جا کر خاص طور پر تلاش کی گئی۔ کملا کے رنگ و روپ اور عمر کی کوئی بنگالی لڑکی رات کی گاڑی سے کہیں نہیں گئی۔

اسی دن دوپہر کے بعد چکرورتی آ گئے۔ کملا کا کئی دنوں کا حال اور حرکات و سکنات سن کر انہوں نے یہی سمجھا کہ کملا نے گنگا میں ڈوب کر خودکشی کرلی۔

شیلا نے کہا:" اسی لئے کل رات بچی اس طرح رونے لگی۔ جیسے اسے کسی طرح کی ہوا لگ گئی ہو۔ اس کی جھاڑ پھونک کرا لینی چاہئے۔"

بیچارہ رمیش غم و فکر کے مارے نیم جان ہو رہا تھا۔ اس کی دلی تمنائیں دل ہی میں رہ گئیں۔ وہ سر پہ ہاتھ رکھے کملا کی باتیں یاد کر کے مضطرب ہونے لگا— ایک دن یہ کملا گنگا کے دھارے سے نکل کر میرے پاس آئی تھی۔ اور پھر اسی گنگا کے دھارے ہی میں پوجا کے مقدس پھول کی طرح جا چھپی۔

جب سورج غروب ہوا تو رمیش پھر گنگا کے کنارے پر پہنچا۔ جہاں چابیوں کا

گچھا پڑا ملا تھا۔ وہاں کھڑا ہوکر وہ اس کے پاؤں کے نشانات کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے جوتا ... دھوتی کو گھٹنوں سے اوپر چڑھا لیا۔ پھر پانی میں داخل ہوا۔ اور ڈبے سے سونے کا چندن ہار نکال کر دھار میں پھینک دیا۔

رمیش ایکا یک غازی پور سے کہاں چلا گیا —۔ چکرورتی کے گھر والوں کو اس کی کوئی خبر نہ ملی — اب رمیش کے لئے دنیا میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے دل سے بار بار یہ لہر اٹھنے لگی، کہ اب میں کوئی کام نہ کروں گا۔ کہیں مستقل قیام نہ کروں گا۔ یونہی گھومتا پھروں گا۔ یہ بات نہیں، کہ اسے کملا کی یاد نہ آتی ہو۔ آتی ضرور تھی۔ لیکن اس نے اسے دل سے نکال دیا۔ اس نے اپنے دل سے کہا۔ میری زندگی میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے جس سے میری زندگی کی کشتی ٹکرا کر چور چور ہو گئی ہے۔ اس نے مجھے مدت مدید کے لئے کسی کام کے ناقابل بنا دیا ہے۔ بجلی سے جلا ہوا درخت باغ میں رہنے کی امید کیوں کرے۔

رمیش اب ایک جگہ نہ ٹھہر سکا۔ وہ ملک کے طول و عرض میں گھومنے کے لئے نکل پڑا۔ کسی جگہ بھی وہ زیادہ دن قیام نہ کرتا تھا۔ اس نے کشتی پر سوار ہو کر کاشی کے گھاٹ کی سیر کی۔ دہلی کے قطب مینار سے شہر کی رونق دیکھی۔ پھر آگرے جاکر چاندنی رات میں تاج محل کا نظارہ کیا۔ اس کے بعد امرتسر کے دربار صاحب کے درشن کر کے راجپوتانہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں کوہ آبو کے مندر کو دیکھا۔ اسی طرح اس نے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں کی سیر کی۔ لیکن اسے جس سکون کی تلاش تھی۔ وہ کہیں نصیب نہ ہوا۔

سیر و سیاحت سے تھکے ہوئے اس نوجوان کا دل اب گھر کے لئے مچلنے لگا۔ اس کے دل میں سکون بخش گھر کی پرانی یاد اور مستقل کے تسکین دہ گھر کا تصور بار بار چٹکی لینے لگا۔ آخر جب اس کا جی اس سیر و سیاحت سے بالکل اکتا گیا۔ تو ایک لمبی سانس لے کر اس نے کلکتے کا ٹکٹ لیا۔ اور ریل گاڑی میں سوار ہو گیا۔

کلکتے پہنچ کر رمیش کو دولہ کی اس گلی میں قدم نہ رکھ سکا۔ وہاں جاکر وہ نہ

جلدی کیا دیکھنے گئے تھے ؟... اس فکر نے اسے ادھر جانے سے روکے رکھا۔ اس۔ دل میں بار بار یہی شک پیدا ہونے لگا کہ وہاں بڑا بھاری تغیر سا ہو گیا ہے۔ ایک دن وہ اس گلی کے موڑ تک جا کر لوٹ آیا تھا۔ دوسرے دن صبح وہ اپنے آپ کو زبردستی کھینچ کر نلنی کے مکان کے سامنے لے گیا۔ دیکھا۔ گھر کے سب دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں۔ ایسے کوئی آثار نظر نہ آئے جن سے معلوم ہو کہ اندر کوئی موجود ہے۔ یہ سوچ کر کہ مکان کی نگرانی کے لئے اِم دھن ضرور ہو گا۔ رمیش نے اسے پکارا۔ اور بار بار پھاٹک کو دھکے دئے لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ ملا۔ ایک پڑوسی چندر موہن اپنے گھر کے باہر بیٹھا تمباکو پی رہا تھا۔ اس نے آواز پہچان کر کہا "کون؟ رمیش بابو؟ کہئے سب خیریت تو ہے؟ اس مکان میں تو آج کل کوئی نہیں!"

"کیوں، یہ لوگ کہاں گئے؟" رمیش نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"یہ تو میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ مغرب کی طرف گئے ہیں۔"

"کون کون گیا ہے؟"

"بابو آنند چرن اور ان کی لڑکی!"

"آپ ٹھیک جانتے ہیں، کہ ان کے ساتھ اور کوئی تو نہیں گیا؟"

"جی ہاں۔ جاتے وقت بھی میں نے انہیں دیکھا تھا۔ دو ایک باتیں بھی ہوئی تھیں" رمیش نے اضطراب آمیز لہجے میں کہا "میں نے کسی سے سُنا تھا کہ کوئی کمل نین بابو ان کے ساتھ ہیں۔"

اس نے آپ سے بالکل جھوٹ کہا کمل نین بابو اسی مکان میں جس میں پہلے آپ رہتے تھے بہت دنوں تک رہے لیکن ان لوگوں کی روانگی سے چند روز پیشتر ہی وہ کاشی چلے گئے تھے۔"

چندر موہن سے دریافت کرنے پر رمیش کو کمل نین بابو کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا، "ان کا نام کمل نین آپادھیائے ہے۔ پہلے وہ رنگ پور میں ڈاکٹر تھے۔ اب کچھ دنوں سے ماں کے ساتھ کاشی رہتے ہیں۔"

رمیش نے قدرے توقف کے بعد پوچھا: "تو جوگیندر آج کل کہاں ہے؟"

"جوگیندر بابو نودیپ کے ایک زمیندار کے جاری کردہ سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو کر دشنو پور چلے گئے ہیں۔" سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "ہاں رمیش بابو، آپ بہت دن کے بعد نظر آئے۔ اتنا عرصہ کہاں رہے؟"

رمیش نے بات چھپانے کی کوئی وجہ نہ دیکھ کر کہا: "وکالت کی غرض سے غازی پور گیا تھا۔"

"کیا اب وہیں رہیں گے؟"

"نہیں، وہاں رہنا مجھے پسند نہیں۔ لیکن ابھی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کہاں رہوں گا۔"

رمیش کے جاتے ہی اکھشے وہاں آ گیا۔ جوگیندر جاتے وقت اسے کبھی کبھی مکان کو دیکھتے رہنے کی تاکید کر گیا تھا۔ اکھشے صرف کام ذمہ داری سے نبھاتا ہے۔ اس میں بے دلی کا اظہار بھی نہیں کرتا۔ اسی لئے وہ مصروف رہنے کے باوجود کبھی کبھی رمیش کا مکان دیکھنے ضرور جاتا تھا۔ اور یہ جانچ پڑتال کرنے کے بعد کہ مکان کے دو چوکیداروں میں سے ایک بھی حاضر رہ کر پہرہ دیتا ہے یا نہیں، چلا جاتا۔

چندر موہن نے اکھشے سے کہا: "رمیش بابو ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔"

"واقعی! کیا کرنے آئے تھے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔ ہاں آنند چرن بابو کا حال پوچھتے تھے۔ وہ ایسے دبلے پتلے ہو گئے ہیں کہ انہیں یکایک پہچاننا مشکل ہے۔ اگر وہ دربان کو نہ پکارتے تو میں انہیں پہچان بھی نہ سکتا تھا۔"

"کچھ معلوم ہوا۔ آج کل رہتے کہاں ہیں؟"

"اب تک تو غازی پور میں تھے۔ اب وہاں نہیں رہیں گے۔ کہاں رہیں گے اس کا ابھی تک کچھ فیصلہ نہیں کیا۔"

"ہوں!" کہہ کر اکھشے اپنے کام میں لگ گیا۔

رمیش اپنی قیام گاہ پر آ کر سوچنے لگا ــــ عجب اتفاق ہے۔ ادھر میرے ساتھ کملا کا اور ادھر کمل مکند کے ساتھ نلنی کا ملاپ ہوا۔ یہ تو بالکل ناٹک کے سے واقعات

ہیں وہ بھی اپنا لکھا ہوا ناول! اس طرح اُلٹ پھیر کر دینا قسمت ہی کا کھیل ہے۔ دنیا میں وہ ویسے ہی کھیل رچایا کرتی ہے جنہیں کامیاب ناول نگار بھی قلمبند نہیں کر سکتے۔ اس نے سوچا۔ اب جب میں اپنی زندگی کی الجھنوں سے نکل گیا ہوں، تو غالب گمان یہی ہے کہ کاتب تقدیر اس ایسے چھوٹے ناول کے آئندہ ابواب میں میرے غم آگیں حالات کا ذکر نہ کرے گا۔

(۴۶)

وشنو پور کے زمیندار نے جوگیندر کے۔ بنگلے کے اپنے مکان کے پاس ہی ایک مکان دے رکھا تھا۔ اتوار کی صبح کو وہ اپنے گھر میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ کہ ایک آدمی نے آکر اسے ایک خط دیا۔ لفافے کے حروف دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ لفافہ کھول کر دیکھا۔ رمیش نے لکھا تھا — میں وشنو پور کی ایک دکان پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

جوگیندر ایک دم کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اگرچہ ایک دن وہ رمیش کو ذلیل و رسوا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ لیکن بچپن کے اس دوست کو ایسے دور دراز علاقے میں اور وہ بھی مدت کے بعد ملاقات کے لئے آتے دیکھ کر وہ اسے ناکام واپس نہ پھیر سکا۔ اس کا دل مسرت و اشتیاق سے لبریز ہو گیا خصوصاً جبکہ نلنی وہاں نہ تھی۔ تو رمیش کی طرف سے کسی ناشائستہ حرکت کا بھی اندیشہ نہ تھا۔

خط لانے والے کو ساتھ لے کر جوگیندر خود رمیش سے ملاقات کرنے چلا۔ دیکھا وہ ایک بنئے کی دکان میں ایک خالی صندوق پر چپ چاپ بیٹھا ہے۔ دکاندار نے برہمن کے حقے میں تمباکو بھر کر اسے دینا چاہا۔ لیکن یہ سن کر کہ وہ حقہ نہیں پیتے۔ انہیں شہر کی عجیب و غریب مخلوق میں شمار کیا۔ اور اسی لئے ان میں کوئی خاص بات چیت نہیں ہوئی۔

جوگیندر نے لپک کر جلدی سے رمیش کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا "تم مصیبتوں سے ہار گئے تم اپنی الجھنیں ساتھ لے کر چلتے بنے۔ خیر۔ لیکن اب تمہیں سیدھے میرے مکان پر آنا چاہئے تھا۔ یہ کیا، کہ یہاں مودی کی دکان پر گرد آلود اور گرمی کے درمیان مزے سے بیٹھ گئے۔"

رمیش جواب میں صرف مسکرا دیا۔ جوگیندر اسے ساتھ لے کر راستے میں باتیں کرتا ہوا

گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے کہا "مسٹر رمیش! جو قسمت میں لکھا ہو، وہ ہو کر ہی رہتا ہے... قسمت کا کھیل کوئی نہیں جان سکتا۔ اس نے جو مجھ کو شہر میں پیدا کر کے اتنا بڑا شہری بنا دیا تھا تو کیا اسی لئے کہ ایک دن میں ایسے ویران گاؤں میں مارا مارا پھروں"؟

رمیش نے چاروں طرف دیکھ کر کہا "کیوں، جگہ تو ایسی بُری نہیں"۔

"یعنی"

"یعنی یہی کہ یہاں سنسان...."

"اسی لئے میں اپنے ایسے آدمی کو یہاں سے ہٹا کر اس ویرانی کو ذرا سا اور بڑھانے کے لئے مضطرب رہتا ہوں"۔

"خیر کچھ ہو لیکن اطمینانِ قلب کے لئے"۔

"یہ باتیں مجھ سے نہ کہو۔ بہت دنوں سے ایسا "اطمینان" پا کر میرا ناک میں دم ہو رہا ہے۔ میں امکان بھر اس "سکون" کو توڑنے میں کمی نہیں اٹھا رکھتا۔ اسی تھوڑے سے عرصے میں سکریٹری سے ہاتھا پائی تک کی نوبت آچکی ہے۔ زمیندار صاحب کو میرے مزاج کا علم ہو گیا ہے۔ اب وہ یونہی میرے کاموں میں دخل دینے نہ آئیں گے۔ وہ میرے ذریعہ انگریزی اخبارات میں اپنی تعریفیں چھپوانا چاہتے تھے۔ لیکن میں آزاد فطرت آدمی ٹھہرا۔ میں نے یہ بات انہیں خوب ذہن نشین کر دی ہے کہ کوئی شخص مجھ پر دباؤ ڈال کر کام نہیں لے سکتا"۔

غرض راستہ بھر وہ اس قسم کی باتیں کرتا رہا۔ جوگیندر کے مکان پہنچ کر رمیش ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جوگیندر نے کہا "نہیں، ابھی نہیں بیٹھنے دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں صبح سویرے غسل کرنے کا مرض ہے۔ پہلے اس سے نبٹ لو۔ اتنے میں میں دیگچی آگ پر چڑھاتا ہوں۔ آج مہمان کی مہربانی سے دوسری بار چائے پینے کا موقعہ حاصل ہو گا"۔

اسی طرح بات چیت، کھانے پینے اور آرام کرنے میں دن گذر گیا۔ رمیش جو بات کہنے کے لئے یہاں آیا تھا۔ جوگیندر کی مسلسل باتوں نے اس کے کہنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد دونوں دوست دو آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ دور سے گیدڑوں کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ جھینگروں کی آواز سے اندھیری رات کی خاموشی میں ارتعاش

پیدا ہو رہا تھا۔

رمیش نے کہا: "جوگیندر! تم جانتے ہو، میں یہاں تم سے کیا کہنے آیا ہوں؟ ایک دن تم نے مجھ سے جو سوال کیا تھا، اس وقت اس کا جواب دینے کا مناسب موقع نہ تھا۔ اب اس کا جواب دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔"

یہ کہہ کر رمیش خاموش ہو گیا۔ اور پھر اس نے شروع سے آخر تک جو کچھ پیش آیا تھا حرف بحرف کہہ سنایا۔ اس دوران میں کبھی کبھی اس کا گلا بھر آتا۔ اور آواز کانپنے لگتی۔ وہ ایک جگہ دو ایک منٹ کے لئے رک بھی گیا۔ جوگیندر چپ چاپ اس کی داستان سنتا رہا۔

جب رمیش اپنی داستان ختم کر چکا، تو جوگیندر نے کہا: "یہ باتیں اگر تم اس دن کہتے تو میں یقین نہ کرتا۔"

رمیش نے کہا: "یقین کرنے کی جو وجہ اس وقت تھی، وہی اب ہے۔ اس سلسلے میں تم سے میری یہی درخواست ہے کہ ایک بار تمہیں اس گاؤں میں جانا ہوگا، جہاں میری شادی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں تمہیں کملا کے ماموں کے گھر بھی لے جاؤں گا۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں اسی کرسی پر بیٹھا تمہاری سب باتوں پر ناقابلِ شکست یقین کروں گا۔ میں نے کبھی تم پر بے اعتمادی نہیں کی۔ بدقسمتی سے ایک بار تم پر شک پیدا ہوا تھا۔ اس کے لئے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

یہ کہہ کر جوگیندر آرام کرسی سے اٹھ کر رمیش کے سامنے پہنچا۔ رمیش بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں بچپن کے دوست مدت کے بعد بڑی محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ رمیش کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا گلا بھر آیا۔ اس نے اپنی آواز کو حتی المقدور صاف کر کے کہا: "میں نہ معلوم کہاں بدقسمتی کے خطرناک جال میں جا پھنسا تھا۔ جس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ بن پڑتی تھی۔ اب میں اس سے نجات حاصل کر چکا ہوں۔ اب کسی سے چھپانے کی کوئی بات نہیں رہی۔ اس سے میری جان میں جان آئی ہے۔ لیکن کملا نے کیا جان کر کیا سمجھ کر خودکشی کر ڈالی۔ یہ مجھے آج تک معلوم نہیں ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر موت ہم دونوں کی زندگی کی اس کڑی گتھی کو کاٹ نہ دیتی، تو آخرکار ہم دونوں کی نہ جانے کیا

حالت ہوتی — ایک دن موت کے منہ سے جو کشتی باہر نکلی تھی، وہ ایک دن اسی موت کے منہ میں غائب ہو گئی۔"

"کملا نے یقیناً خودکشی کر لی ہے۔ یہ سمجھ کر ایک دم مطمئن نہ ہو جاؤ۔ خیر جو بھی ہوا، تمہارا ایک طرف کا جھگڑا تو صاف ہو گیا۔ اب میں کمل نین کی بات سوچتا ہوں۔"

اس کے بعد جوگیندر نے کمل نین کا ذکر چھیڑ کر کہا۔ "دیکھو رمیش! میں ایسے انسان کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اور جسے اچھا نہیں سمجھتا اسے پسند بھی نہیں کرتا۔ لیکن بہت لوگوں کی سمجھ کو میں اپنی سمجھ کے خلاف دیکھتا ہوں۔ کتنے ہی لوگ بے سمجھے بوجھے کسی کی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں۔ جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، اسی کو وہ پسند کرتے ہیں۔ اسی لئے مجھے نلنی کے متعلق بہت فکر اور تشویش ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ اس نے چائے پینا چھوڑ دیا ہے۔ مچھلی بھی نہیں کھاتی۔ طنز کی کوئی بات سن کر اس کی آنکھوں میں پہلے کی طرح آنسو نہیں آ جاتے، بلکہ وہ مسکرا کر خاموش ہو رہتی ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ آثار اچھے نہیں۔ لیکن میں خوب سمجھتا ہوں کہ اب تمہاری مدد سے اسے راہِ راست پر لانے میں مجھے دیر نہ لگے گی۔ اس لئے اب تیار رہو ہم تم دونوں مل کر اس سنیاسی کا مقابلہ کرنے چلیں گے۔"

رمیش نے ہنس کر کہا: "اگرچہ میں بہادروں میں شمار نہیں ہوتا۔ پھر بھی میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

"اچھا تو بڑے دن کی چھٹیاں ہونے دو۔"

"اس میں تو ابھی دیر ہے۔ اس وقت تک میں تنہا ہی مقابلہ کر دوں تو کیا حرج ہے؟"

"نہیں نہیں، یہ نہ ہوگا۔ تم دونوں کی شادی میں میں نے رخنہ اندازی کی تھی۔ اسی لئے میں اپنے ہاتھ سے اسے پھر استوار کر دوں گا۔ تم تو پہلے جا کر اس نیک کام میں میرا حصہ بھی اڑا دو گے۔ یہ میں نہیں ہونے دوں گا۔ چھٹیوں میں اب دس ہی دن تو باقی ہیں۔"

"تو میں اس عرصے میں ایک بار ——"

"نہیں نہیں، میں یہ باتیں سننا نہیں چاہتا۔ دس دن تمہیں میرے ہی یہاں رہنا ہوگا یہاں جھگڑا کرنے والے جو لوگ تھے۔ ان سب کو میں نے ایک ایک کر کے دفع کر دیا ہے۔

اب گپ شپ سے دل بہلانے کے لئے ایک دوست کی ضرورت ہے۔ ایسے موقعہ پہ میں تم کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اتنے دنوں سے شام کے وقت یہاں گیدڑوں ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس لئے تمہاری آواز مجھے نغمہ سے بڑھ کر پیاری معلوم ہوتی ہے؟

(۴۷)

چندر موہن سے رمیش کی خبر پا کر اکھشے کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ وہ سوچنے لگا ــــ کچھ معلوم نہیں ہوتا، معاملہ کیا ہے؟ رمیش غازی پور میں وکالت کرتا تھا اتنے دن تک چھپا رہا۔ اب ایسی کیا بات ہوگئی جس سے اسے وہاں پریکٹس چھوڑ کر اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کولوٹولہ تک آنے کی ضرورت پیش آئی۔ آنند چرن بابو کاشی میں ہیں، یہ خبر کسی نہ کسی ذریعے سے اسے مل ہی جائے گی۔ اور ضرور یہ وہاں اُن سے جا ملے گا؟

اکھشے نے دل میں فیصلہ کیا، کہ دو ہی ایک دن میں وہ غازی پور جا کر رمیش کا تمام حال معلوم کر آئے گا۔ اور اس کے بعد ایک بار کاشی جا کر آنند چرن بابو سے ملاقات کرے گا۔"

ایک دن اکھشے چپ چاپ کلکتے سے چلدیا۔ پورنماشی کے دن دوپہر کے بعد ہاتھ میں ایک بیگ لئے وہ غازی پور پہنچا۔ پہلے اس نے بازار میں تلاش کیا۔ اس نے کتنے ہی لوگوں سے دریافت کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر وہ کچہری کی طرف روانہ ہوا۔ بند ہونے کے وقت وہ پہنچا۔ چغہ پہنے ایک بنگالی وکیل گاڑی میں سوار ہو رہے تھے۔ اکھشے نے بڑھ کر ان سے دریافت کیا۔ جناب کوئی رمیش چندر چوہدری ایک نئے وکیل غازی پور میں آئے ہیں۔ کیا آپ ان کے مکان کا پتہ بتا سکتے ہیں؟"

اکھشے کو ان سے معلوم ہوا کہ اب تک وہ چکرورتی جی ہی کے گھر میں ٹھہرا تھا۔ معلوم نہیں اب وہاں ہے یا نہیں۔ اس کی عورت چند دن سے لاپتہ ہے۔ اندیشہ ہے کہ گنگا جی میں ڈوب کر نہ مر گئی ہو۔

اکھشے وہاں سے سیدھا چکرورتی جی کے مکان کی طرف چلا۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا جاتا تھا کہ اب رمیش کی چال کا پتہ لگتا جا رہا ہے۔ عورت مر گئی ہے۔ اب وہ بے روک ٹوک جا کر اپنی سچائی ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ نلنی کی موجودہ حالت سے اس

بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ وہ رمیش کی بات پر فوراً یقین کرے گی۔

چکرورتی سے جب اکھشے نے رمیش اور کملا کا حال دریافت کیا، تو چکرورتی کا غم اُمڈ پڑا۔ ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اور انہوں نے کہا "جب آپ رمیش بابو کے گہرے دوست ہیں تو آپ میری نیک سیرت کملا کو بھی طرح جانتے ہوں گے۔ کچھ ہی دنوں کی ملاقات میں یہ حالت ہوگئی تھی، کہ میں اسے اپنی بیٹی ہی سمجھنے لگا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا، کہ وہ دن کے لئے محبت پیدا کر کے میرے دل میں ہمیشہ کے لئے غم کی تیز آگ بھڑکا کر وہ اس دنیا سے چل بسے گی۔"

اکھشے نے اُداس منہ بنا کر کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا حادثہ کیونکر پیش آیا معلوم ہوتا ہے رمیش کملا سے اچھا سلوک نہ کرتا تھا؟"

"آپ بُرا نہ مانئے گا" چکرورتی جی بولے۔ "آپ کے رمیش کو میں آج تک پہچان نہیں سکا۔ یوں باہر سے تو وہ بڑا سیدھا سادہ ہے لیکن اس کے دل میں کیا باتیں بھری ہیں۔ وہ کیا سوچتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کملا ایسی عورت سے وہ کیوں کھنچا کھنچا رہتا تھا، یہ میں آج تک نہیں جان سکا۔ کملا ستی ساوتری تھی۔ میری لڑکی اور اس میں بہنوں کی سی محبت ہو گئی تھی۔ پھر بھی اس نے کبھی اپنے سوامی کے خلاف ایک بات بھی نہیں کہی۔ آخری دن تک وہ کملا کے منہ سے اس کے دکھ کی بات نہ سن سکی۔ میں قسمت کا ایسا ہیٹا نکلا، کہ الہ آباد چلا گیا۔ ورنہ کیا بھوجی مجھے چھوڑ کر جا سکتیں؟"

دوسرے دن صبح چکرورتی کو ساتھ لے کر اکھشے رمیش کا مکان دیکھتے ہوئے گنگا کے اس مقام کو بھی دیکھ آیا۔ گھر لوٹ کر اس نے چکرورتی سے کہا "دیکھئے صاحب، کملا نے گنگا میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔ اس بات کو آپ جتنا سچ سمجھتے ہیں میں اتنا نہیں سمجھتا۔"

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں؟" چکرورتی جی نے اضطراب آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ ہم لوگوں کو ان کی اچھی طرح تلاش کرنی چاہئے۔"

یکایک چکرورتی جوش میں آ کر بولے: "آپ ٹھیک کہتے ہیں، یہ کچھ غیر ممکن نہیں۔"

"یہاں سے کاشی قریب ہے۔ وہاں میرے ایک دوست رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کملا اُن

کے پاس پہنچ گئی ہو؟

چکرورتی جی نے قدرے پُر امید ہو کر کہا: "رمیش بابو نے تو میرے سامنے ان کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو کیا میں اب تک یونہی خاموش بیٹھا رہتا؟"

"تو ایک بار چلئے، ہم اور آپ دونوں کاشی چلیں۔ ادھر کا تمام علاقہ آپ کا دیکھا بھالا ہے۔ آپ اچھی طرح کملا کا پتہ لگا سکیں گے۔"

چکرورتی نے بڑے شوق سے اس تجویز کو منظور کیا۔ اکشے جانتا تھا کہ نلنی میری بات پر آسانی سے یقین نہ کرے گی اس لئے گواہ کے طور پر چکرورتی کو ساتھ لیتا گیا۔

(۴۹)

آنند چین بابو شہر سے باہر گھاٹ کے قریب ایک کرائے کے بنگلے پر ٹھہرے تھے کاشی پہنچتے ہی انہیں خبر ملی کہ کمل نین کی ماتا کلیانی کو پہلے صرف بخار اور کھانسی کی شکایت تھی، لیکن اب نمونیا ہو گیا ہے۔ وہ اس کو لے کے بنارس میں تھا۔ کی حالت نازک تھی ہر چند صبح اشنان ضرور کرتی تھیں۔ اسی لئے ان کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر گئی۔

نلنی دن رات کلیانی کی خدمت اور تیمارداری میں لگی رہتی تھی۔ اس کی کئی دنوں کی مسلسل اور بے تکان محنت اور کوشش کے بعد کلیانی کی حالت کچھ رو بصحت ہوئی۔ لیکن اب بھی وہ بہت کمزور تھیں۔ خود اٹھ بیٹھ نہ سکتی تھیں۔ اس سے پہلے وہ کسی کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا نہ کھاتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے سب کچھ بناتی تھیں۔ اب کمل نین ان کے لئے غذا تیار کرتا۔ کھانے کے بارے میں ماں کی تمام ٹہل خدمت کمل نین کو اپنے ہاتھ سے کرنی پڑتی تھی۔ اس سے کلیانی بے چین ہو کر کہنے لگتیں: "آہ! میں کیوں زندہ رہی؟ میری مٹی اٹھ جاتی تو اچھا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے ایشور نے تم لوگوں کو تکلیف دینے کے لئے ہی مجھے صحت عطا کی ہے۔"

کلیانی خود تو ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کی عادی تھیں لیکن وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ کوئی چیز ان کے نزدیک بے ترتیب رکھی جائے۔ گھر کی آرائش پر اُن کی نظر خاص طور سے رہتی تھی۔ نلنی کو کمل نین سے یہ بات معلوم ہوئی تھی، اس لئے وہ بڑی کوشش سے کلیانی کے چاروں طرف صفائی کا خاص اہتمام کرتی تھی۔ اور گھر بار کی سجاوٹ کا بھی خیال رکھتی تھی۔

وہ خود بھی سج دھج کر کلیانی کے پاس آتی تھی۔ اپنے بنگلے کی پھلواڑی سے روزانہ پھول توڑ کر لاتی۔ اور ان کو طرح طرح سے مریضہ کے بستر کے پاس سجا دیتی تھی۔

کمل بین نے ماں کی خدمت کے لیے ایک نوکرانی رکھنے کی کئی بار کوشش کی۔ لیکن ان کی ماں اس سے متفق نہ ہوئیں۔ چوکھا چوکا کرنے اور بازار سے سودا سلف لانے کے لیے ایک نوکرانی کی ضرورت تو تھی۔ لیکن وہ صرف اپنی خدمت کے لیے الگ نوکرانی رکھنا فضول سمجھتی تھیں۔

ان کی طبیعت میں بے حد نرمی تھی۔ انہیں چھوٹے چھوٹے بچوں سے بڑی محبت تھی۔ جب وہ علی الصبح گنگا کے گھاٹ پر اشنان کر کے دیوتا کی مورتی پر گنگا جل اور پھول چڑھاتی ہوئی گھر کو لوٹتیں تو راستے میں جو بھی چھوٹا بچہ مل جاتا۔ اسے کھلونا، مٹھائی یا پیسہ ضرور دیتیں۔ اس سے وہ بچے ان کے پیچھے پیچھے ان کے گھر تک آتے تھے۔ اور ان کے گھر کے سامنے اکثر کھیلتے رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر کلیانی دفور مسرت سے کھل اٹھتی تھیں۔

وہ خود تو تپسویوں کی سی زندگی بسر کرتی تھیں۔ ان کا سارا دن پوجا پاٹھ میں گذر جاتا دن بھر میں وہ تھوڑے سے دودھ اور کچھ پھل پر ہی گذارا کرتی تھیں۔ لیکن کمل بین کی ریاضت انہیں تکلیف پہنچاتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ میری تقلید میں وہ خواہ مخواہ پابندیوں کو برداشت کرے۔ وہ کہتی تھیں۔ مرد ان پابندیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

جب وہ بستر علالت سے اٹھیں۔ تو انہوں نے دیکھا کہ کمل بین کی ہدایت کے مطابق نلنی مختلف قواعد اور بندشوں کی نہایت سختی سے پابندی کر رہی ہے۔ اور بوڑھے آنند چرن بابو بھی کمل بین کی سب باتوں کو ایسی عقیدت کے ساتھ نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ جیسے لوگ رہبر کامل کی باتوں کو سنا کرتے ہیں۔

کلیانی کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ ایک دن انہوں نے نلنی کو بلا کر اور ہنس کر کہا۔ "بیٹی میں دیکھتی ہوں تم سب مل کر کمل بین کو اور بھی پاگل بنا ڈالو گے۔ اس کی یہ پاگل پن کی باتیں تم کیوں سنتی ہو۔ تمہاری عمر ابھی ہنسنے کھیلنے اور دنیا کا لطف اٹھانے کی ہے تپسیا کرنے کی نہیں۔ اگر تم یہ پوچھو میں خود ایسا کیوں کرتی ہوں۔ تو اس کی ایک وجہ ہے۔ میرے ماں باپ پوجا پاٹھ کے بڑے پابند تھے۔ بچپن ہی سے ہم سب بھائی بہن بھی اسی ماحول میں

پلے ساس لئے ہم تو اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور بڑھاپے میں بھی ان پابندیوں کو نبھائے چلے جاتے ہیں پھر اگر میں یہ سب کچھ چھوڑ دوں تو میرے کہنے کا اور کام بھی کیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تمہارے لئے نہیں۔ تمہاری تعلیم و تربیت کس طرح ہوئی ہے یہ میں جانتی ہوں۔ تم جو تپسیا کر رہی ہو، یہ زبردستی کر رہی ہو۔ اس سے کیا فائدہ بیٹی؟ تم اس جھمیلے میں نہ پڑو۔ تم دنیا داری کے طریقے سیکھو۔ لوگ اور تپ کا اتنا بکھیڑا آخر کس لئے؟ میرا کمل نین ہی اتنا بڑا ہو گیا۔ راج کب سے ہو گیا؟ وہ ان باتوں کو کیا جانے؟ کل تک تو وہ من ملنے کام کرتا پھرتا تھا۔ شاستر کی باتوں سے کوسوں بھاگتا تھا۔ مجھ ہی کو خوش کرنے کے لئے اس نے یہ سب کچھ اختیار کیا ہے۔ لیکن اب جو آثار نظر آتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن وہ سنیاسی ہو کر گھر سے نکل جائے گا۔ میں اسے بار بار سمجھاتی ہوں ——— بیٹا! بچپن سے تمہارا جو اعتقاد ہے اس پر قائم رہو۔ تب اس سے ناخوش نہ ہوں گی ——— وہ سن کر ہنس دیتا ہے۔ اس کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ سب باتیں چپ چاپ سن لیتا ہے۔ کوئی جواب نہیں دیتا۔"

دن کٹنے لگے۔ نلنی کے بال باندھتے باندھتے یہ سب باتیں ہوا کرتی تھیں نلنی جس طریقے سے بال سنوارتی تھی وہ کلیانی کو پسند نہ تھا۔ بال باندھنے اور چوٹی گوندھنے میں کلیانی بڑی ماہر تھیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں انہوں نے کہا: "میں جتنے طریقوں سے بال گوندھنا جانتی ہوں، تم اتنے نہیں جانتی ہو گی۔"

نلنی پر کلیانی کا پیار روز بروز بڑھنے لگا۔ وہ اس کے بال کھول کر اپنی مرضی کے مطابق باندھتی تھیں۔ پھر اپنے آبنوس کے صندوق سے اپنی پسند کی ساری نکال کر نلنی کو پہناتی تھیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کا بناؤ سنگھار کر کے خوش ہوتی تھیں۔ ایسا کرنے سے انہیں روحانی تسکین کا احساس ہوتا تھا۔ نلنی شروع ہی کلیانی کو اپنا سلائی کا کام دکھا جاتی تھی۔ کلیانی اسے ہر روز سلائی کے نئے نئے نمونے سکھاتی تھیں۔

(۴۹)

کلیانی کو پھر بخار ہونے لگا لیکن اس دفعہ زیادہ دن نہ رہا۔ ایک دن صبح کمل نین

نے ماتا کو پرنام کرکے ان کے پاؤں کی خاک اٹھاتے ہوئے کہا: "ماں، اب کچھ دن تمہیں مریضوں کی طرح ضبط اور پرہیز سے رہنا ہوگا۔ اس کمزوری کی حالت میں تم تپسّیا کیسے برداشت کرسکوگی؟"

کلیانی نے کہا: "میں مریضوں کی طرح ہوں اور تم جوگیوں کی طرح! تمہاری یہ باتیں اب زیادہ دن نہ چلیں گی۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اب تمہیں بیاہ کرنا ہی ہوگا۔"

کمل نین خاموش بیٹھا رہا۔ کلیانی نے کہا: "دیکھو بیٹا! اب یہ کمزور جسم زیادہ دن دنیا کی تکلیفیں برداشت نہ کرے گا۔ تمہیں دنیا داروں کی طرح دیکھ کر میں سُکھ سے مرسکوں گی۔ پہلے میرے دل میں یہ خواہش رہتی تھی، کہ کب میرے گھر میں ایک چھوٹی سی نئی بہو آئے گی۔ کب میں اسے اپنے ہاتھ سے سکھا پڑھا کر ہوشیار کروں گی۔ کب اسے اچھے اچھے کپڑے پہنا اوڑھا کر اپنی آنکھوں میں بٹھاؤں گی۔ لیکن اس بیماری میں پرماتما نے مجھے جھنجھوڑ کر ہوشیار کردیا ہے۔ اب میری زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ عناصر کے اس قید خانہ سے روح کا پنچھی کب اُڑ جائے، کوئی پتہ نہیں... آج ہوں۔ کل نہ ہوں گی۔ ایسی حالت میں چھوٹی سی بہو نہالے سر گلے باندھ جاؤں۔ تو تمہیں بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔ اس لئے میں چاہتی ہوں، کہ کسی نوجوان سلیقہ مند لڑکی سے شادی کرو۔ بخار کی شدت میں جب میں ان باتوں کو سوچتی تھی تو انہی افکار میں مجھے نیند نہ آتی تھی۔ میرے دل کی سب آرزوئیں پوری ہوچکی ہیں۔ بس یہی ایک خواہش باقی ہے کہ تمہاری دُلہن جلد گھر آئے۔ جب تک میری یہ تمنا پوری نہ ہوگی۔ میرے دل کو سکون حاصل نہ ہوگا۔ صرف اسی ایک کام کے لئے میں زندہ ہوں۔"

"لیکن ایسی لڑکی کہاں سے ملے گی، جو تمہاری مرضی کے مطابق چل سکے؟"

"تم اس کے لئے فکر نہ کرو۔ میں سب کچھ ٹھیک کرکے تم سے کہوں گی۔"

آج تک کلیانی کبھی بابو آنند چرن کے سامنے نہ آئی تھیں، شام سے کچھ پیشتر معمول کے مطابق آنند چرن بابو سیر کرتے ہوئے کمل نین بابو کے گھر آئے۔ تو کلیانی نے انہیں اندر بُلا بھیجا اور کہا: "آپ کی لڑکی بڑی نیک اور سلیقہ شعار ہے۔ اس سے مجھے بے حد پیار ہوگیا ہے۔ میرے کمل نین کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ وہ ہمہ صفت موصوف ہے۔ ڈاکٹری میں بھی

اس نے اچھا نام پیدا کیا ہے۔ آپ کو اپنی لڑکی کے لئے ڈھونڈنے پر بھی کیا ایسا اچھا ور جلد مل جائے گا ؟"

بابو آنند چرن نے فرطِ مسرت سے کہا: "اس بات کا خیال تک کرنے کی بھی میرے دل میں جرأت نہ ہوتی تھی۔ گویا کمل نین کے ساتھ میری لڑکی کا بیاہ ہو تو اس سے زیادہ میری خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا وہ ....."

"اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ آج کل کے لڑکوں کی طرح آزاد نہیں۔ وہ میری ہر بات مانتا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ میری کوئی بات نہ ٹالے گا۔ پھر اس میں دباؤ ڈالنے کی کوئی بات بھی نہیں۔ کون ایسا ہوگا جو آپ کی لڑکی کو پا کر فخر نہ کرے۔ میں اس کام کو جلد کر ڈالنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میری حالت اچھی نہیں۔ کوئی خبر نہیں کب اس دنیا سے اُٹھ جاؤں۔"

آنند چرن بابو اس رات خوش خوش گھر پہنچے۔ اور نلنی کو بلا کر کہا: "بیٹی! اب میں بڑھا پا ہے میرا جسم بھی روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی عارضہ لگے گھیرے ہی رہتا ہے۔ تمہارا بیاہ کئے بغیر چل دینے سے میری روح کو سکون نصیب نہ ہوگا۔ مجھ سے شرم نہ کرو۔ تمہارا باپ یا ماں جو سمجھو میں ہی ہوں۔ مجھ پر ہی تمہارا سب بوجھ ہے۔"

نلنی مضطرب نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ آنند چرن نے کہا: "تمہارے بیاہ کی بات چیت ایک ایسی جگہ ہو رہی ہے جسے سُن کر میرے دل میں مسرتوں کا چشمہ بہہ نکلا کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بعد اس میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔ آج کمل نین کی ماں نے خود مجھے بُلا کر اپنے بیٹے سے تمہاری شادی کی تجویز پیش کی ہے۔"

نلنی انتہائی شرم و حجاب سے سر جھکا کر نیچی نگاہ سے بولی: "نہیں نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" کمل نین سے بیاہ کی بات اسے ایکدم ناممکن معلوم ہوئی۔ کمل نین ایسا تھا تھا کیا کبھی شادی کر سکتا ہے ؟ یکایک باپ کے منہ سے یہ تجویز سُن کر نلنی شرم سے سکڑ گئی۔

بابو آنند چرن نے پوچھا: "کیوں نہیں ہو سکتا ؟"

"کمل نین بابو ــــــ کیا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے ؟" یہ جواب بھی بھلا کوئی جواب ہے۔

لیکن دلیل کی نسبت یہ کہیں زیادہ مؤثر ہے ؛

نلنی اب وہاں نہ ٹھہر سکی۔ اٹھ کر برآمدے میں چلی گئی۔ آنند چرن بابو سوچ میں ڈوب گئے، انہیں خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا، کہ ایسی رکاوٹ بھی پیش آسکتی ہے۔ بلکہ ان کا خیال تو یہ تھا، کہ کمل مین کے ساتھ شادی کی تجویز سن کر نلنی دل ہی دل میں خوش ہوگی، وہ اداس ہوکر شمعدان کی طرف دیکھنے اور عورت کی فطرت کے معمّے پر غور کرنے لگے۔

نلنی دیر تک تاریک برآمدے میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اس نے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا، باپ کو اداس منہ کئے سوچ میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر اسے بے حد قلق ہوا۔ اس نے فوراً باپ کے پیچھے جاکر ان کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے نرم وشیریں لہجہ میں کہا " بابو جی! چلئے، کھانا بہت دیر سے تیار پڑا ہے۔ ٹھنڈا ہو جائے گا "

آنند چرن بابو کٹھ پتلی کی طرح کھانے کے کمرے میں پہنچے۔ لیکن آج کھانا اچھی طرح نہ کھا سکے۔ نلنی کے بیاہ کی ایسی اچھی تجویز سن کر وہ بڑے خوش ہوئے تھے۔ لیکن نلنی کی طرف سے ایسا خشک جواب سن کر اس کی خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ ان کے دل سے یکایک یہ سوال اٹھا " تو کیا یہ اب تک رمیش کو نہیں بھولی ؟ "

آنند چرن کا معمول تھا، کہ کھانا کھاتے ہی سونے کے لئے چلے جاتے تھے۔ لیکن آج برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھ کر باغ کے سامنے والی سڑک کی طرف دیکھنے اور دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگے۔ نلنی نے مسکرا کر کہا۔

" بابو جی، یہاں نہایت سرد ہوا آرہی ہے، اب سونے کے لئے چلئے "

" تم سو جاؤ، میں ذرا ٹھہر کر سوؤں گا "

نلنی چپ چاپ ان کے پاس کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر کہا " بابو جی، آپ کو سردی لگ رہی ہے۔ نہ ہو تو کمرے میں چل کر بیٹھئے "

آنند چرن بابو اٹھے۔ اور کمرے میں جاکر چارپائی پر لیٹ رہے۔

دن کی دنیا میں رمیش کی بات سوچ کر نلنی اپنے آپ کو پریشان نہ کرتی تھی۔ کہ شاید اس سے میرے فرض کو بٹہ لگے۔ اسی لئے وہ آج تک اپنے دل میں پیدا ہونے والے جذبات

سے برسرِ پیکار رہی تھی۔ لیکن جب باہر سے اس پر کسی طرح کا دباؤ ڈالا جاتا تھا، تو اس کے دل کے پھپھولے پھوٹنے لگتے تھے۔ اور اسے قلبی اذیت ہوتی تھی۔ وہ اپنی آئندہ زندگی کو کس طرح بسر کرے گی، اس کا کوئی صاف راستہ اُسے دکھائی نہ دیتا تھا، آخر کمل نین کو گورو مان کر وہ ان کی نصیحتوں کے مطابق چلنے پر تیار ہوئی تھی۔ لیکن جوں ہی اسے بیاہ کی تجویز سنا کر اس کی دلی محبت کے بندھن کو توڑنے کی ذرا کوشش کی جاتی، تو وہ سمجھتی تھی کہ وہ بندھن کتنا مضبوط ہے۔ اس بندھن کو توڑنے کی ذرا سی کوشش ہوتے ہی نلنی تڑپ کر تمام دلی طاقت سے اس بندھن کو اور بھی مستحکم بنانے کی کوشش کرنے لگتی تھی۔ اسے مضبوطی سے پکڑ لیتی تھی۔

(۵۰)

کلیانی نے کمل نین سے کہا: "میں نے تمہارے بیاہ کی بات پکی کر لی ہے۔"

کمل نین نے مسکرا کر کہا: "بالکل ایک دم طے کر لی؟"

"نہیں تو کیا، میں کیا ہمیشہ زندہ رہوں گی؟ سنو، میں نے نلنی ہی کو پسند کیا ہے۔ ایسی اچھی لڑکی ڈھونڈنے پر بھی نہ ملے گی۔ اگرچہ رنگ ایسا گورا نہیں مگر....."

"نہیں ماں جی، میں گورے رنگ کے متعلق نہیں سوچتا۔ لیکن اس کے ساتھ بیاہ کیسے ہوگا؟"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ نہ ہونے کی تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

کمل نین کے لئے اس کا جواب دینا دشوار ہو گیا۔ نلنی جسے وہ اتنے دنوں سے گورو کی حیثیت سے اُپدیش دیتا آیا ہے۔ اس کے ساتھ یکایک بیاہ کی تجویز سن کر شرم و ندامت نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔

کمل نین کو خاموش دیکھ کر کلیانی نے کہا: "میں اس دفعہ تمہارا کوئی عذر نہ سنوں گی۔ میں اسے کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی کہ تم اس عمر میں سب کچھ چھوڑ کر کاشی میں تپسیا کرو۔ اب شادی کا جو بھی مہورت مقرر ہوگا، وہ ضائع نہ جائے گا۔"

کمل نین تھوڑے توقف کے بعد بولا: "لیکن ماں جی، میری ایک بات سن لو۔ اسے سن کر گھبرا نہ جانا۔ اس واقعہ کو نو دس ماہ ہو چکے ہیں، اب اس کے متعلق فکرمند ہونے کی ضرورت

نہیں۔"

کلیانی نے بے چین ہو کر کہا "جانے تم کیا کہو گے۔ لیکن تمہاری تمہید سُن کر ہی میرا دل کانپنے لگا ہے۔ خیر تم بتاؤ تو بات کیا ہے؟"

کمل نین نے کہا "اسی ماگھ کے مہینے میں اپنا سب سامان بیچ کر اور اپنے باغ والے مکان کو کرایہ پر دے کر میں رنگ پور سے روانہ ہوا۔ کچھ دور آ کر نہ معلوم میرے دل میں کیا خیال آیا، کہ میں نے ریل گاڑی کی بجائے کشتی کے ذریعے کلکتے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس لئے سیدھے گھاٹ پر پہنچ کر ایک بڑی کشتی پر سوار ہو کر چلا۔ دو دن کا راستہ طے کر کے ایک ٹیلے کے پاس کشتی کو ساحل سے باندھ کر نہا رہا تھا۔ اتنے میں یکا یک دیکھا کہ بھوپندر ہاتھ میں بندوق لئے سامنے کھڑا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے مسرت سے اچھل کر کہا "شکار کی تلاش میں آیا تھا، آج تو مجھے بہت اچھا شکار ملا ہے۔"

وہ اسی نواح میں کہیں ڈپٹی مجسٹریٹ تھا۔ اس وقت دورے پر تھا۔ اور خیمے سے نکل کر شکار کے لئے گھومتا ہوا اُدھر آ نکلا تھا۔ چونکہ بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ اس لئے وہ مجھے چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ مجھے ساتھ لے کر وہ دیہات کی سیر کرنے لگا۔ ایک دن دھرم پور نامی ایک گاؤں میں خیمہ نصب ہوا۔ دن کے تیسرے پہر ہم دونوں سیر کے لئے باہر نکلے۔ بستی بالکل پرانی اور چھوٹی سی تھی۔ ہم دونوں ایک کھیت کے پاس ایک پھوس کے جھونپڑے میں پہنچے۔ گھر کا مالک جلدی سے بیٹھنے کے لئے دو مونڈھے اُٹھا لایا۔ ٹوٹے ہوئے تخت پر اسکول کے مدرس پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے۔ سامنے زمین پر لڑکے بیٹھے ہاتھوں میں سلیٹیں لئے خوب شور مچا رہے تھے۔ گھر کے مالک کا نام تارنی چرن تھا۔ انہوں نے بھوپندر بابو سے میرا نام پوچھا۔ خیمے پر واپس آ کر بھوپندر نے مجھ سے کہا۔ "تمہارا نصیبہ اچھا ہے۔ تمہارے بیاہ کی بات ہو رہی ہے۔" میں نے کہا "کیسی بات؟"

بھوپندر بولا "یہ تارنی چرن سود خوار ہے۔ ایسا کنجوس اس دنیا میں ڈھونڈنے سے نہ ملے گا۔ اپنے یہاں اس نے اسکول کے لئے یہ جو جگہ دے رکھی ہے، وہ اس لئے کہ جب بھی کوئی نیا مجسٹریٹ آتا ہے۔ تو یہ اس کے سامنے اپنی ہمدردی عوام کے کارنامے پیش کر سکے۔

لیکن اسکول کے مدرس کو صرف کھانا دیتا ہے۔ اور رات کے دس بجے تک اس سے سود کا حساب کراتا ہے۔ کچھ مدد سرکار دیتی ہے اور کچھ رقم فیس سے وصول ہو جاتی ہے۔ اسی سے ماسٹر صاحب کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ تارنی کی ایک بہن پتی کے مرنے کے بعد کہیں آسرا نہ ملنے کے باعث اس کے پاس آ گئی۔ وہ حاملہ تھی، یہاں اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔ لیکن زچگی کی حالت میں اچھی طرح دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث غریب چل بسی، اس کی ایک اور بیوہ بہن تھی، یہ اس سے سارا کام کروا کر لونڈی کا خرچ بچاتا تھا۔ اسی نے لڑکی کو پالا پوسا۔ لیکن لڑکی کے کچھ سیانی ہوتے ہی موسی بھی چل بسی۔ جب سے وہ یتیم بچی برابر ماموں اور مامی کی خدمت کر کے ان کی جھڑکیاں کھانے لگی۔ اب وہ بیاہ کے قابل ہو گئی ہے۔ لیکن ایسی یتیم بچی کو کون بہو بنائے گا۔ خاص کر یہاں اس کے ماں باپ کو کوئی جانتا تک نہیں۔ یتیمی میں اس لڑکی کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس لیے گاؤں کے کچھ آدمی شک بھی کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ تارنی کے پاس بے حساب روپیہ ہے۔ لوگوں کی خواہش ہے کہ اس لڑکی کے بیاہ میں تارنی کا خوب روپیہ خرچ ہو، چار سال سے وہ برابر لڑکی کی عمر دس سال بتاتا آرہا ہے۔ مگر حساب سے اس کی عمر اس وقت چودہ برس سے کم نہ ہوگی۔ لڑکی کا نام کملا ہے۔ اور صورت اور سیرت میں بھی وہ کملا ہی کی مورتی ہے۔ ایسی حسین لڑکی میں نے تو نہیں دیکھی۔ اس گاؤں میں کسی پردیسی نوجوان برہمن کو دیکھ کر تارنی اس کے سامنے ہاتھ پیر جوڑتا ہے، کہ وہ اس سے شادی کر لے۔ اگر کوئی راضی ہو بھی جاتا ہے تو گاؤں کے لوگ لڑکی کے بارے میں کوئی بری بات کہہ کر اسے بھگا دیتے ہیں۔ اس لیے اب کی بار تمہارا نمبر ہے۔" میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر کہا کہ میں اس لڑکی سے بیاہ کروں گا۔" بھونیدر نے کہا "سچ سچ بتاؤ، تم تیار ہو؟" میں نے جواب دیا "سچ نہیں تو کیا میں تم سے کوئی جھوٹ کہتا ہوں؟" بھونیدر نے پوچھا "تو بات پکی ہوئی؟" میں نے کہا۔ "ہاں! بالکل پکی!"

اسی دن شام کو خود تارنی چٹو پادھیائے ہمارے خیمے میں آیا۔ اس نے ہاتھ

جوڑ کر مجھ سے کہا: "آپ کو مجھ پر احسان کرنا ہوگا۔ آپ لڑکی کو پہلے اپنی آنکھ سے دیکھ لیجئے۔ پسند نہ ہو تو دوسری بات ہے۔ لیکن میرے دشمنوں کی بات نہ سنئے۔" میں نے کہا: "دیکھنے کی ضرورت نہیں، آپ مہورت مقرر کیجئے۔" چنانچہ بات طے ہونے پر تیسرے دن شادی ہوگئی۔"

کلیانی نے چونک کر کہا: "شادی ہوگئی؟ پھر کیا ہوا!"

"ہاں ہوگئی:" کمل نین نے متانت سے کہا: "بہو کے ساتھ ناؤ پر سوار ہوکر میں پھر روانہ ہوا۔ جس دن ہم پہلے پہر میں کشتی پر سوار ہوا، اسی دن غروب آفتاب کے دو گھنٹے بعد نہ جانے کہاں سے آندھی آگئی۔ بات کی بات میں کشتی الٹ کر نہ جانے لڑھک گئی اور کیا ہوئی!"

"ناراین!" بے ساختہ کلیانی کے منہ سے نکلا۔ اور ان کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔

کمل نین پھر کہنے لگا: "کچھ دیر کے بعد جب ہوش آیا، تو میں نے دیکھا، میں دریا کے کنارے پڑا ہوں۔ لیکن کشتی یا کملا کا کوئی نشان نہ ملا۔ میں نے پولیس میں اطلاع دے کر بڑی تلاش کی لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔"

کلیانی کا چہرہ زرد ہوگیا۔ انہوں نے کہا: "خیر، جو ہونا تھا ہوگیا! اب میرے سامنے کبھی اس کا ذکر نہ کرنا۔ اس حادثہ کی بات سنتے ہی میرا دل کانپنے لگتا ہے۔"

کمل نین نے کہا: "یہ بات میں تم سے کبھی نہ کہتا۔ لیکن چونکہ تم بار بار بیاہ کے لئے ضد کرتی ہو، اس لئے کہنی پڑی۔"

"ایک مرتبہ ایسا حادثہ ہوگیا، تو کیا تم زندگی بھر شادی ہی نہ کروگے؟"

"کروں گا کیوں نہیں۔ لیکن اگر وہ بچ گئی ہو؟"

"تم پاگل تو نہیں ہوگئے؟ اگر وہ زندہ بچ گئی ہوتی۔ تو کیا تمہیں خبر نہ دیتی؟"

"اسے میرا پتہ کب معلوم تھا؟ وہ جانتی تک نہ تھی، کہ میں کہاں کا رہنے والا ہوں۔ اور میرا نام کیا ہے؟ اسے تو میرا چہرہ دیکھنے کا بھی موقعہ نہیں ملا۔ کاشی آکر میں نے نارنی چٹوپادھیائے کو ایک خط لکھا تھا، ان کے جواب سے معلوم ہوا کہ ابھی تک کملا کی کوئی خبر نہیں ملی۔"

"پھر؟"

"میں نے دل میں یہی فیصلہ کیا ہے، کہ پورے ایک سال تک اس کی راہ دیکھوں گا،

اگر اس عرصے میں اس کا پتہ نہ لگا، تو سمجھوں گا کہ وہ دنیا میں نہیں۔"

"سب باتوں میں تم یوں ہی دیر کر دیتے ہو۔ ایک سال تک راستہ دیکھنے کی ضرورت ؟"

"ایک سال پورا ہونے میں دیر ہی کتنی ہے؟ یہ اگہن ہے، پوس میں بیاہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ماگھ کے بعد پھاگن میں دیکھا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ لڑکی یہی ٹھیک رہی۔ میں نے لڑکی کے باپ کو زبان دے دی ہے۔"

"انسان صرف زبان دے سکتا ہے۔ لیکن اسے پورا کرنا ایشور کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی جو مرضی ہوگی، وہی ہوگا۔"

"بیٹا! تمہاری یہ داستان یاد آتے ہی اب بھی میرا جسم لرز اٹھتا ہے۔"

"یہ میں جانتا ہوں۔ کئی دن تک تمہارے دل میں یہی فکر لگی رہے گی۔ اسی لئے تو تمہارے سامنے ایسی باتیں چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔"

"بس تو اب اپنے آپ کو گویا مردہ سمجھتی ہوں۔ مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

(۵۱)

کملا جب گنگا کے کنارے پہنچی۔ تو موسم سرما کا آفتاب غروب ہوا ہی چاہتا تھا۔ اور دن بھر کی تکان سے چور ہو کر دامن مغرب میں پناہ گزیں ہونے کی فکر میں تھا۔ شام کے سکون پاش سورج دیوتا کو کملا نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ اس کے بعد گنگا جل سر پہ چھڑک کر اس نے پانی میں قدم رکھا۔ گھٹنوں تک پانی میں اتر کر اس نے انجلی میں پانی بھر کر گنگا جی کو جل اور پھول چڑھائے۔ پھر تمام بزرگوں کا تصور کر کے سر جھکایا۔ اس کے بعد سر اٹھاتے ہی اسے ایک اور شخص کا خیال آیا۔ جسے پرنام کرنا ضروری تھا۔ کسی وقت اس نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔

ایک رات جب وہاں کے پاس بیٹھی تھی، تو شرم کے مارے ان کے پاؤں کی طرف بھی نہ دیکھ سکی تھی۔ گھر میں انہوں نے دوسری عورتوں سے جو دو ایک باتیں کہی تھیں۔ وہ بھی اس نے گھونگھٹ میں شرم کے باعث نہ سنی تھیں۔ آج اس گنگا کے کنارے خیر آباد جگہ کھڑے ہو کر اس نے یک سوئی سے ان کی آواز، شان کا لب و لہجہ یاد کرنے کی بڑی کوشش

کی۔ لیکن بے سود!"

آدھی رات کے بعد اس کی شادی کی ساعت تھی۔ بہت رات تک بیدار رہنے کے باعث وہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ اس لیے اسے معلوم ہی نہ ہوا کہ وہ کہاں اور کب سو گئی؟ صبح بیدار ہو کر دیکھا — اس کی ایک سہیلی اسے جگا کر کھلکھلا رہی ہے۔۔ بستر پر اور کوئی نہ تھا۔ زندگی کے ان آخری لمحوں میں پرمیشور کو یاد کرنے کا، اس کا تصور باندھنے کا کوئی بھی ذریعہ نہ تھا۔ اس طرف بالکل تاریکی تھی۔ کوئی مورتی تھی، نہ کوئی آواز نہ نشان، جس سرخ کپڑے سے اس کی چادر کی گرہ باندھی گئی تھی، تارا چرن کی دی ہوئی اس حقیر ساڑھی کی قدر و قیمت کتنی زیادہ ہے، یہ بات کملا کو اس وقت معلوم نہ تھی۔ اسی لیے اس نے اسے حفاظت سے رکھا تھا۔

رمیش نے نلنی کو جو چٹھی لکھی تھی، وہ کملا کے آنچل میں بندھی تھی۔ وہ ریت پر بیٹھ گئی۔ اور اس چٹھی کو کھول کر شام کی ہلکی روشنی میں اس کا کچھ حصہ پڑھنے لگی۔ اس حصے میں اس کے سوامی کا نام و نشان لکھا تھا، کچھ زیادہ مفصل بات نہ تھی، صرف اسی قدر لکھا تھا۔ اس کے سوامی کا نام کمل نین چٹوپادھیائے ہے۔ پہلے وہ رنگ پور میں ڈاکٹری کرتے تھے۔ اب وہاں نہیں ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔ بس اتنا ہی، چٹھی کا باقی حصہ اسے تلاش پر بھی نہیں ملا۔ کمل نین! یہ نام اس کے دل پر امرت برسانے لگا۔

جیسے اس نام نے مجسم کی صورت اختیار کر کے اسے سینے سے لگا لیا ہو، کچھ دیر کے لیے وہ نشۂ محبت سے بے خود ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندی بہ نکلی جس نے اس کے دل کو رقت سے لبریز کر دیا۔ اس سے اس کے دل کا ناقابلِ برداشت درد و غم سکون پذیر سا ہو گیا۔ اس کا دل کہنے لگا — "یہ نہ تو ویرانہ ہے اور نہ تاریکی ہی ہے، میں دیکھ رہی ہوں کہ جو کچھ ہے وہ میرا ہی ہے؟"

اس وقت کملا نے ڈھارس باندھ کر کہا۔ "اگر میں ستی ہوں تو اسی زندگی میں ایک نہ ایک دن ان کے چرنوں کی دھول میری پیشانی کی زینت بنے گی۔ قسمت میرے راستے میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا نہ کرے گی۔ جب میں زندہ ہوں تو وہ بھی ضرور اس دنیا میں موجود

ہوں گے۔ انہیں کی خدمت کے لیے ایشور نے مجھے زندہ رکھا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے رومال میں بندھے ہوئے چابیوں کے گچھے کو وہیں پھینک دیا۔ رمیش کا دیا ہوا سونے کا ہار بھی گلے سے اُتار کر پانی میں پھینک دیا۔ اس کے بعد سیدھی مغرب کی طرف روانہ ہوئی۔

کہاں جائے گی کیا کرے گی، اس کا اس نے کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مجھے چلنا ہوگا، اب یہاں دم بھر بھی ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔

موسم سرما کے دن کو ختم ہوتے دیر نہ لگی۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ ریت کی سفیدی کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ آخر ماہ کی تاریک رات اپنے دامن میں ٹمٹماتے ستاروں کو کھیرے آہستہ آہستہ سانس لے رہی تھی۔

کملا کے سامنے غیر محدود تاریکی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اسے چلتے جانا ہے کہیں پہنچے گی بھی یا نہیں، یہ سوچنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

اس نے ندی کے کنارے کنارے ہی چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی لیے کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر راستے میں اس پر کوئی مصیبت نازل ہوگی، کوئی اس پر حملہ کرنا چاہے گا، تو اسے فوراً گنگا کی آغوش میں پناہ مل جائے گی۔

آسمان میں کہر نام کو نہ تھی، البتہ اندھیری راتنے چاروں طرف خاصی تاریکی کی قنات لگا دی تھی۔ لیکن کملا کے لیے یہ کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

آہستہ آہستہ رات گہری ہونے لگی۔ کھیتوں میں فصل ربیع لہلہا رہی تھی جس میں گیدڑ چلانے لگے تھے لیکن انسانی آواز کہیں سنائی نہ دیتی تھی۔ بہت دور تک ریت پر چلنے کے بعد کملا پکی سڑک پر پہنچی۔ ندی کے قریب ہی ایک گاؤں دکھائی دیا۔ کملا نے کانپتے ہوئے دل سے گاؤں کے قریب آکر دیکھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہے۔ بستی کے سب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ وہ ڈرتی ہوئی گاؤں کے باہر نکل گئی۔ لیکن اب اس میں چلنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ وہ ایسی جگہ جا پہنچی۔ جہاں سے آگے بڑھنے کا کوئی ٹھیک راستہ معلوم نہ ہوا۔ تھکی ہوئی تو تھی۔ پاس ہی ایک برگد کے نیچے لیٹ گئی۔ اور لیٹتے ہی گہری نیند میں

کھو گئی۔

صبح سویرے آنکھ کھلی، تو دیکھا، کرشن پکش کے چاند کی ہلکی روشنی سے اندھیرا کم پڑ گیا ہے۔ ایک ادھیڑ عورت اس کے سامنے کھڑی اس سے پوچھ رہی ہے "تم کون ہو، سردی کی رات میں اس درخت کے نیچے کون پڑی ہے؟"

کملا چونک کر اٹھ بیٹھی، دیکھا، قریب ہی گھاٹ پر دو ڈونگے بندھے ہیں۔ وہ ادھیڑ عورت اور لوگوں کے جاگنے سے پہلے ہی اشنان کرنے آئی ہے۔

عورت نے کہا "تم تو بنگال کی رہنے والی معلوم ہوتی ہو؟"

"ہاں، میں بنگالن ہوں؟"

"یہاں کیوں پڑی ہو؟"

"میں کاشی جانے کے لئے گھر سے نکلی ہوں۔ چلتے چلتے تھک گئی۔ رات بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ نیند آئی تو یہیں سو گئی؟"

"ارے باپ رے! تم پیدل ہی کاشی جا رہی ہو! اچھا اس کشتی پر چل کر بیٹھو، میں ابھی نہا کر آتی ہوں"

نہانے کے بعد وہ عورت آکر کملا سے باتیں کرنے لگی۔

غازی پور میں جن شری پتی بابو کے یہاں بڑی شان و شوکت سے شادی ہوئی تھی وہ اس کے رشتہ دار ہیں۔ اس عورت کا نام نہا مایا ہے۔ اور اس کے سوامی کا نام مکند لال دت ہے۔ وہ کچھ دنوں سے کاشی گیا ہوا ہے۔ یہ اپنے رشتہ دار کے دعوت نامے کو رد نہ کر سکے تھے۔ اور یہ دو کشتیاں اس لئے لے گئے تھے کہ ان کے گھر کھانا نہ پڑے۔ شری پتی کی بیوی کے اصرار پر نہا مایا نے کہا تھا ــــ جانتی تو ہو، ان کی طبیعت خراب رہتی ہے۔ بچپن ہی سے ان کی عادت کچھ اور قسم کی ہے۔ گھر کی گائے کے گھی میں ان کے لئے پوری اور ترکاری بنائی جاتی ہے ــــ اور اس گائے کو بھی ایسی ویسی چیزیں نہیں کھلائی جاتیں، وغیرہ،

پھر نہا مایا نے کملا سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"کملا۔"

"تمہاری مانگ میں سیندور ہے، گویا تم سہاگن ہو!"

"بیاہ کے دوسرے ہی دن میرے سوامی غائب ہو گئے۔ مجھے معلوم نہیں وہ کہاں چلے گئے؟"

"ہے رام! یہ کیا ہوا؟ تمہاری عمر تو ابھی زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔" پھر سر سے پیر تک کملا کو غور سے دیکھ کر کہا: "پندرہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔"

کملا نے کہا: "ٹھیک ٹھیک تو نہیں جانتی، کہ میری عمر کتنی ہے۔ شاید پندرہ ہی برس کی ہو۔"

"تو تم برہمن کی لڑکی ہو؟"

"ہاں!"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"سسرال تو میں گئی نہیں، میرے باپ کا گھر جگدیش پور ہے۔"

"تمہارے ماں باپ؟"

"کوئی بھی نہیں!"

"ہرے رام! تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"کاشی میں اگر کوئی شریف النفس شخص مجھے گھر میں نوکر رکھ کر کھانا کپڑا دینا منظور کرے گا تو خوشی سے ان کے گھر کا کام کاج کر دوں گی۔ میں کھانا بنا سکتی ہوں۔"

مہا مایا بلا تنخواہ باورچن براہمنی پاکر دل ہی دل میں بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی: "مجھے تو رسوئیے کی ضرورت ہے نہیں، نوکر چاکر، رسوئیا سب گھر پر موجود ہیں لیکن میں جیسا رسوئیا چاہتی ہوں، ویسا نہیں ملتا۔ جب گھر کے مالک کے لئے وقت پر کھانا تیار نہ ہوا، کھانے میں گڑبڑ ہوتی ہی رہی۔ تو رسوئیا رکھنے سے فائدہ ہی کیا؟ برہمن کو چودہ روپیہ ماہانہ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کھانا کپڑا الگ! خیر، تم برہمن کنیا ہو، قسمت کے پھیر سے مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہو۔ کسی اور جگہ کیا جاؤ گی؟ چلو میرے یہاں چلو۔ کتنے ہی لوگ کھاتے پیتے

ہیں۔ کتنا ہی یونہی پڑا رہ جاتا ہے۔ ایک آدمی کے اضافے سے میرا کیا خرچ بڑھ جائے گا۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوگا۔ میرے گھر کام بھی کچھ زیادہ نہیں، وہاں ہیں اور میرے سوامی، بس یہی دو ہستیاں ہیں۔ لڑکیوں کی شادی ہو گئی ہے۔ وہ اچھے گھرانوں میں بیاہی گئی ہیں۔ میرے ایک ہی لڑکا ہے۔ وہ سراج گنج میں حاکم ہے۔ لاٹ صاحب کے یہاں سے ہر دوسرے مہینے اس کے نام چٹھی آتی ہے۔ میں ان سے کہتی ہوں، میرے لال کو کس بات کی کمی ہے، جو وہ کسی دوسرے کی تابعداری کرے گا۔ اتنا بڑا عہدہ سب کو نہیں ملتا۔ یہ میں جانتی ہوں۔ پھر بھی اسے پردیس میں رہ کر تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے، وہ کہتے ہیں تم عورت ہو، تم نہیں سمجھتیں، کیا میں نے روپیہ کمانے کے لئے اسے ملازمت کا مشورہ دیا ہے، نہیں، مجھے کیا کمی ہے؟ ایشور نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہاتھ میں کچھ کام ضرور رہنا چاہئے۔ ابھی اس کی کچی عمر ہے۔ کیا جانے کب اس کے خیالات اور حالات کیا ہوں؟"

آخر مہا مایا اور کملا دونوں ایک کشتی پر سوار ہو کر کاشی کی سمت روانہ ہوئیں۔ ہوا موافق تھی۔ کاشی پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ شہر سے باہر ایک چھوٹے سے باغ میں ایک دو منزلہ مکان تھا۔ دونوں اندر چلی گئیں۔

وہاں چودہ روپیہ ماہانہ پانے والے رسوئیے کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ایک معمولی برہمن کچھ دن سے اس کے یہاں تھا ضرور، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک دن مہا مایا نے اس پر غصے کے مارے آگ بگولہ ہو کر تنخواہ دئے بغیر ہی اسے نکال دیا۔ جب تک چودہ روپیہ ماہانہ پانے والا نیا رسوئیا نہ ملے اس وقت تک کملا ہی کو رسوئی بنانے کا بار اٹھانا پڑا۔

مہا مایا نے بار بار کملا کو سمجھاتے ہوئے کہا "دیکھو بیٹی! کاشی شہر اچھی جگہ نہیں، یہاں چور، بدمعاش، ٹھگ، لفنگے بہت ہیں۔ ابھی تمہاری عمر بہت کم ہے۔ گھر سے باہر کہیں نہ جانا، جب میں گنگا اشنان اور شری وشوا ناتھ جی کے درشن کرنے جاؤں گی تو تمہیں بھی ساتھ لے چلوں گی۔"

کملا کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس خیال سے مہا مایا نے اسے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے اپنے یہاں رکھا۔ وہ اسے گھر سے باہر کہیں جانے نہ دیتی۔ عورتوں سے بات چیت کرنے کا بھی اسے موقعہ نہ دیا جاتا۔ دن کے وقت تو کام ہی کچھ کم نہ کرنا پڑتا تھا۔ کام کرتے کرتے کملا کو دم لینے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ شام کو کچھ دیر تک مہا مایا اپنی امارت و ثروت کے گیت گا گا کر اسے سناتی رہتی۔ وہ اپنے جواہرات کا ڈبہ، قیمتی زیورات، سونے چاندی کے برتن، اور مخمل کے کامدار کپڑے اور دوسرا بیش قیمت سامان چوروں، ڈاکوؤں کے خوف سے کاشی نہیں لائی۔ دہلی میں ان کے بڑے بڑے مکان ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ کملا کو اپنے پاس بٹھا کر وہ یہی داستانیں چھیڑ دیتی۔

(۵۲)

مہا مایا کی پناہ میں رہ کر کملا کا دل اس طرح تڑپنے لگا۔ جیسے تھوڑے پانی والے گندے حوض میں مچھلی تڑپا کرتی ہے۔ وہ کسی طرح یہاں سے باہر نکلے تو اس کی جان بچے۔ لیکن وہ باہر کس کے پاس جا کر رہے گی۔ اس اندھیری رات کو گھر سے باہر نکلنے پر اسے معلوم ہو گیا تھا، کہ باہر کی دنیا میں کیا ہے۔ اسی لئے اب وہ آنکھیں بند کر کے باہر نہیں جانا چاہتی تھی۔ کچھ یہ بات نہیں، کہ مہا مایا کملا کو چاہتی نہ ہو، لیکن اس کی چاہ میں رس نہ تھا صرف خود غرضی بھری تھی۔

ایک دن کے لئے جب کملا بیمار ہوئی تھی۔ تو مہا مایا اس کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ دوا دارو اور پانی وغیرہ دیتی رہی۔ لیکن کملا احسان کا یہ بوجھ نہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ کام کاج میں مصروف رہنا اچھا سمجھتی تھی۔ اس کا جو وقت مہا مایا کی صحبت میں گذرتا تھا۔ وہی اسے سب سے بڑھ کر تکلیف دہ معلوم ہوتا تھا۔

ایک دن مہا مایا نے کملا کو بلا کر کہا "آج سرکار کی طبیعت اچھی نہیں، بھات نہ بناؤ۔ آج وہ روٹی کھائیں گے۔ گھی اندازے سے خرچ کرنا۔ تم تیل اور گھی زیادہ خرچ کر ڈالتی ہو پھر بھی تمہارے ہاتھ کے کھانے میں کچھ لذت نہیں ہوتی۔ تم سے تو بھانو ہی اچھا تھا۔ وہ تھوڑے ہی گھی سے کام چلا لیتا تھا۔ اور اس کے باوجود اس کے بنائے ہوئے کھانے سے گھی کی خوشبو

آتی تھی۔ بہت کمی خرچ کرنے سے رسوئی اچھی نہیں بنتی۔"

کملا ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا کرتی تھی، جیسے کچھ سنتی ہی نہ ہو۔ چپ چاپ گھر کا کام کرتی رہتی تھی۔

اس دن اپنی بے عزتی کے متعلق دل ہی دل میں غور کرتی ہوئی کملا چپ چاپ ساگ کاٹ رہی تھی۔ اسے تمام دنیا زہر سے بھری ہوئی اور اپنی زندگی ایک بوجھ سا معلوم ہو رہی تھی۔ اتنے میں جہا مایا کے کمرے سے ایک آواز اس کے کان میں پڑی۔ وہ چونک اُٹھی۔

جہا مایا اپنے نوکر کو پکار کر کہہ رہی تھی۔ "ارے تلسی، جا شہر سے ڈاکٹر کمل نین کو جلدی سے بلا لا۔ ان سے کہنا، سرکار کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

کمل نین کا نام کملا کے دل میں ستار کی جھنکار کی طرح گونجنے لگا۔ وہ ساگ ایک طرف رکھ کر دروازے کے قریب آکھڑی ہوئی۔ تلسی کے نیچے آتے ہی اس نے پوچھا، "تلسی، تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے کہا، "ڈاکٹر کمل نین کو بلانے۔"

"یہ کون ڈاکٹر ہیں؟"

"وہ یہاں کے نامی ڈاکٹر ہیں۔"

"کہاں رہتے ہیں؟"

"شہر ہی میں ہیں۔ ان کا گھر یہاں سے میل بھر دور ہوگا۔"

سب کو کھلا پلا کر جو تھوڑا بہت کھانا بچ رہتا تھا۔ کملا وہ سب نوکروں میں بانٹ دیتی تھی۔ اس کے لئے کئی دن تک جہا مایا سے سخت سست سننا پڑا۔ لیکن اس کی یہ عادت چھوٹ نہ سکی۔ وہ نوکروں سے نہایت محبت و خلوص سے پیش آتی۔ اور بعض اوقات اپنے حصے کا کھانا بھی انہیں کھلا کر خود بھوکی رہ جاتی۔ اسی لئے گھر کے سب نوکر اس کی قدر کرتے تھے۔

اور یہ سنتے آواز آئی ——— تلسی رسوئی گھر کے دروازے پر کھڑا کس سے باتیں کر رہا

ہے؟ تو سمجھتا ہے مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ شہر جاتے وقت ایک بار رسوئی گھر کا درشن کئے بغیر تیرے قدم ہی نہیں اُٹھتے۔ تیری یہ روش مجھے اچھی نہیں لگتی۔ میرے گھر کی چیزیں اسی طرح اڑا دی جاتی ہیں۔ ذرا اس برہمنی کو تو دیکھو راستے میں بے سہارا پڑی تھی۔ میں ترس کھا کر گھر لے آئی۔ اسی کا یہ عوض دے رہی ہے۔"

آج نہا مایا کی سخت گفتگو کی چوٹ کملا کے دل کو ذرا بھی محسوس نہ ہوئی۔ آج وہ مشین کی طرح کام کر رہی تھی۔ اور اس کا دل کہیں اور ہی لگا تھا۔

نیچے رسوئی گھر کے دروازے پر کھڑی کملا انتظار کر رہی تھی، کہ تُلسی شہر سے واپس آگیا۔ لیکن وہ اکیلا ہی تھا۔ کملا نے پوچھا۔

"تلسی! کیا ڈاکٹر بابو نہیں آئے؟"

"نہیں، وہ نہیں آئے۔"

"کیوں؟"

"ان کی ماں بیمار ہے۔"

"ماں بیمار ہیں؟ کیا ان کے گھر اور کوئی نہیں؟"

"نہیں! انہوں نے اب تک شادی نہیں کی۔"

"تجھے کیسے معلوم ہوا، کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔"

"ان کے نوکروں کی زبانی سُنا ہے، کہ ان کے بیوی نہیں۔"

"شاید مر گئی ہو۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے نوکر تو کہتے ہیں، کہ جب وہ رنگ پور میں ڈاکٹری کرتے تھے، اس وقت بھی ان کے بیوی نہ تھی۔"

اوپر سے پکار ہوئی۔ "تلسی!"

کملا فوراً رسوئی گھر میں چلی گئی۔ اور تلسی اوپر چلا گیا۔

نلن بابو رنگ پور میں ڈاکٹر تھے۔ یہ سن کر کملا کے دل میں ذرا بھی شک نہ رہا۔ جب تُلسی نیچے آیا۔ تو کملا نے اس سے پھر پوچھا: "ڈاکٹر بابو کے نام کا ایک شخص میرا رشتہ دار

ہے، تو یہ برہمن ہی ہیں نہ؟"

"ہاں برہمن، چیٹر جی!"

مالکن کی قہر آلود نگاہ کے خوف سے تلسی دیر تک کملا سے باتیں نہ کر سکا۔ اور چلا گیا!

کملا نے مہا مایا کے پاس جا کر کہا: "گھر کا سب کام دھندا کر کے میں آج دشا شو میدھ گھاٹ پر اشنان کرنے جاؤں گی۔"

مہا مایا نے جھنجھلا کر کہا: "تم وقت بے وقت کچھ نہیں سمجھتیں، سرکار کی طبیعت آج خراب ہے۔ نہ جانے کب کس چیز کی ضرورت ہو۔ تم چلی جاؤ گی، تو کام کیونکر چلے گا؟"

کملا نے کہا: "مجھے خبر ملی ہے، کہ میرے ایک رشتہ دار کاشی میں ہیں۔ ذرا انہیں دیکھنے جاؤں گی۔"

مہا مایا بولی: "یہ اچھی بات نہیں۔ تمہارے دل کی حالت روز بروز بدلتی جا رہی ہے۔ میں بڑی دنیا دیکھ چکی ہوں۔ یہ سب کھیل میں جانتی ہوں۔ یہ خبر تمہیں کس نے دی؟ معلوم ہوتا ہے تلسی نے۔ اس چھوکرے کو میں آج ہی نکال باہر کرتی ہوں۔ سنو مہارانی جب تک تم میرے یہاں رہو گی، نہ تو اکیلی کسی گھاٹ پر اشنان کرنے کے لئے جا سکو گی، اور نہ اپنے رشتہ دار کی تلاش میں محلہ محلہ گھومنے۔"

دربان کو حکم ہوا کہ وہ ابھی تلسی کو احاطے سے باہر کر دے۔ پھر وہ کبھی اس احاطے میں قدم نہ رکھنے پائے۔ مالکن کے حکم سے دوسرے نوکروں چاکروں نے بھی امکان بھر کملا سے بات چیت کرنا بند کر دیا۔

جب تک کملا کو کمل نین کا کوئی پتہ معلوم نہ تھا، وہ مطمئن تھی۔ اس کے دل میں ضبط اور صبر و استقلال تھا، لیکن اب اس کے لئے ضبط کرنا محال ہو گیا۔ اسی شہر میں اس کے سوامی ہیں۔ اب لمحہ بھر کے لئے بھی دوسرے کے گھر میں رہنا اسے ناقابل برداشت محسوس ہونے لگا۔ اضطراب قلب کے باعث بات بات میں اس سے غلطی ہونے لگی۔

مہا مایا نے کہا: "مہاراجن تمہاری چال ڈھال اچھی نہیں نظر آتی۔ تمہارے سر پر بھوت تو سوار نہیں ہو گیا؟ تم نے خود تو کھانا پینا چھوڑ ہی دیا۔ کیا اب ہم لوگوں کو بھی بھوکوں مار ڈالو گی؟ اب تو تمہارے ہاتھ کا کھانا مُنہ میں ڈالنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔"

کملا نے بے رخی سے کہا: "مجھ سے یہاں کا کام نہ ہوگا۔ میرا جی اب یہاں نہیں لگتا، مجھے اجازت دیجئے۔"

مہا مایا گرج کر بولی: "ٹھیک ہے۔ اس کل جگ میں کسی پر احسان کرنا اچھا نہیں، تم پر ترس کھا کر میں نے اتنے دنوں کے پرانے اور تجربہ کار رسوئیا بھانو کو موقوف کر دیا۔ پھر اس کی خبر تک نہ لی۔ تم سچے برہمن کی لڑکی ہو نا! آج کہتی ہو کہ مجھے اجازت دو۔ اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گی، تو میں پولیس میں اطلاع دے دوں گی۔ میرا لڑکا حاکم ہے۔ یہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ اس کے حکم سے کتنے ہی لوگوں کو پھانسی ہو چکی ہے۔ یہاں تمہاری یہ چالاکی نہ چلے گی۔ تم نے سنا ہی ہوگا۔ گمانی نوکر نے سرکار کے منہ پر جواب دیا۔ اس کا اسے فوراً انعام مل گیا۔ اب بھی وہ جیل میں سڑ رہا ہے۔ کیا تم ہم کو معمولی آدمی سمجھتی ہو؟"

بات جھوٹ نہ تھی۔ گمانی پر گھڑی چرانے کا الزام لگا کر سزا دلوائی گئی تھی۔

کملا کو یہاں سے نکلنے کا کوئی طریقہ نہ سوجھا۔ دن بھر تو اسے کام کاج ہی سے فرصت نہ ملتی تھی۔ رات کو سب کام ختم ہو جانے پر وہ کوئی گرم کپڑا اوڑھ کر باغ میں چلی جاتی تھی۔

دیوار کے پاس کھڑی ہو کر وہ اس راستے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی تھی۔ جو شہر کی طرف گیا ہے۔ اس کا غم آگیں دل پتی کی خدمت کے لئے مضطرب تھا۔ وہ دیر تک وہاں کھڑی خیالات میں کھوئی رہتی۔ پھر زمین پر پیشانی ٹیک کر کے پرنام کر کے اپنے سونے کے کمرے میں چلی آتی۔

لیکن اتنی بھی راحت، اتنی بھی آزادی کملا کو زیادہ دن حاصل نہ رہی۔ رات کا سب

کام ختم ہو جانے پر ایک دن مہا مایا نے کسی کام سے کملا کو بلا بھیجا۔ دربان نے کہا۔

" مہاراجن نہیں ہے۔ نہ معلوم کہاں چلی گئی ہے "

مہا مایا گھبرا کر بولی " وہ بھاگ تو نہیں گئی ؟ "

چنانچہ مہا مایا ہاتھ میں لالٹین لے کر خود ہر ایک کمرے میں دیکھ آئی۔ لیکن کملا کہیں نہ ملی۔

مکند بابو آنکھیں بند کئے تمباکو پی رہے تھے۔ مہا مایا نے ان سے جا کر کہا " سنو، رسوئی بنانے والی شاید رفو چکر ہو گئی "

یہ سن کر بھی مکند بابو کا استغراق نہ ٹوٹا۔ انہوں نے نیم خوابیدہ لہجے میں کہا۔

" میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا، اس کا کچھ پتہ ٹھکانا معلوم نہیں ـــــ کچھ لے تو نہیں گئی ؟ "

" اس دن جو کپڑا اسے اوڑھنے کے لئے دیا تھا، وہ گھر میں نہیں۔ اس کے علاوہ اور کیا کیا لے گئی ہے، یہ ابھی کیسے کہوں ؟ "

مکند بابو نے متانت آمیز لہجے میں کہا " پولیس کو خبر دے دو "

ایک نوکر لالٹین لے کر باہر نکلا۔ اتنے ہی میں کملا اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ اس نے دیکھا مہا مایا کمرے کی سب چیزوں کی تلاشی لے رہی ہے۔ خوب دیکھ بھال کر رہی ہے کہ کوئی چیز چوری تو نہیں گئی۔ کملا کو آتے دیکھ کر وہ ایک دم بول اٹھی " تم عجیب جانور معلوم ہوتی ہو۔ اتنی رات کو کہاں چلی گئی تھی ؟ "

" سب کام ختم ہو جانے کے بعد میں ذرا سیر کے لئے باغ میں چلی گئی تھی "

مہا مایا کے منہ میں جو آیا، بک گئی۔ گھر کے سب نوکر چاکر دروازے کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ مہا مایا کی سخت سے سخت جھڑکیاں سن کر کملا اس کے سامنے نہ کبھی روتی تھی اور نہ کچھ جواب دیتی تھی۔ آج بھی وہ کاٹھ پتلی کی طرح کھڑی رہی۔ جب مہا مایا زبان کے تیر برسا کر کچھ مدھم ہوئی تو کملا نے کہا " آپ مجھ سے ناخوش ہیں تو مجھے برخاست کر دیجئے "

"نکال تو دو گی ہی۔ تمہارے ایسی نمک حرام کو کھانا کپڑا دے کر میں کب تک یہاں رکھ سکتی ہوں!... لیکن رخصت کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح دکھا دوں گی، کہ تمہارا پالا کیسے آدمیوں سے پڑا ہے"

جب سے کملا کو باہر جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

ایک دن مکند بابو اپنے دو نوکروں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر سیر کے لئے گئے۔

مکان کا صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ شام ہونے میں اب زیادہ دیر نہ تھی۔

دروازے کے پاس آکر باہر سے کسی نے پکارا۔ "مکند بابو ہیں؟"

مہا مایا حیران ہو کر بولی۔ "دیکھو دیکھو، ڈاکٹر کمل نین آئے ہیں۔ بدھیا کہاں گئی۔ او بُدھیا!"

بُدھیا وہاں نہ تھی۔ ناچار مہا مایا نے کملا سے کہا: "جلدی جاکر دروازہ کھول دو۔ ڈاکٹر بابو سے کہنا، سرکار ہوا خوری کے لئے گئے ہیں۔ اب آتے ہی ہوں گے۔ ذرا بیٹھ جائیں"

کملا لالٹین لے کر نیچے گئی۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ ٹانگوں میں لرزش تھی۔ اور دل دھڑک رہا تھا۔ اسے خوف ہونے لگا مبادا اس بے چینی میں انہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکوں۔

دروازہ کھول کر اور گھونگھٹ بڑھا کر وہ کواڑ کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔

"کمل نین نے پوچھا" بابو گھر میں ہیں؟"

کملا تھرتھراتی ہوئی آواز سے بولی

"نہیں۔ آپ بیٹھئے۔"

کمل نین کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔ اتنے میں بدھیا نے آکر کہا۔ "سرکار سیر کو گئے ہیں۔ اب آتے ہی ہوں گے۔ آپ تھوڑی دیر تشریف رکھیں"

کملا جوش مسرت کو دبا نہ سکتی تھی۔ دبلنے سے دل کو تکلیف سی پہونچتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ برآمدے کی ایک ایسی اندھیری جگہ میں جا کھڑی ہوئی۔ جہاں سے کمل نین کا

چہرہ صاف دکھائی دے۔ لیکن وہ دیر تک کھڑی نہ رہ سکی۔ مضطرب دل کی تسکین کے لئے اسے وہاں بیٹھ جانا پڑا۔ دل کی لرزش کے ساتھ جاڑے کی ہوا نے اس کے جسم کو بھی تھرتھرا دیا۔

کمل نین میز کے پاس لیمپ کی طرف منہ کئے بیٹھے دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے تھے۔ کانپتی ہوئی کملا تاریکی میں سے کمل نین کے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے فوراً آنچل سے آنکھیں پونچھ کر اپنی نگاہوں سے کمل نین کو گویا اپنے دل میں کھینچ لیا۔ کملا اس وقت ہوش میں تھی یا بے ہوش۔ یہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اچانک اس نے متحیر ہو کر دیکھا۔ کمل نین کھڑے مکند بابو سے باتیں کر رہے ہیں۔

اس خوف سے کہ کہیں وہ دونوں باتیں کرتے کرتے برآمدے میں نہ آجائیں اور اسے نہ دیکھ لیں۔ وہ برآمدے سے نکل کر باورچی خانے میں چلی آئی۔ باورچی خانہ صحن کے ایک طرف تھا۔ مکان کے اندر سے باہر جانے کا راستہ یہیں سے ہو کر گذرتا تھا۔

زینے سے کسی کے نیچے اترنے کی آہٹ سنائی دی۔ کملا فوراً اٹھ کر دروازے کے پاس اندھیرے میں جا کھڑی ہوئی۔ بڑھیا لالٹین لے کر آگے آگے چل رہی تھی۔ اور کمل نین بابو اس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

کملا دل ہی دل میں کہنے لگی "ناتھ! تمہارے چرنوں کی یہ داسی دوسرے کے گھر میں کام کر کے وقت کاٹ رہی ہے۔ تم سامنے سے گذر گئے۔ پھر بھی اس داسی کو نہ پہچان سکے"

جب مکند بابو کھانا کھانے کے لئے اندر چلے گئے۔ تو کملا آہستہ آہستہ اس بیٹھک میں گئی۔ جس کرسی پر کمل نین بیٹھے تھے۔ اس کے سامنے کی زمین پر اس نے قدموں کی جگہ سر ٹیک کر وہاں کی دھول سر میں لگا لی۔

دوسرے دن کملا کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر بابو نے آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے سرکار کو کاشی کی بجائے کسی اور جگہ جانے کا مشورہ دیا ہے۔ کاشی سے کہیں دور مغرب

کی طرف جانا ہوگا۔ اس لیئے آج ہی سے ان کے جانے کی تیاری شروع ہو گئی ہے۔

کملا نے نہا مایا سے جا کر کہا " میں کاشی چھوڑ کر باہر نہ جا سکوں گی ؟

" کیوں ؟ ہم سب جائیں گے، تم کیوں نہ جا سکو گی ؟ کاشی پر بڑی فریفتہ معلوم ہوتی ہو! "

" آپ خواہ کچھ کہیں، میں یہیں رہوں گی ؟

" اچھا دیکھتی ہوں، کیسے تم یہاں رہتی ہو ؟"

" مجھ پر رحم کیجئے۔ مجھے یہاں سے نہ لے جایئے۔"

" تم بڑی بُری عورت ہو۔ ٹھیک روانگی کے وقت رخنہ ڈال رہی ہو۔ مجھے جلدی میں یہاں کون آدمی ملے گا ؟ تمہارے بغیر ہمارا کام کیسے چلے گا ؟"

کملا کی تمام عاجزی اور منت سماجت بیکار گئی۔ وہ اپنی کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے بھگوان کو پکار پکار کر رونے لگی۔

(۵۳)

جس دن شام کے وقت آنند چرن نے کمل نین کے ساتھ نلنی کے بیاہ کا ذکر کیا تھا۔ اس رات کو پھر ان کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔

رات بڑی تکلیف میں بسر ہوئی۔ صبح ان کا درد جب کسی قدر کم ہوا تو وہ اپنے گھر کے باغ میں سڑک کے کنارے، موسم سرما کی صبح کی کچی دھوپ میں سامنے ایک تپائی رکھ کر بیٹھ گئے۔

نلنی وہیں ان کے لئے چائے پانی کا انتظام کرنے لگی۔ رات کی تکلیف سے آنند چرن بابو کا چہرہ اُتر گیا تھا۔ ایک ہی رات میں وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے، کہ معلوم ہوتا تھا وہ اور بھی زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں۔

جونہی آنند چرن بابو کے چہرے پر نلنی کی نگاہ پڑتی تھی، اس کے دل میں گویا کوئی چھری سی بھونک دیتا تھا۔ یہ بات نلنی کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھی کہ محض کمل نین

سے شادی کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے پتا جی کو صدمہ ہوا ہے۔ اور ان کی وہ نا امیدی ہی اصل میں ان کی تکلیف کا سب سے بڑا سبب ہے۔ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے۔ کس طرح میں اپنے بوڑھے باپ کو مسرور رکھ سکوں گی۔ کس طرح انہیں سمجھا سکوں گی؟ بار بار سوچنے پر بھی نلنی کو اس کا کوئی حل سمجھ میں نہ آتا تھا۔

اتنے میں یکایک چکرورتی کو ساتھ لئے اکھشے وہاں آ پہونچا۔ نلنی کو وہاں سے جاتے دیکھ کر اکھشے نے کہا "آپ ذرا ٹھہریں۔ یہ غازی پور کے چکرورتی مہاشے ہیں۔ انہیں اس طرف کے سب لوگ جانتے ہیں۔ یہ آپ سے کچھ کہنے آئے ہیں "

" وہاں پتھر کا ایک چبوترہ سا تھا۔ اکھشے اور چکرورتی اسی پر بیٹھ گئے۔ چکرورتی نے آنند چرن سے کہا " سُنا ہے رمیش بابو سے آپ کے گہرے تعلقات ہیں۔ اسی لئے میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ آپ کو ان کی بیوی کی کچھ خبر ملی ہے ؟ "

آنند چرن بابو کچھ دیر تک بلا جنبش بیٹھے رہے۔ پھر تحیر آمیز لہجے میں بولے " کیا رمیش بابو کی بیوی ! "

نلنی نے نظریں جھکا لیں۔ چکرورتی نے نلنی کی طرف دیکھ کر کہا " معلوم ہوتا ہے آپ لوگ مجھے بالکل غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ پہلے آپ اطمینان سے میری سب باتیں سُن لیں۔ پھر آپ سمجھ جائیں گے کہ میں خواہ مخواہ گلے پڑ کر کسی پر تنقید کرنے نہیں آیا۔ رمیش بابو درگا پوجا کے دنوں میں جب اپنی بیوی کے ہمراہ سٹیمر پر سوار ہو کر مغرب کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت سے میں انہیں جانتا ہوں۔ اسی سٹیمر پر ان سے جان پہچان ہوئی تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے، کملا کو جس نے ایک بار بھی دیکھا ہو، وہ اسے کبھی بھول نہیں سکتا۔ راحت و رنج میں زندگی بسر کرتے کرتے اس بڑھاپے میں میرا دل سخت ہو گیا ہے۔ مگر اس پر بھی کملا دیوی کی یاد میرے دل سے لحہ بھر کے لئے دور نہیں ہوتی۔ رمیش بابو نے پہلے سے کچھ طے نہ کیا تھا۔ کہ وہ کہاں جائیں گے۔ لیکن میرے ساتھ تعارف ہونے پر کملا مجھے اتنا ماننے لگی، کہ اس نے انہیں غازی پور میرے مکان پر چلنے کے لئے مجبور کیا۔ وہاں کملا کا

میری منجھلی لڑکی ان پورنا سے پیار ہوگیا۔ دونوں میں حقیقی بہنوں کی سی محبت تھی۔ لیکن بعد میں اسے کیا ہوگیا، اس کے جی میں کیا آیا، یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اچانک وہ ہم سب کو چھوڑ کر کہاں گئی، کیا ہوئی، کچھ پتہ نہیں۔ اس وقت سے میری ان پورنا برابر اس کے لئے روتی ہے۔ اس کی آنکھوں کے آنسو خشک نہیں ہونے پاتے۔"

یہ کہتے کہتے چکرورتی کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگے۔ آنند چرن نے مضطرب ہوکر پوچھا "اسے کیا ہوا، وہ کہاں چلی گئی؟"

چکرورتی نے کہا "اکھشے بابو! آپ نے تو سب باتیں سنی ہیں۔ آپ ہی کہئے۔ میرا تو سینہ پھٹنے لگتا ہے۔"

اکھشے نے کملا اور رمیش کا سب حال شروع سے آخر تک سنایا۔ اپنی طرف سے اس نے کوئی اضافہ نہیں کیا، نمک مرچ نہیں لگایا۔ لیکن اس کے انداز بیان سے رمیش کا کردار دلکش نہیں معلوم ہوا۔ آنند چرن بابو حیران ہوکر بار بار کہنے لگے "ہم لوگوں نے تو یہ باتیں کبھی سنیں ہی نہیں، جب سے رمیش کلکتہ چھوڑ کر باہر گیا ہے۔ اس کا کوئی خط تک نہیں آیا۔"

اکھشے نے ان کی بات سے بات ملاتے ہوئے کہا "یہاں تک انہوں نے جو کملا سے بیاہ کر لیا ہے، یہ بھی ہم لوگوں کو اچھی طرح معلوم نہ تھا۔ اچھا، چکرورتی مہاراج! آپ تو سب حال جانتے ہیں، کملا اس کی بیوی ہی تھی، یا اس کی بہن یا کوئی اور رشتے دار!"

چکرورتی نے کہا "یہ آپ کیا پوچھ رہے ہیں۔ بیوی نہ تھی تو کیا تھی؟ ویسی ستی عورت کیا سب کو ملتی ہے؟"

اکھشے بولا "آپ سچ کہتے ہیں۔ لیکن حیرت تو یہی ہے کہ جتنی اچھی بیوی ملتی ہے مرد کی طرف سے اس کی اتنی ہی زیادہ بے قدری ہوتی ہے۔ ایشور اچھے لوگوں ہی کا اتنا سخت امتحان لیتے ہیں!" یہ کہہ کر اس نے ایک طویل سانس لی۔

آنند چرن نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بے شک! یہ بڑے دکھ کی بات ہے. لیکن جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ اب بیکار رنج و غم سے کیا حاصل ؟"

اکھشے پھر بولا "مجھے شک ہے. کملا نے خودکشی نہ کرلی ہو، یا شاید کاشی میں رہنے کے خیال سے یہاں چلی آئی ہو۔ اسی لئے میں چکرورتی جی کو ساتھ لے کر کاشی میں اسے تلاش کرنے کے لئے آیا ہوں۔ صاف معلوم ہو گیا، کہ آپ کو اس کی خبر نہیں ملی۔ خیر، دو چار دن اس کی تلاش کرنی چاہیئے"

آنند چرن نے پوچھا "رمیش آج کل کہاں ہے ؟"

چکرورتی جی بولے "وہ ہم سے کچھ کہے سنے بغیر ہی چلے گئے۔ پتہ نہیں کہاں گئے ہیں"

اکھشے نے کہا "مجھے تو وہ ملے نہیں ؟ لیکن لوگوں کے منہ سے سنا ہے کہ وہ کلکتے میں ہیں۔ شاید علی پور میں وکالت کریں۔ مرد کا دل پتھر کا ہوتا ہے۔ وہ بڑے سے بڑے دکھ کو جھیل سکتا ہے۔ رمیش آخر کب تک رنج و غم میں رہے گا ؟ پھر اس کی عمر ہی کیا ہے۔ چکرورتی جی! چلئے ایک بار شہر میں اچھی طرح ڈھونڈھ لیں"

آنند چرن نے پوچھا "اکھشے بابو، تم یہیں ٹھہرو گے ؟"

اکھشے نے کہا "یہ میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ میرا دل کچھ بے چین سا ہے۔ میں جتنے دن کاشی میں رہوں گا، اسی کھوج میں رہوں گا۔ بھلے گھر کی لڑکی ہے۔ اگر دل کی مایوسی کے باعث یہاں آئی ہوگی، تو اسے کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی! رمیش بابو تو بے فکر رہ سکتے ہیں، لیکن میں نہیں رہ سکتا"

چکرورتی کو ساتھ لے کر اکھشے چلا گیا۔

آنند چرن نے بے قرار ہو کر ایک بار نلنی کے منہ کی طرف دیکھا۔ وہ کسی طرح اپنے دل پر جبر کئے خاموش بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ دل ہی دل میں اس کے لئے فکر مند ہے۔

نلنی نے کہا "بابو جی! آج آپ ڈاکٹر کو کہئے کہ وہ اچھی طرح آپ کا معائنہ

کمرے۔ روز بروز آپ کی صحت بگڑتی چلی جاتی ہے۔ اسے سنبھالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

نلنی کی بات سے آنند چرن کو بڑا اطمینان ہوا۔ رمیش کے موضوع پر اتنی طویل گفتگو ہونے کے بعد بھی نلنی نے ان کی صحت کے متعلق فکرمندی کا جو اظہار کیا، اس سے ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔

" اچھی بات ہے، کہو تو آج ڈاکٹر کمل نین بابو کو بلا بھیجوں۔"

کمل نین کا نام سن کر نلنی کچھ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی۔ باپ کے سامنے ان سے پہلے کی طرح بات چیت کرنا دشوار ہو گا۔ پھر بھی اس نے کہا۔" اچھی بات ہے بلا بھیجئے۔"

آنند چرن نے نلنی کے دل کی متذبذب حالت کا اندازہ کرتے ہوئے کہا۔" رمیش کا یہ معاملہ....."

نلنی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔" بابو جی! اب دھوپ تیز ہو گئی ہے، چلئے کمرے میں چلیں!"

یہ کہہ کر ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر نلنی انہیں تھام کر بیٹھک میں لے گئی۔ اور آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ اوپر سے گرم چادر اڑھا کر انہیں اخبار دے دیا۔ اور اپنے ہاتھ سے ان کی آنکھ پر چشمہ لگا کر کہا۔" آپ اخبار پڑھیئے۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

لیکن آنند چرن بابو کا دل اخبار میں نہ لگا۔ وہ اخبار میز پر پھینک کر برآمدے میں ٹہلنے لگے۔ بڑی دیر تک جب نلنی نہ آئی، تو وہ اس کی تلاش میں گئے۔ دیکھا نلنی کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ آنند چرن بابو تھک کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ سوچنے لگے۔

ڈاکٹر کمل نین نے بابو آنند چرن کا طبی معائنہ کیا۔ اور مناسب دوا وغیرہ تجویز کر کے نلنی سے پوچھا۔" بابو جی کے دل میں کوئی خاص فکر تو نہیں؟"

نلنی نے کہا۔" ہو بھی سکتی ہے۔"

"اگر ہو تو پہلے اس کا دور کرنا لازمی ہے۔ جب تک ان کا دل ہر قسم کے

فکر و غم سے آزاد نہ ہوگا۔ وہ پورے طور سے تندرست نہ ہو سکیں گے۔ میری ماتا جی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ کبھی کبھی ایسی گھبرا جاتی ہیں، کہ انہیں تندرست رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ کسی بات کا فکر نہ کریں۔ ذرا بھی بے چین نہ ہوں۔ لیکن کیا دنیا میں یہ چیز ممکن ہے؟"

"آپ بھی تو آج کچھ سست دکھائی دے رہے ہیں۔"

"نہیں، میں تو بہت اچھا ہوں۔ اداس رہنے کی میری عادت ہی نہیں۔ ہاں رات مجھے کچھ دیر جاگنا پڑا تھا۔ اسی لئے شاید آج میرا چہرہ کچھ اداس نظر آتا ہوگا۔"

"آپ کی ماتا کی خدمت کے لئے اگر کوئی داسی ہوتی، جو ہر وقت ان کی دیکھ بھال کرتی تو بہتر تھا۔ آپ کیلئے ٹھیک ہے۔ اس پر بھی آپ کو کتنے ہی کام کرنے پڑتے ہیں۔ آپ کس طرح اتنی مشقت برداشت کر سکتے ہیں۔ آپ ایک نوکرانی کیوں نہیں رکھ لیتے؟"

"میں نے تو کئی بار کوشش کی کہ ان کے لئے ایک نوکرانی رکھ دوں۔ لیکن وہ اس بات کو منظور نہیں کرتیں۔ ان کی طبیعت ایسی نرم ہے کہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتیں، کہ کوئی تکلیف اٹھا کر اُن کی خدمت کرے۔"

اس کے بعد اس موضوع پر اور کوئی بات نہ ہوئی۔ نلنی نے قدرے خاموشی کے بعد کہا۔ "آپ کے اُپدیش کے مطابق چلنے میں کبھی کبھی کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے میری ریاضت میں فرق آ جاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں میری امیدوں پر پانی نہ پھر جائے۔"

نلنی کی یہ یاس آمیز گفتگو سن کر کمل نین نے کہا۔ "دیکھئے رکاوٹیں تو ہمارے دل کی خفتہ طاقتوں کو بیدار کرنے کے لئے آتی ہیں۔ اس لئے آپ مایوس نہ ہوں۔"

"تو کل صبح آپ ایک بار یہاں تشریف لا سکیں گے؟ آپ کی مدد پا کر مجھے بڑی طاقت ملتی ہے۔"

کمل نین بابو چلے گئے۔ لیکن ان کی باتوں نے اور ان کے چہرے کی طمانیت نے نلنی کے دل میں تسکین کی لہر دوڑا دی۔

رمیش اور کملا کے حالات سُن کر نلنی دل میں کیا سوچتی سمجھتی ہے، یہ جاننے کیلئے آنند چرن بہت مضطرب تھے۔ لیکن اس معاملے میں نلنی سے کچھ دریافت کرنے کی بھی ان کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ وہ برآمدے میں چپ چاپ بیٹھی سلائی کر رہی تھی آنند چرن بابو وہاں کئی بار جا کر اس کے متفکر چہرے کو دیکھ آئے۔ لیکن اس سے کچھ پوچھ نہ سکے۔

شام کو نلنی ڈاکٹر کی دی ہوئی دوا انہیں کھلا کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ بابو آنند چرن نے کہا: "روشنی کو آنکھ کے سامنے سے ذرا ہٹا دو۔"

کچھ اندھیرا ہو جانے پر انہوں نے کہا "صبح جو بوڑھا آدمی آیا تھا۔ وہ بڑا سادہ لوح معلوم ہوتا ہے۔"

نلنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنند چرن اس سے زیادہ تمہید نہ باندھ سکے۔ انہوں نے کہا۔ "رمیش کے حالات سُن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اس کے بارے میں کتنے ہی لوگ طرح طرح کی باتیں کہتے تھے۔ میں اب تک ان پر یقین نہ کرتا تھا، لیکن اب تو..."

نلنی نے رقت آمیز لہجے میں کہا: "بابو جی! ان باتوں کو جانے دیجئے!"

آنند چرن نے کہا: "خود میری طبیعت بھی ایسی باتیں کرنے کو نہیں چاہتی لیکن جب قدرت کی ستم ظریفی سے کسی کے ساتھ ہمارے دُکھ سُکھ کا تعلق ہو جاتا ہے، تو۔"

نلنی فوراً بول اٹھی: "نہیں نہیں، اس طرح جہاں تہاں دُکھ سُکھ کا تعلق نہ جوڑنا ہوگا۔ بابو جی، میں بہت اچھی طرح ہوں۔ میرے لئے ناحق متفکر ہو کر آپ مجھے شرمسار نہ کریں۔"

"بیٹی! میری ناؤ اب کنارے لگنے کو ہے۔ جب تک تمہارا کوئی مناسب انتظام نہ ہو جائے۔ مجھے اطمینان نصیب نہ ہو سکے گا۔ میں اطمینان سے مر بھی نہ سکوں گا۔"

نلنی کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اس نے کہا: "آپ ایسی بات مُنہ سے نہ نکالیں، میں آپ کے کسی حکم سے سرتابی نہ کروں گی۔ آپ کے ہر حکم پر سر جھکا دوں گی۔ صرف ایک دفعہ دل کو اچھی طرح صاف کر کے تیار ہو لینا چاہتی ہوں۔"

آنندچرن نے اسی اندھیرے میں ایک بار نلنی کے مُنہ پر ہاتھ پھیر کر اس کے اشک آلود رخساروں کو چھوا۔ اور خاموش ہو گئے۔

دوسرے دن صبح آنندچرن بابو، نلنی کے ہمراہ باہر درخت کے نیچے چائے پینے بیٹھے تھے۔ کہ اکھشے آ گیا۔ اور بولا: "ابھی کچھ پتہ نہیں لگا۔" پھر چائے کا ایک پیالہ لے کر بیٹھ گیا۔

آہستہ آہستہ اس نے کہنا شروع کیا: "رمیش اور کملا کا کچھ اسباب چکرورتی جی کے ہاں پڑا ہے۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ اسے کہاں اور کس کے پاس بھیجیں۔ رمیش بابو آپ کا پتہ لگا کر ضرور یہاں آئیں گے۔ اس لئے اگر آپ کے یہاں ——"

آنندچرن بابو نے انتہائی غصے سے کہا: "اکھشے! تمہیں بات کہنے کا ذرا بھی سلیقہ نہیں۔ رمیش میرے ہی یہاں کیوں آئے گا؟ اس کا سامان اپنے یہاں رکھنے والا میں کون؟"

اکھشے بولا: "خیر انہوں نے اچھا کام کیا ہو یا بُرا۔ لیکن اس وقت وہ صدمے سے پریشان ہوں گے۔ کیا اس وقت انہیں تسلی دینا ان کے پُرانے دوستوں کا فرض نہیں؟ کیا آپ انہیں بالکل چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟"

آنندچرن بابو اور بھی غصے سے بولے: "اکھشے، ہم لوگوں کو ستانے کے لئے تم بار بار وہی ذکر چھیڑتے ہو، میں تمہیں آخری بار کہے دیتا ہوں کہ اب کبھی اس تذکرے کو نہ چھیڑنا۔"

نلنی پُرسکون اور نرم و نازک لہجے میں بولی: "بابوجی، آپ غصہ نہ کریں۔ اس سے آپ کی صحت کو نقصان پہنچے گا۔ اکھشے بابو جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، کہیں، اس سے کیا بنتا بگڑتا ہے!"

اکھشے بولا "معاف کیجئے گا، میں نہ جانتا تھا، کہ آپ میرے کہنے کا بُرا مانیں گے"
یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دیا۔

(۵۴)

مکند بابو کاشی سے میرٹھ جانے کی تیاری مکمل کر چکے تھے۔ تمام ساز و سامان بندھ چکا تھا۔ دوسرے دن صبح کی گاڑی سے روانگی تھی۔ کملا کو امید تھی، کہ اس عرصے میں ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے گا، جس سے ان کی روانگی ملتوی ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی امید تھی کہ کمل نین ڈاکٹر ایک بار اپنے مریض کو دیکھنے آئیں گے۔ لیکن دونوں میں سے ایک بھی امید بر نہ آئی۔

اس خوف سے کہ کہیں کملا بھاگ نہ جائے۔ مہا مایا اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر سامان وغیرہ اس سے بندھوائی تھی۔ رات کو بھی اس نے کملا کو اپنے کمرے میں سلایا۔ اور صبح اسٹیشن جاتے وقت اسے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ مکند بابو سیکنڈ کلاس میں جا بیٹھے۔ اور مہا مایا کملا کو ساتھ لے کر ڈیوڑھے درجے میں سوار ہوئی۔

آخر گاڑی اسٹیشن سے روانہ ہوئی۔ جب وہ کاشی کے پل پر سے گزری، تو کملا نے کھڑکی سے سر نکال کر ایک بار کاشی کے شہر پر نگاہ ڈالی۔ اس شہر میں ڈاکٹر کمل نین کا گھر کس طرف ہے یہ اُسے معلوم نہیں۔ اس لئے ریل کی تیز رفتاری میں گھاٹ، مندر، مکان جو کچھ اسے نظر آیا، کمل نین سے بھرا ہوا معلوم ہوا۔

مہا مایا نے کہا "تم اتنا جھک کر کیا دیکھ رہی ہو؟ تم چڑیا نہیں ہو، کہ اُڑ جاؤ گی"

ایک ایک کر کے کاشی کے مناظر آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ لیکن وہ کملا کے دل پر نقش ہو کر رہ گئے۔ وہ خاموش بیٹھی آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔

گاڑی مغل سرائے کے اسٹیشن پر جا کر رُکی۔ اسٹیشن کا شور و غل اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ تواب کا سا منظر پیش کر رہی تھی۔ کملا کٹھ پتلی کی طرح ایک گاڑی سے

اُتر کر دوسری گاڑی میں جا بیٹھی۔

گاڑی روانہ ہی ہونے والی تھی کہ ایک شناسا آواز سن کر کملا چونک اُٹھی۔ باہر سے کسی نے اسے 'ماں' کہہ کر پکارا۔ کملا نے پلیٹ فارم کی طرف دیکھا تو سامنے امیش کھڑا تھا۔ کملا کا چہرہ خوشی کے مارے کھل اُٹھا۔ اس نے کہا: "ارے اُمیش!"

امیش نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ کملا نیچے اُتر پڑی۔ امیش نے کملا کے پیر چھو کر پرنام کیا۔ اس کا چہرہ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔

ادھر گارڈ نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ مہا مایا چلانے لگی: "اری مہاراجن! تو کیا کرتی ہے۔ گاڑی چلنے والی ہے۔ جلدی آ۔"

مہا مایا کی یہ آواز کملا کے کان تک نہ پہنچی۔ گاڑی سیٹی بجا کر بھک بھک کرتی اسٹیشن سے چلی گئی۔

کملا نے پوچھا: "امیش! تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"غازی پور سے۔" امیش نے کہا۔

"وہاں سب اچھے تو ہیں؟ چکرورتی چاچا کا کیا حال ہے؟"

"وہ اچھی طرح ہیں۔"

"میری بہن انّ پورنا؟"

"ان کا حال کیا پوچھتی ہو، وہ تمہارے لئے روتی رہتی ہیں۔"

اسی وقت کملا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پوچھا: "اوما کا کیا حال ہے؟ وہ اپنی موسی کو بھول تو نہیں گئی؟"

"تم اسے جو زیور دے آئی ہو، جب تک وہ اسے پہنایا نہیں جاتا، وہ دودھ نہیں پیتی۔"

کملا نے برستی آنکھوں سے پوچھا: "تم یہاں کیسے آئے تھے؟"

"مجھے غازی پور اچھا نہیں لگا۔ اسی لئے چلا آیا ہوں۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"تمہارے ساتھ چلوں گا"
"میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں"
"میرے پاس جو ہیں"
"تمہیں کہاں سے ملے؟"
"تم نے جو پانچ روپے دئے تھے، وہ ابھی تک میرے پاس موجود ہیں"
یہ کہہ کر اس نے پانچ روپے گرہ سے کھول کر دکھا دئے۔
"تو چلو، ہم تم کاشی چلیں۔ کیا رائے ہے؟ تم ٹکٹ لا سکو گے؟"
"کیوں نہ لا سکوں گا" کہہ کر وہ جلدی سے ٹکٹ لے آیا۔ گاڑی تیار تھی۔ کملا کو زنانہ ڈبے میں بٹھا کر امیش نے کہا "میں اسی ساتھ والے کمرے میں ہوں"
کاشی کے اسٹیشن پر اتر کر کملا نے امیش سے پوچھا "کہو اب کدھر چلو گے؟"
"ماں جی، آپ کچھ فکر نہ کیجئے۔ میں آپ کو بہت اچھی جگہ لے چلتا ہوں"
"تم یہاں کا حال کیا جانو، جو مجھے اچھی جگہ لے چلو گے!"
"میں سب جانتا ہوں، آپ دیکھئے تو میں کہاں لئے چلتا ہوں" یہ کہہ کر کملا کو ایک کرائے کی گاڑی میں بٹھا کر خود کوچ پر جا بیٹھا۔ گاڑی ایک مکان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ امیش نے کہا "ماں جی، یہاں اتر آئیے"
کملا گاڑی سے اتر کر امیش کے پیچھے پیچھے ایک مکان میں داخل ہوئی۔ امیش نے پکارا "دادا جی!"
"کون ہے، امیش؟ ارے تم یہاں کہاں؟" چکرورتی ایک ہاتھ میں حقہ لئے باہر نکل آئے۔ امیش چپ چاپ ہنسنے لگا۔ کملا نے متحیر ہو کر چکرورتی جی کو پرنام کیا۔ چکرورتی جی ششدر رہ گئے۔ وہ کیا بات کہیں، حقہ کہاں رکھیں، انہیں اس کا ہوش ہی نہ رہا۔ آخر انہوں نے فرطِ مسرت سے کہا "میری بیٹی لوٹ آئی! چلو، اوپر چلو.... اری ان پورنا، ادھر دیکھ تو، یہ کون آئی ہے"
ان پورنا جلدی سے برآمدے کی سیڑھیوں پر آکھڑی ہوئی۔ کملا اس کے پیر دیں

پر گر پڑی ماں پورنا نے اسے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد ان پورنا آنسوؤں کے موتی برساتی ہوئی بولی: "ہم سب کو رُلا کر تم اس طرح یکا یک کیوں غائب ہوگئیں بھلا اس طرح بھی کوئی جاتا ہے؟"

چکرورتی جی بولے: "بیٹی یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔ ابھی اسے لے جا کر ہاتھ منہ دھلاؤ۔ اور کھانے کا انتظام کرو۔"

اتنے میں اوما "موسی موسی" کرتی باہر آئی۔ کملا نے اسے گود میں اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ اور اس کا منہ چومنے لگی۔

ان پورنا کملا کے روکھے بال اور میلے کپڑے دیکھ نہ سکی۔ فوراً اسے نہلا کر اپنے صندوق سے ایک نئی رنگین ساڑھی نکال کر اسے پہننے کو دی۔ پھر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، تمہیں رات نیند نہیں آئی۔ تمہاری آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہے۔ ذرا لیٹ رہو۔ میں کھانا تیار کر لوں۔"

کملا نے کہا: "نہیں بہن! میں بھی تمہارے ساتھ رسوئی گھر میں چلتی ہوں۔"

دونوں رسوئی گھر میں جا بیٹھیں۔

چکرورتی جی جب اکھشے کے ساتھ کاشی آنے کے لئے تیار ہوئے تھے، تو ان پورنا بھی نہ رہ سکی۔ چکرورتی اور دوسروں کے سمجھانے کے باوجود وہ ضد پر قائم رہی۔ اور بالآخر اسے ساتھ لاتے ہی بنی۔

جب وہ کاشی کے سٹیشن پر اُترے۔ تو دیکھا اُمیش بھی گاڑی سے اُتر رہا ہے۔ بھلا وہ کس سے پیچھے رہنے والا تھا۔ سب نے اسے سمجھا بجھا کر واپس غازی پور بھیجدیا لیکن وہ کسی طرح غازی پور نہ رہ سکا۔ ان پورنا کی ماں نے اسے کچھ پیسے دے کر بازار سے سبزی لانے کو بھیجا تھا۔ لیکن وہ سیدھا کاشی چلا آیا۔

(۵۵)

اس دن اکھشے چکرورتی جی سے ایک بار ملنے آیا تھا۔ لیکن انہوں نے اسے کملا کے واپس آنے کا حال نہیں بتایا۔ وہ سمجھ گئے تھے، کہ وہ رمیش کا سچا دوست نہیں۔

کملا کیوں چلی گئی تھی اور کہاں گئی تھی؟ اس کے متعلق گھر کے کسی فرد نے اس سے کچھ نہ پوچھا۔ وہ دن اس طرح گذر گیا، جیسے کملا ان لوگوں کے ساتھ ہی کاشی کی سیر کے لئے آئی ہے۔

اوما کی دایہ نے پوچھنا چاہا تھا۔ مگر چکرورتی جی نے اسے علیحدہ لے جاکر منع کر دیا۔

رات کو ان پورنا نے کملا کو اپنے ہی بستر پر سلایا۔ اور اسے سینے سے لگا کر لیٹ گئی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس نازک ہاتھ کے لمس نے خاموش سوال کی طرح کملا کے دل کا راز پوچھنا شروع کیا۔

کملا نے کہا "بہن! تم سب نے میرے متعلق کیا سمجھا تھا؟ مجھ پر ناراض تو بہت ہوئے ہو گے؟"

ان پورنا نے کہا "کیا ہمیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟ کیا ہم سب نہیں جانتے کہ اگر اس دنیا میں تمہارے لئے کوئی اور راستہ ہوتا تو تم ایسے پُرخار راستے پر کبھی نہ چلتیں"

کملا نے کہا "بہن تم میری سب داستان سنو گی؟"

ان پورنا نے اشتیاق آمیز ہمدردی سے کہا "ہاں بہن کیوں نہ سنوں گی؟"

کملا نے کہا "اس وقت میں تم سے کیوں نہ کہہ سکی۔ یہ میں نہیں جانتی۔ اس وقت میرے دل میں اضطرار و اضطراب کا ایک طوفان اُٹھ رہا تھا" یہ کہہ کر وہ اُٹھ بیٹھی۔ ان پورنا بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اندھیرے میں کملا نے شادی سے اب تک کے تمام حالات بیان کئے۔ شرم کے باعث پتی کا منہ نہ دیکھنے سے لے کر رمیش کی ملاقات تک سب داستان کہہ سنائی۔

سارا حال سن کر ان پورنا بولی "بہن یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم قسمت ہی سے رمیش کو مل گئیں۔ خیر کچھ بھی ہو۔ رمیش بابو کی بات سوچنے سے دل ہی دل میں دکھ ہوتا ہے۔ اب رات زیادہ ہو گئی ہے۔ اس وقت سو رہو۔ کئی دن رات کی بے خوابی سے اور مسلسل رو رو کر تمہاری حالت غیر ہو گئی ہے۔ چہرہ اتر گیا ہے

اب کیا کرنا چاہئے۔ یہ کل فیصلہ ہوگا "

رمیش کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ چٹھی اب تک کملا کے پاس تھی۔ دوسرے دن ان پورنا نے کملا سے یہ چٹھی لے کر اپ کو علیٰحدہ کمرے میں بلا کر اُن کے ہاتھ میں دے دی۔

چکرورتی جی نے چشمہ لگا کر آہستہ آہستہ چٹھی پڑھی۔ اس کے بعد چٹھی کو موڑ کر چشمہ اتار کر رکھدیا۔ اور بیٹی سے کہا "قسمت کے کھیل! خیر اب کیا کرنا چاہیے؟!"

ان پورنا نے کہا " اوما کئی دن سے بیمار ہے۔ ایک بار ڈاکٹر کمل نین کو بلا بھیجئے۔ بندیا میں ان کا اور ان کی ماں کا نام ہے۔ ایک مرتبہ اوما کو انہیں دکھا دیجئے "

ڈاکٹر کمل نین اوما کو دیکھنے آئے۔ اوما انہیں دیکھنے کے لئے ان پورنا مضطرب ہو گئی۔ کملا سے کہا "اری جلدی آ"

مہا مایا کے گھر میں کمل نین کو دیکھنے کے لئے جو کملا اضطراب کے مارے خود کو بھول گئی تھی، وہی اس وقت شرم سے اٹھنا نہیں چاہتی تھی۔

ان پورنا نے تیز لہجے میں کہا "اب میں تیری خوشامد نہ کروں گی۔ یہ میں ابھی سے کہے دیتی ہوں۔ وقت بہت کم ہے۔ اوما کی بیماری تو برائے نام ہے۔ ڈاکٹر دیر تک نہ ٹھہریں گے۔ تمہارے منانے ہی میں وقت گذر جائے گا۔ تو میں انہیں دیکھ نہ سکوں گی "

یہ کہہ کر ان پورنا زور سے کملا کو کھینچ کر دروازے کی آڑ میں لے آئی۔ کمل نین اوما کے سینے وغیرہ کا معائنہ کر کے اور نسخہ لکھ کر چلے گئے۔

ان پورنا نے کہا "کملا، ایشور نے اگرچہ تمہیں بہت دکھ دیا ہے۔ لیکن قسمت اچھی ہے۔ اب دو ایک دن تمہیں استقلال سے کام لینا ہوگا۔ ادھر اوما کو دیکھنے کے لئے ڈاکٹر کی ضرورت بنی رہے گی۔ اس طرح تمہیں بھی محروم نہ رہنا پڑے گا "

چکرورتی ایک دن خاص طور پر ایسے وقت ڈاکٹر کمل نین کے گھر پہنچے۔ جب وہ گھر پر نہ تھے۔ نوکر نے کہا " ڈاکٹر صاحب تو نہیں ہیں "

چکرورتی جی بولے "ان کی ماں تو ہیں، ان سے جا کر کہو، ایک بوڑھا برہمن ان کے درشن کرنا چاہتا ہے "

کمل نین کی ماں کے سامنے جا کر چکرورتی جی نے کہا۔ "آپ کا نام کاشی بھر میں مشہور ہے۔ اس لئے میں آپ کے درشنوں سے خود کو خوش قسمت بنانے آیا ہوں۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا، میری چھوٹی نواسی بیمار ہے۔ اس کے لئے آپ کے بیٹے کو بُلانے آیا تھا۔ معلوم ہوا وہ گھر میں نہیں، میں نے سوچا، یونہی لوٹنا اچھا نہیں، آپ ہی کے درشن کرتا چلوں۔"

کلیانی نے کہا۔ "کمل اب آتا ہی ہوگا۔ آپ ذرا بیٹھئے۔ دوپہر ہو گئی ہے۔ آپ کے لئے کچھ ناشتہ منگواتی ہوں۔"

چکرورتی جی کو کھانا کھلا کر کلیانی بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے چکرورتی سے کہا۔ "کل دوپہر آپ کو میرے یہاں کھانا پڑے گا۔ آج میں تیار نہ تھی۔ اس لئے میں آپ کو اچھی طرح کھلا پلا نہیں سکی۔"

چکرورتی جی بولے۔ "میں آپ کے قریب ہی رہتا ہوں۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے نوکر کو اپنا مکان دکھا دوں!"

دو ہی چار دن میں چکرورتی نے کمل نین کے گھر سے میل ملاقات بڑھالی۔ دو چار دن باپ بیٹی میں صلاح مشورے ہوتے رہے۔ ایک دن صبح چکرورتی نے کملا سے کہا۔ "چلو بیٹی دشاشومیدھ گھاٹ پر اشنان کرنے چلیں۔"

کملا نے ان پورنا سے کہا۔ "بہن! تم بھی چلو نہ۔"

ان پورنا نے کہا۔ "نہیں، اوما کی طبیعت اچھی نہیں۔ اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔"

چکرورتی جس راستے سے گھاٹ کو گئے تھے۔ اشنان کر کے اس راستے سے نہ لوٹے۔ وہ دوسرے راستے سے واپس ہوئے۔ کچھ دور آگے جا کر دیکھا۔ ایک عمر رسیدہ عورت اشنان کر کے کلسی میں گنگا جل لئے آہستہ آہستہ آ رہی ہے۔ کملا کو ان کے سامنے لا کر چکرورتی نے کہا۔ "بیٹی، انہیں پرنام کرو۔ یہ ڈاکٹر بابو کی ماں ہیں۔"

کملا نے حیرت زدہ سی ہو کر سر بسجود ہو کر پرنام کیا۔ کلیانی نے کہا۔ "تم کون ہو؟ دیکھوں، ذرا منہ تو دکھاؤ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اس کا گھونگھٹ ہٹا کر، اس کی جھکی ہوئی پیشانی کو اوپر اُٹھا کر دیکھا، اور بولیں۔

" آہا۔ یہ تو ہو بہو لکشمی ہے۔ بیٹی، تمہارا نام کیا ہے؟"

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی چکرورتی جی نے کہا: " اس کا نام " ستی " ہے۔ یہ میرے دور کے رشتے سے بھتیجی ہے۔ اس کے ماں باپ کوئی نہیں ہیں۔ اب میرے ہی پاس رہتی ہے "

کلیانی انہیں اپنے ساتھ لے گئی۔ کمل نین بابو باہر چلے گئے تھے۔ چکرورتی نے بیٹھتے ہی کہا۔

" دیکھئے۔ میری بھتیجی کی قسمت بڑی خراب ہے۔ شادی کے دوسرے ہی دن اس کا شوہر سنیاسی ہو کر چلا گیا۔ یہ نہیں جانتی کہ پتی کسے کہتے ہیں۔ اس کی خواہش تیرتھ یاترا کرنے کی ہے۔ میرا یہاں مکان نہیں۔ میں ملازم ہوں۔ جو تھوڑی بہت تنخواہ ملتی ہے۔ اس سے کسی طرح گرہستی چلاتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ یہاں رہ نہیں سکتا۔ اسی لیے اسے آپ کی پناہ میں لایا ہوں۔ اگر آپ اسے اپنی لڑکی کی طرح رکھ سکیں، تو میں بے فکر ہو جاؤں۔ اس کے باعث جب کسی قسم کی تکلیف ہو تو میرے پاس غازی پور بھیج دیجئے گا۔"

کلیانی نے خوش ہو کر کہا: " یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ آپ ایسی لڑکی کو میرے پاس رکھے جاتے ہیں، یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔ میں اسے اپنی بیٹی کی طرح رکھونگی گھر میں صرف میں ہوں یا میرا لڑکا، اور اسے آپ جانتے ہی ہیں "

چکرورتی نے کہا: " کمل نین بابو کو کون نہیں جانتا؟ ہاں میں نے سُنا تھا۔ شادی کے بعد ان کی بیوی ایک حادثہ سے دریا میں ڈوب گئی تھیں "

کلیانی نے کہا: " اس بات کو جانے دیجئے۔ جو ہوا، سو ہو گیا۔ اس حادثہ کی یاد سے میرا جسم لرز اُٹھتا ہے "

اگر اجازت دیں تو اب میں اسے یہیں چھوڑ کر رخصت ہو جاؤں۔ کبھی کبھی آ کر

دیکھ جایا کروں گا۔ اس کی ایک بڑی بہن ہے وہ بھی آپ سے آشیرواد لینے آئے گی۔"
چکرورتی کے چلے جانے پر کلیانی نے کملا کو اپنے پاس بلا کر کہا: "بیٹی، ذرا منہ تو اوپر اٹھاؤ..... تمہاری عمر زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔ آہ۔ تم کو چھوڑ کر چل دیا، پھر کبھی تمہاری خبر تک نہ لی!..... دنیا میں ایسے پتھر دل بھی ہیں؟ بیٹی! میں آشیرواد دیتی ہوں۔ تمہارا سہاگ قائم رہے، وہ پھر لوٹ آئیں۔"
کچھ ٹھہر کر وہ بولیں: "یہاں تمہاری ہم عمر کوئی لڑکی نہیں جسے تم سکھی سہیلی بنا سکو۔ تم اکیلی میرے پاس رہ سکو گی؟"
کملا نے اپنی دونوں بڑی بڑی آنکھوں کے ذریعے روح کی گہرائیوں سے جواب دیا:
"ہاں۔"
"لیکن میں سوچتی ہوں تم اپنا وقت کیسے گذارو گی؟"
"میں گھر کا کام کاج کروں گی۔"
"یہی تو میں سوچ رہی ہوں۔ گھر میں کام ہی کیا ہے؟ اچھا تم سلائی جانتی ہو؟"
"ہاں کچھ کچھ جانتی ہوں۔ پڑھ لکھ بھی لیتی ہوں۔ کھانا بھی بنا سکتی ہوں۔"
"تو تم مجسم ان پورنا (رزق کی دیوی) ہو!"
اس کے بعد کلیانی نے کملا کو اپنا سب گھر دکھایا۔ کملا نے موقعہ پا کر کہا: "آج کھانا مجھ ہی کو بنانے دیجئے۔"
کیا بنانا ہوگا، کیا کرنا ہوگا۔ کملا کو یہ سب کچھ بتا کر کلیانی پوجا گھر میں چلی گئیں کملا تن من سے کھانا بنانے میں مصروف ہو گئی۔
کمل نین باہر سے آتے ہی پہلے ماں کو دیکھنے جاتے تھے۔ آج گھر میں داخل ہوتے ہی انہیں رسوئی گھر سے آواز سنائی دی۔ اور مسالے کی خوشبو بھی آئی۔ یہ سمجھ کر کہ ماں کھانا تیار کر رہی ہیں، کمل نین رسوئی گھر کے دروازے کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔
پاؤں کی آہٹ سن کر جیسے ہی کملا نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں کمل نین کی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ اس نے جلدی سے چمچہ رکھ کر سر پہ گھونگھٹ نکالنے کی

بیکار کوشش کی ۔ کیونکہ رسوئی بنانے سے پہلے اس نے آنچل کو کمر سے باندھ لیا تھا۔ کمل نین تحیر سے وہاں سے چلے گئے ۔ اس کے بعد جب کملا نے ہاتھ میں کچھ لیا ، تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا ۔

کلیانی جھٹ پٹ پوجا ختم کر کے رسوئی گھر میں گئیں ۔ تو دیکھا ، کھانا تیار ہو گیا ہے ۔ رسوئی گھر کو دھو کر کملا نے صاف کر رکھا ہے ۔ کہیں جلی لکڑی ، کوئلے یا ساگ کے چھلکے نہیں ، کہیں کسی طرح کا میلا پن نہیں ۔ یہ دیکھ کر کلیانی دل ہی دل میں خوش ہو کر بولیں ۔

" تم واقعی براہمن کی بیٹی ہو ۔"

کمل نین جب کھانا کھانے بیٹھے ، تو کلیانی ان کے سامنے بیٹھیں ، شرم و حجاب سے سمٹی ہوئی ایک مورتی چپ چاپ دروازے کی آڑ میں کھڑی تھی ۔ اسے جھانک کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔ اس خوف سے کہ کھانا کہیں خراب نہ بنا ہو ، وہ خوف سے مری جا رہی تھی ۔

کلیانی نے پوچھا " آج کھانا کیسا بنا ہے ؟" وہ نہ جانتی تھیں کہ کمل نین کو آج رسوئی گھر کے نئے راز کا حال معلوم ہو چکا ہے ۔ وہ عرصے سے اس کوشش میں تھے ، کہ کوئی کھانا پکانے والی رکھ لی جائے لیکن کلیانی نے قبول نہ کیا تھا ۔ آج ایک نوکرانی کو دیکھ کر وہ بڑے خوش تھے ۔ کھانے کی اچھائی برائی پر دھیان دئے بغیر بولے ۔

" بہت لذیذ ! "

پس پردہ کھڑی کملا یہ حوصلہ افزا بات سن کر کھڑی نہ رہ سکی ، اس نے تیزی سے دوسرے کمرے میں جا کر اپنے مضطرب دل کو دونوں ہاتھوں سے دبا لیا ۔

اسی رات کلیانی کو پھر بخار آ گیا ۔ کمل نین نے گھبرا کر کہا " ماں ۔ کچھ دنوں کے لئے میں تمہیں کاشی سے باہر لے جاؤں گا ۔ یہاں تمہاری طبیعت اچھی نہیں رہتی ۔"

کلیانی نے کہا " نہیں بیٹا ، یہ نہ ہوگا ۔ دو چار دن اور زندہ رہنے کے لئے ہیں ۔ کاشی کو نہ چھوڑوں گی ۔ تم میری فکر نہ کرو ۔ جاؤ اپنے کمرے میں جا کر سو رہو ۔" پھر کملا کی طرف

دیکھ کر کہا : بیٹی، تم بڑی دیر سے کواڑ کی آڑ میں کیوں کھڑی ہو ؟ جاؤ۔ تم بھی سو رہو اس طرح ساری رات بیدار رہنے سے تم بیمار ہو جاؤ گی "

کمل نین کے جاتے ہی کلیانی کی پائینتی بیٹھ کر کملا آہستہ آہستہ ان کے تلووں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ کلیانی کسی سے اپنی خدمت کرانا پسند نہ کرتی تھیں، لیکن کملا کے ہاتھوں میں نہ جانے کیا جادو تھا، کہ کلیانی نے دل میں ایک سرور سا محسوس کیا۔ کلیانی دیر تک اس کی تعریف کرتی رہیں اور پھر اپنے بیٹے کی تعریفوں کے پل باندھ دئے۔

دوسرے دن کملا ہی کو تمام گرہستی سنبھالنی پڑی۔ کمل نین نے اپنے لئے ایک الگ کوٹھڑی بنالی تھی۔ اس میں سنگ مرمر کا فرش تھا۔ یہیں وہ ریاضت کیا کرتے تھے۔ دوپہر کو اسی کمرے میں بیٹھ کر مطالعہ بھی کرتے تھے۔ اس دن صبح ہی کمرے میں داخل ہو کر دیکھا کہ وہ خوب صاف ستھرا اور دُھلا ہوا ہے۔ پیتل کی " دھوپ دانی " آج سونے کی طرح چمک رہی ہے۔ طاق پر قلم دوات وغیرہ لکھنے کی چیزیں قرینہ سے رکھی ہیں۔ اور چھوٹی سی الماری میں کتابیں سلسلہ وار سجی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھ کر کمل نین کا دل کنول کے پھول کی طرح مسکرا اٹھا۔

کملا بہت سویرے آفتابے میں گنگا جل لے کر کلیانی کے بستر کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

کلیانی نے اسے نہائے ہوئے دیکھ کر کہا : یہ کیا بیٹی، تم اکیلی ہی گنگا جی گئی تھیں ؟ میں یہی سوچ رہی تھی کہ میں بیمار ہوں۔ تم کس کے ساتھ اشنان کرنے جاؤ گی ؟ تمہاری عمر کم ہے۔ اس طرح اکیلی ـــــ "

" میرے میکے کا ایک نوکر کل رات مجھے دیکھنے کے لئے آیا تھا۔ اسی کے ساتھ چلی گئی تھی "

" معلوم ہوتا ہے تمہاری چاچی نے تمہاری فکر کرکے اسے دیکھنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ اچھا ہی ہوا۔ اگر وہ تمہارے پاس ہی رہے تو کیا ہرج ہے! تمہیں اس سے گھر کے کاموں میں مدد ملے گی۔ کہاں ہے۔ ذرا بلاؤ تو "

کملا نے امیش کو اندر بلا لیا۔ امیش نے کلیانی کو پرنام کیا۔ انہوں نے نام وغیرہ پوچھا، اور وہ بھی وہیں رہنے لگا۔

امیش کی مدد سے کملا تمام کام ختم کر کے کمل نین کے کمرے میں گئی۔

کمرے کو صاف کرتے کرتے اس نے ایک الماری کھولی تو اس کے ایک خانے میں کمل نین کی کھڑاؤں کا ایک جوڑا پڑا تھا۔ کملا نے ان کو اٹھا کر پیشانی سے لگایا اور آنچل سے صاف کر کے پھر وہیں رکھ دیں۔

تیسرے پہر کملا کلیانی کے پیروں کے پاس بیٹھی ان کے تلووں پر تیل مل رہی تھی کہ نلنی ہاتھ میں پھولوں کی ڈالی لئے داخل ہوئی اور کلیانی کو پرنام کیا۔

کلیانی اُٹھ بیٹھیں اور محبت بھرے لہجے میں بولیں "آؤ، بیٹھو، آنند چرن بابو اچھے ہیں؟"

کلیانی نے کملا کو دکھا کر کہا "یہ دیکھو بیٹی، بچپن ہی میں میری ماں مر گئی تھی۔ انہوں نے پھر جنم لے کر اتنے دن بعد اچانک کل راستے میں مجھے درشن دیا۔ میری ماتا کا نام پاربتی تھا۔ اور ان کا نام "ستی" ہے۔ کہو تم نے کبھی ایسی لکشمی مورتی دیکھی ہے؟"

کملا نے شرم سے سر جھکا لیا۔ آہستہ آہستہ اس کا نلنی سے تعارف ہو گیا۔

نلنی نے کلیانی سے پوچھا "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

کلیانی نے کہا "میں اب بوڑھی ہوئی۔ میری عمر کو دیکھتے ہوئے کیا میرا حال پوچھنے کے قابل ہے؟ کچھ دن کی مہمان ہوں۔ کسی دن چل بسوں گی۔ ہاں، تم نے خوب یاد دلایا۔ میں کتنے ہی دنوں سے کہنے والی تھی، لیکن کہہ نہ سکتی تھی۔ لیکن کل رات جب مجھے بخار آیا، تو میں نے سوچا کہ اب دیر کرنا مناسب نہیں۔ دیکھو بیٹی، بچپن میں اگر مجھ سے کوئی شادی کا ذکر کرتا، تو میں شرم سے مر جاتی۔ لیکن تمہاری تعلیم ویسی نہیں۔ تم پڑھی لکھی ہو، عمر بھی کم نہیں۔ تم سے یہ بات صاف صاف کہنا ہی اچھا ہے۔ ہاں تو اس دن میں نے تمہارے باپ سے جو کچھ کہا تھا کیا

انہوں نے اس کے متعلق تم سے کچھ نہیں کہا؟"

نلنی نے سر جھکا کر جواب دیا: "ہاں کہا تو تھا۔"

"تو شاید تم نے اس بات کو منظور نہیں کیا، اگر تم اس سے متفق ہوتیں، تو آنند چرن بابو فوراً میرے پاس دوڑے آتے۔ تم نے سوچا ہوگا کمل نین سنیاسی ہے۔ اس سے شادی کرنے کا فائدہ؟ لیکن تم اسے پہچان نہیں سکیں، بیٹی تم اب بچی نہیں ہو، پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو۔ تم نے میرے ہی کمل سے منتر دیکشا لی ہے۔ اگر میں اس کے ہاتھ میں تمہیں سونپ کر مروں، تو میرے دل میں کوئی فکر نہ رہے۔ میرے مرنے کے بعد وہ کبھی شادی نہ کرے گا۔ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی۔ یہ ذرا سوچو تو سہی۔ تمہیں کمل نین سے عقیدت بھی ہے۔ آخر تمہیں اعتراض کیا ہے؟"

نلنی نے سر جھکا کر کہا: "اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں، تو مجھے کوئی عذر نہیں۔"

یہ سن کر انہوں نے نلنی کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ اور بڑے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد اس معاملے کے متعلق کوئی اور گفتگو نہیں ہوئی۔

"ستی! یہ پھول ہیں ——" کلیانی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، ستی وہاں نہ تھی۔ وہ پاؤں کی آہٹ بچا کر کبھی کی باہر چلی گئی تھی۔

نلنی اب وہاں بیٹھے ہوئے شرمانے لگی۔ اس نے کہا: "ماں، اب میں جاتی ہوں۔"

کلیانی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا: "بیٹی، پھر آنا۔"

نلنی کے چلے جانے پر کلیانی نے کمل نین کو بلا کر کہا: "اب میں دیر نہیں کر سکتی آج نلنی سے میں نے سب باتیں کھول کر کہہ دیں، وہ رضا مند ہے۔ اب میں تمہارا کوئی عذر نہ سنوں گی۔"

کمل نین نے کہا: "ماں آپ میرے متعلق زیادہ فکر نہ کیا کریں۔ آپ جو چاہیں گی وہی ہوگا۔"

کمل نین کے چلے جانے پر کلیانی نے کملا کو پکارا۔ وہ ساتھ کے کمرے سے فوراً پاس آ کھڑی ہوئی۔ دن ڈھل جانے کے باعث کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس لئے کلیانی اس کے چہرہ کی طرف اچھی طرح نہ دیکھ سکیں۔ انہوں نے کہا: "بیٹی، ان پھولوں پر پانی چھڑک کر انہیں کمروں میں سجا دو۔"

کملا نے ان میں سے کچھ پھول لے کر ایک تھال میں سجا کر کمل نین کی ریاضت کے کمرے میں ان کے آسن کے سامنے رکھ دئے۔ کچھ پھول کمل نین کی خواب گاہ میں ایک تپائی پر رکھ آئی۔ اور باقی ماندہ پھول، الماری کھول کر ان کی کھڑاؤں پر رکھ دئے۔

اسی وقت پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے فوراً الماری بند کر دی۔ مڑ کر دیکھا تو کمل نین تھے۔ کملا کو کسی طرف بھاگنے کی راہ نہ ملی۔ شرم سے سمٹ کر وہ شام کی اس تاریکی ہی میں کیوں نہ مل گئی؟

کملا کو وہاں دیکھ کر کمل نین باہر چلے گئے۔ کملا تیزی سے نکل گئی۔ اب کمل نین اپنے کمرے میں دوبارہ داخل ہوئے۔ یہ جاننے کے لئے کہ کملا الماری کھول کر کیا کر رہی تھی اور مجھے دیکھ کر فوراً بند کیوں کر دی۔ انہوں نے بڑے اشتیاق سے الماری کھول کر دیکھی، ان کی کھڑاؤں پر کچھ پھول رکھے تھے۔ اور ان پر پانی چھڑکا ہوا تھا۔ وہ الماری بند کر کے پاس اندھیرے میں کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔

(۵۶)

نلنی کمل نین کے ساتھ شادی پر رضامندی کا اظہار کر کے اپنے دل کو سمجھانے لگی کہ میرے لئے یہ کچھ کم خوش نصیبی کی بات نہیں، میرا پرانا بندھن ٹوٹ گیا۔ میرے آسمانِ زندگی پہ آندھی اور بارش کا جو طوفان محیط ہو گیا تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔ اب میں آزاد ہوں۔

گھر آ کر نلنی نے سوچا: "اگر آج ماں زندہ ہوتیں، تو آج میں ان سے یہ سب کچھ کہہ کر ان کے دل کو مسرور کرتی۔ لیکن بابو جی سے یہ سب باتیں کیسے کہوں گی؟"

کمزوری کے باعث آج آنند چرن بابو زیادہ دیر تک نہ بیٹھے۔ معمول سے پیشتر

ہی سونے کے لئے چلے گئے۔ نلنی اپنی پُرسکوت خواب گاہ میں سادہ کاپی پر لکھنے لگی۔
"میں موت کے جال میں پھنس کر ساری دنیا سے الگ ہو گئی تھی۔ میں نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا، کہ ایک دن ایشور مجھے اس سے نکال کر پھر زندگی بخشیں گے۔ جس خوش قسمتی کی میں کسی طرح حقدار نہیں۔ آج مجھے وہ حاصل ہو رہی ہے ایشور مجھے ایسی طاقت دے کہ میں زندگی بھر اس کی حفاظت کر سکوں جن کی زندگی سے میری زندگی وابستہ ہونے والی ہے۔ وہ مجھے ہر پہلو سے تکمیل تک پہنچائیں گے، میری یہی دعا ہے کہ میں اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کر سکوں"

اس کے بعد کاپی کو بند کرکے وہ موسم سرما کی اس تاریک رات میں دیر تک باغ کی کنکریلی سڑک پر ٹہلتی رہی۔

دوسرے دن تیسرے پہر آنند چرن نلنی کو ساتھ لے کر کمل نین بابو کے گھر جانے کو تیار ہوئے تھے، کہ پھاٹک پر ایک گاڑی آکر رُکی۔ کوچ بکس سے کمل نین کے ایک نوکر نے اُتر کر اطلاع دی "ڈاکٹر بابو کی ماں آئی ہیں"

آنند چرن جلدی سے پھاٹک پر پہونچے۔ کلیانی نے گاڑی سے اُترتے ہی کہا۔
"آج آپ کی لڑکی کو دیکھنے اور اسے آشیرواد دینے شادی کی تجویز پختہ کرنے کا دستور کرنے آئی ہوں"

بابو آنند چرن نے انہیں بیٹھک میں لے جاکر بڑے احترام سے بٹھایا، اور کہا۔
"آپ بیٹھئے۔ میں نلنی کو بلاتا ہوں"

نلنی کپڑے پہن کر باہر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ کلیانی کے آنے کی اطلاع سُن کر اُن کے پاس گئی۔ اور ان کے پیر چھو کر پرنام کیا۔ کلیانی نے کہا "بیٹی! تمہارا سہاگ ہمیشہ قائم رہے۔ دیکھوں، ذرا تمہارے ہاتھ دیکھوں" یہ کہہ کر انہوں نے اس کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنا دئے۔ کڑے پہن کر نلنی نے پھر سر جھکا کر کلیانی کو پرنام کیا۔ اور کلیانی نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر آنند چرن بابو سے کہا "کل آپ دونوں میرے یہاں

مدعو ہیں۔ صبح آنے کی تکلیف کیجیے گا۔"

دوسرے دن صبح چائے پینے بیٹھے، تو آنند چرن بابو کا چہرہ پہلے سے بھرا ہوا اور مسرور معلوم ہوتا تھا۔ چائے پی کر وہ جانے کی تیاری ہی کر رہے تھے۔ کہ کئی فولادی ٹرنکوں اور بستروں سے لدی ہوئی ایک کرائے کی گاڑی پھر آ کھڑی ہوئی۔ نلنی سر اٹھاتے ہی "بھیا آ گئے" کہتی پھاٹک کی طرف بڑھی۔ جوگیندر مسکراتا ہوا اترا اور پوچھا "نلنی اچھی تو ہو"
نلنی نے کہا۔ "تمہاری گاڑی میں کوئی اور بھی ہے؟"

جوگیندر نے ہنس کر کہا "ہاں ہے تو! بابو جی کے لئے بڑے دن کا ایک تحفہ لایا ہوں"

اتنے میں رمیش بھی گاڑی سے اتر آیا۔ نلنی ایک بار اس کی طرف دیکھ کر اندر بھاگ گئی۔
رمیش ٹھٹھک کر کھڑا ہو رہا۔ اور سوچنے لگا کہ وہ اندر چلے یا لوٹ جائے۔
جوگیندر نے کہا "رمیش آؤ۔ بابو جی یہیں بیٹھے ہیں" یہ کہہ کر رمیش کا ہاتھ پکڑ کر بابو آنند چرن کے پاس لے گیا۔

آنند چرن دور ہی سے رمیش کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اور سر پر ہاتھ پھیر کر سوچنے لگے، کہ یہ رکاوٹ پھر کہاں سے آ موجود ہوئی۔

رمیش نے سر جھکا کر آنند چرن کو نمسکار کیا۔ آنند چرن نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے کہا "جوگیندر، تم عین وقت پر پہنچے! میں تمہیں تار دینے کا ارادہ کر رہا تھا"
جوگیندر نے پوچھا "کیوں؟"

"کمل نین کے ساتھ نلنی کے بیاہ کی بات پکی ہو گئی ہے۔ کمل نین کی ماں نلنی کو دیکھ کر آشیرواد دے گئی ہیں"

"یہ کیا؟ بیاہ کی بات پکی ہو گئی! آپ نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تک نہیں"

"کوئی پتہ تو تھا نہیں، کہ کب تم کیا کہو گے! جب میں کمل نین کو جانتا تک نہ تھا، تو تمہیں لوگ اس شادی کا انتظام کر رہے تھے"

"جب کی بات جانے دیجئے۔ اس وقت میرا خیال کچھ اور ہی تھا۔ اب بھی وقت ہے

مجھے آپ سے بہت کچھ کہنا ہے پہلے میری باتیں سُن لیجئے۔"
"اچھا، پھر کسی دن سُن لوں گا۔ آج تو مجھے فرصت نہیں۔ ابھی مجھ کو باہر جانا ہے۔"
"کہاں جا رہے ہیں؟"
"میں اور نلنی آج کمل نین کے ہاں مدعو ہیں۔ تمہارے کھانے پینے کا یہیں ..."
"نہیں نہیں، میرے لئے آپ کچھ فکر نہ کریں۔ رمیش کے ساتھ یہاں کسی ہوٹل میں جا کر کھا پی لوں گا۔ شام تک تو آپ لوٹ آئیں گے۔ اس وقت تک ہم بھی آجائیں گے۔"

(۵۷)

کلیانی نے گھر جا کر کملا سے کہا "بیٹی، کل نلنی اور اس کے پتا کو یہاں کھانے کی دعوت دے دی ہے۔ کہو، کیا تیاری کی جائے؟ باپ بیٹی کو ایسا عمدہ کھانا کھلانا چاہئے۔ کہ انہیں شک نہ رہے، کہ میری لڑکی کو یہاں کھانے کی تکلیف ہو گی ... ارے یہ تمہارا چہرہ ایسا اُداس کیوں ہے؟ کیا طبیعت اچھی نہیں؟"

کملا نے خشک ہنسی ہنس کر کہا "بہت اچھی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے یہاں تمہارا جی نہیں لگتا۔ اگر یہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف ہے۔ یا تم اپنے کسی رشتہ دار سے ملنا چاہتی ہو، تو کہو میں اس کا مناسب انتظام کر دونگی۔"

"نہیں ماں، آپ کی خدمت کے سوا میں اور کچھ نہیں چاہتی۔"

کلیانی نے سنی اَن سنی کر کے کہا۔

"نہ ہو تو کچھ دن کے لئے چکرورتی جی کے گھر چلی جاؤ۔ پھر جب تمہارا جی چاہے چلی آنا۔"

کملا نے مضطرب ہو کر کہا "ماں، جب تک میں آپ کی خدمت میں رہوں گی، مجھے کسی قسم کی فکر نہ رہے گی۔ اگر مجھ سے آپ کی خدمت میں کوئی کمی رہ جائے، تو جو آپ کے جی میں آئے، سزا دیں۔ لیکن مجھے ایک دن کے لئے بھی اپنے چرنوں سے جدا نہ کرنا۔"

کلیانی نے کملا کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا "اسی لئے تو کہتی ہوں کہ پہلے جنم میں تم

میری ماں ہنسیں "اچھا، اب جاکر سو رہو۔ دن بھر تو تمہیں کام ہی سے فرصت نہیں ملتی"۔
کملا اپنی خواب گاہ میں جاکر کروٹیں بدلتے بدلتے سو گئی۔ رات کو دو تین بار اس کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ جب بھی اس کی آنکھ کھلتی، وہ منتر کی طرح جاپ کرنے لگتی: "میں کچھ نہ چاہوں گی، میں کچھ نہ چاہوں گی" صبح سویرے اس نے بستر سے اٹھ کر ہاتھ جوڑ کر دل سے عہد کیا۔ "میں زندگی بھر تمہاری خدمت کروں گی۔ اور کچھ نہ چاہوں گی"
اس کے بعد جھٹ پٹ منہ ہاتھ دھو کر اور کپڑے بدل کر وہ کمل نین کے چھوٹے سے "ریاضت کدہ" میں پہنچی۔ اپنے آنچل سے اچھی طرح جھاڑ پونچھ کر کمرے کو صاف کیا۔ چیزیں درست کر کے رکھیں، اور گنگا اشنان کے لئے چلی گئی۔
اشنان کر کے گھر آنے پر کملا نے مسرور و خنداں چہرے سے کلیانی کو پرنام کیا۔ وہ بھی اشنان کے لئے جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کہنے لگیں: "اتنے سویرے اشنان کو چلی گئیں، میرے ساتھ چلتیں، تو بھی زیادہ دیر نہ لگتی"
"لیکن ماں جی! آج کام جو بہت ہے"
اتنے میں کمل نین کو باہر سے آتے دیکھ کر کملا اپنے گیلے بالوں پر کپڑا ڈال کر اندر چلی گئی۔ کمل نین نے ماں کو نہانے کے لئے جاتے دیکھ کر کہا: "کل تمہاری طبیعت کچھ اچھی نہ تھی، آج صبح ہی پھر اشنان کی تیاری ہے!"
کلیانی نے کہا: "تم اپنی ڈاکٹری رہنے دو۔ صبح گنگا اشنان نہ کرنے سے بھی کوئی امر (غیر فانی) نہیں ہوتا۔ شاید تم باہر جا رہے ہو۔ ذرا جلدی لوٹ آنا"
"کیوں؟"
"میں کل تم سے کہنا بھول گئی تھی۔ آج آنند چرن بابو تمہیں دیکھنے اور آشیرواد دینے آئیں گے"
"آشیرواد دینے آئیں گے؟ یکایک وہ مجھ پر اتنے خوش کیوں ہو گئے؟ ان سے تو میری روز ہی ملاقات ہوتی ہے"
"تم کل نلنی کو سونے کے کڑے پہنا کر آشیرواد دے آئی تھی۔ اسی لئے آج

وہ تمہیں آشیرواد دینے آئیں گے۔ تم جلد آنا۔ وہ کھانا بھی یہیں کھائیں گے۔"
یہ کہہ کر وہ نہانے کے لئے چلی گئیں۔ کمل نین سر جھکائے سوچتے سوچتے سڑک پر آ گئے۔

(۵۸)

نلنی رمیش کو دیکھتے ہی بھاگ کر اندر آئی۔ اور اپنی خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے چارپائی پر بیٹھ گئی۔ دل کا ہنگامی جوش کم ہونے پر وہ اپنے خواہ مخواہ بھاگ آنے کی بات سوچ کر دل ہی دل میں پچھتانے اور شرم سے کٹنے لگی: "میں رمیش بابو سے حسب معمول کیوں نہ ملی، جس بات کی مجھے امید نہیں ہوتی، وہ اس طرح یکایک مجھ میں کیوں آ جاتی ہے؟ کچھ نہیں، یہ میرے دل کی کمزوری ہے۔ اس طرح ڈھلمل رہنا اچھا نہیں۔"
یہ سوچ کر وہ زبردستی اٹھی۔ اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اس نے عزم کیا۔ "میں نہیں بھاگوں گی۔ میں فتح حاصل کروں گی۔" پھر وہ ڈھارس باندھ کر رمیش سے ملاقات کرنے چلی۔ لیکن نہ جانے یکایک اسے کیا خیال آیا، کہ لوٹ پڑی۔ ٹرنک کھول کر اس میں سے کلیانی کے دیئے ہوئے سونے کے کڑے نکال کر دونوں ہاتھوں میں پہن لئے۔ گویا مسلح ہو کر جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو کر وہ باغ کی طرف روانہ ہوئی۔
آنند چرن نے پوچھا: "نلنی کہاں جاتی ہو؟"
"رمیش بابو اور بھیا آئے ہیں نہ؟"
"نہیں وہ چلے گئے۔ ہاں، تو اب کمل نین کے۔۔۔"
"ہاں، میں چلتی ہوں۔ غسل میں کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی، آپ گاڑی منگوا لیجئے۔"
جلدی سے نہا دھو کر نلنی نے نئے کپڑے پہنے۔ اور بالوں کو سنوارا۔ جب کمل نین کے گھر پہنچے، تو وقت ساڑھے دس سے زیادہ نہ ہوا تھا۔ بابو کمل نین ابھی تک باہر سے لوٹ کر نہ آئے تھے، اس لئے کلیانی ہی کو ان کا سواگت کرنا پڑا۔

نلنی کے چہرے پر فکر و غم کے آثار دیکھ کر کلیانی کو کھٹکا سا ہوا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگیں کہ ایسی کون لڑکی ہوگی، جو میرے کمل سے بیاہ ہونے پر نازاں نہ ہو لیکن تعلیم کے نشہ میں یہ میرے کمل کو اپنے قابل نہیں سمجھتی۔ یہ بات نہ ہو، تو اس کے دل میں اتنی فکر کیوں؟ چہرے پر اتنی اداسی کیوں؟ لیکن اس بے چاری کا کیا قصور؟ یہ سب میرا ہی قصور ہے، میں بوڑھی ہو گئی۔ مگر پھر بھی ضبط سے کام نہ لے سکی۔ دل میں خیال آتے ہی شادی پر تیار ہو گئی۔ کچھ سوچ کر انہوں نے آنند چرن سے کہا "بیاہ کے لئے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، یہ دونوں سمجھدار ہیں۔ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کام کریں۔ اس کے لئے ہمارا دباؤ ڈالنا درست نہیں، نلنی کے دل میں کیا ہے' یہ میں نہیں جانتی۔ البتہ کمل نین کی بات کہہ سکتی ہوں۔ وہ ابھی تک اپنے دل میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا"

یہ بات انہوں نے نلنی کو سنانے کے لئے ہی کہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فریق ثانی یہ اندازہ لگائے کہ ان کا بیٹا اس شادی پر پھولا نہیں سماتا"

کمل نین کو آنے میں دیر ہو گئی۔ کلیانی اس سے دل ہی دل میں خوش ہوئیں اور انہوں نے نلنی کی طرف دیکھ کر کہا "تم نے دیکھا، کمل کو تم لوگوں کے آنے کی خبر تھی۔ پھر بھی اس کا کہیں پتہ نہیں، آج تھوڑا ہی سا کام کر کے چلا آتا" یہ کہہ کر وہ یہ دیکھنے چلی گئیں کہ رسوئی میں ابھی کتنی دیر ہے۔ ان کی خواہش تھی، کہ وہ کملا اور نلنی کو باتوں میں الجھا کر خود آنند چرن سے بات چیت کریں۔

کلیانی نے دیکھا کہ کملا کھانا تیار کر کے اسے ہلکی آنچ میں گرم رہنے کے لئے رکھ کر ایک کونے میں چپ بیٹھی کسی خیال میں محو ہے۔ یکایک کلیانی کو سامنے دیکھ کر وہ چونک پڑی۔ لیکن فوراً ہی شرما کر مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کلیانی نے کہا "ارے تم رسوئی کے پیچھے بہت حیران ہو رہی ہو"

"رسوئی تو تیار ہے!"

"تم یہاں چپ چاپ کیوں بیٹھی ہو؟ آنند چرن تو بوڑھے آدمی ہیں، ان کے سامنے

جانے ہیں کیسی شرم؟ نلنی آئی ہے۔ اسے اپنے کمرے میں لے جاکر باتیں کرو۔ میں بڈھی عورت ہوں۔ میرے ساتھ اس کا جی نہ لگے گا۔"

کملا نے جھجک کر کہا: "میں ان سے کیا بات چیت کروں گی۔ وہ پڑھی لکھی ہیں، اور میں بالکل جاہل!"

"یہ تم کیا کہتی ہو؟ تم کسی سے کم عقلمند اور سلیقہ شعار نہیں ہو۔ لکھ پڑھ کر کوئی عورت اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا سمجھے۔ لیکن تم سے زیادہ عزت پانے کی مستحق شاید ہی کوئی ہو۔"

کملا نے شرما کر کہا: "ماں، وہ سب اکیلے بیٹھے ہیں، کیا کہتے ہوں گے؟ دیر ہو رہی ہے۔"

"دیر ہونے دو۔ آج میں تمہارا سنگار کئے بغیر نہ رہوں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے کملا کا سنگار کیا۔ اور اسے اپنے ہمراہ زبردستی مہمانوں کے کمرے میں لے گئی۔ وہاں دیکھا کمل نین ان سے باتیں کر رہے ہیں۔ کملا نے کمل نین کو دیکھ کر وہاں سے لوٹ جانا چاہا۔ لیکن کلیانی نے روک کر کہا: "اتنا شرماتی کیوں ہو یہاں سب اپنے ہی تو ہیں۔"

کملا کو دیکھ کر سب چونک اٹھے۔ نلنی نے پہلے دن جب اسے دیکھا تھا، تو اس وقت اس کے بناؤ سنگار کا یہ ٹھاٹھ نہ تھا۔ آج اسے دیکھ کر نلنی لمحہ بھر کیلئے حیرت میں آگئی۔ اس کے بعد اس نے کھڑے ہو کر شرم سے پسینہ میں نہائی ہوئی کملا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

کلیانی کے دل کی آرزو پوری ہو گئی۔ وہ نلنی پر فتح حاصل کر کے پھولی نہ سمائیں۔ انہوں نے کملا سے کہا: "تم نلنی کو اپنے کمرے میں لے جاکر گپ شپ کرو۔ میں اتنے میں کھانے کی جگہ ٹھیک کر آؤں۔"

کملا کے دل میں عجیب و غریب خیالات پیدا ہونے لگے۔ وہ سوچنے لگی، نہ جانے نلنی مجھے کس نظر سے دیکھے گی!"

نلنی اس کے کمرے میں جاکر آہستہ آہستہ کہنے لگی: "تمہاری سب باتیں میں نے ماں سے سُنی ہیں، سُن کر بڑا دکھ ہوا۔ تم مجھے اپنی بہن سمجھنا۔ تمہاری کوئی بہن ہے؟"

نلنی کی محبت اور ہمدردی سے متاثر ہو کر کملا نے کہا: "میری حقیقی بہن کوئی نہیں جب میں چھوٹی سی تھی، تو میری ماں مرگئیں۔ کتنی ہی بار دُکھ سُکھ کے موقعہ پر میں نے سوچا ہے ماں نہیں ہیں تو نہ سہی، اگر ایک بہن ہوتی تو میں کتنی خوش ہوتی! کوئی ایسا نہیں جس سے میں دل کے دکھ سکھ کی باتیں کہہ سکتی۔"

کملا کے دل کے سب شک رفع ہوگئے۔ اس نے کہا: "بہن، کیا تم مجھے پسند کرو گی؟ ... مجھے تم نہیں جانتیں، میں بڑی بے وقوف ہوں۔"

نلنی نے ہنس کر کہا: "بہن! جب تم مجھے اچھی طرح جانو گی، تو دیکھو گی کہ میں بھی سراسر احمق ہوں۔ کچھ کتابیں پڑھ کر یاد کرلی ہیں، اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ اسی لئے کہتی ہوں کہ اگر میں اس گھر میں آؤں۔ تو کبھی میرا ساتھ نہ چھوڑنا بہن! میں گرہستی کے بارے بہت ڈرتی ہوں۔"

کملا نے بچوں کے سے معصومانہ انداز میں کہا: "تم سارا بار مجھ پر ڈال دینا۔ میں بچپن ہی سے کام کاج کرتی آرہی ہوں۔ میں گرہستی کے کسی کام سے نہیں ڈرتی۔ تم انہیں سُکھی رکھنا، میں تم سب کی خدمت کروں گی۔"

نلنی نے پوچھا: "اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم نے اپنے سوامی کو اچھی طرح دیکھا تھا یا نہیں ان کی کچھ یاد ہے تمہیں؟"

کملا نے اس سوال کا ٹھیک جواب نہ دے کر کہا: "میں نہ جانتی تھی بہن، کہ سوامی کو یاد کرنا ہوتا ہے۔ جب میں چاچی کے گھر آئی، تو بہن ان پورنا کو اپنے سوامی کی خدمت کرتے دیکھ کر مجھے پہلے پہل اس کا احساس ہوا۔ میں نے اپنے سوامی کو کبھی دیکھا نہیں لیکن کہہ نہیں سکتی کہ ان کی بھگتی کی لہر میرے دل میں کیسے پیدا ہوگئی۔ بھگوان نے میرے اس کی پوجا کا پھل دیا۔ اب سوامی میرے دل کے مندر میں میری آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے قبول نہیں کیا ۔ لیکن اب تجھے مل تو گئے ہیں۔"

کملا کی اس عقیدت آمیز گفتگو سے نلنی کا دل بے حد متاثر ہوا۔ قدرے خاموشی کے بعد بولی: "میں تمہاری بات اچھی طرح سمجھ گئی۔ اس طرح حاصل کرنا ہی اصل میں حاصل کرنا ہے"۔

کملا نے کہا: "بہن تم جو کہتی ہو' وہی سچ ہوگا۔ میں اپنے دل میں کسی طرح کے دکھ کو نہیں آنے دیتی۔ مجھے جو کچھ مل گیا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتی ہوں"۔

نلنی نے بڑے پیار سے کملا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "نفع اور نقصان دونوں کو برابر سمجھنا ہی حقیقی نفع ہے۔ میرے گورو کا یہی اُپدیش ہے۔ بہن! سچ کہتی ہوں اگر میں تمہاری طرح سب کچھ دے کر اس مقصد کو حاصل کر سکتی، تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی"۔

کملا نے قدرے متحیر ہو کر پوچھا: "کیوں بہن! تمہیں کس بات کی کمی رہے گی؟ تمہیں تو سب کچھ ملے گا"۔

نلنی نے کہا: "جو پانے کے قابل ہے اسی کو پا کر مسرور ہو سکتی ہوں۔ لیکن جو اس سے زیادہ ہے۔ اسے حاصل کرنا ایک بوجھ ہے۔ ایک دُکھ ہے۔ بہن' تم نہیں جانتیں' کہ آج میرا دل کس بوجھ سے دبا جا رہا تھا۔ تم مل گئیں' اس سے میرے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا۔ مجھے طاقت مل گئی۔ اسی لئے میں نے اتنا بولنے کی جرأت کی۔ ورنہ میں اتنی باتیں کبھی نہ کر سکتی۔ بہن! نہ جانے کس طرح تم میرے دل کی باتیں باہر نکلوا رہی ہو!"

(۵۹)

کلیانی کے گھر سے واپس آنے پر نلنی کو اپنی میز پر ایک بہت بڑی چٹھی ملی۔ لفافے کے حروف دیکھ کر وہ سمجھ گئی' کہ یہ رمیش کی چٹھی ہے۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ یہ خط لے کر اپنی خوابگاہ میں پہنچی۔ اور دروازہ بند کر کے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے خط کھول کر پڑھنے لگی۔

چٹھی میں رمیش نے کملا کے متعلق تمام باتیں انتہائی وضاحت سے لکھی تھیں' اور آخر میں لکھا تھا۔

"ایشور نے تمہارے ساتھ جو میرا بندھن مضبوط کر دیا تھا۔ اسے دنیا نے توڑ ڈالا۔ اب تم نے اپنا من کسی اور کو سونپ دیا ہے۔ اس کے لئے میں تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرا سکتا۔ لیکن تم بھی مجھے الزام نہ دینا۔ اگرچہ میں نے کملا سے ایک دن بھی وہ سلوک نہیں کیا۔ جو پتی اپنی پتنی سے کرتے ہیں۔ تاہم اس نے آہستہ آہستہ میرے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس بات کو میں تم سے چھپانا نہیں چاہتا۔ میں نہیں جانتا کہ آج میرے دل کی کیا حالت ہے۔ اگر تم مجھے نہ چھوڑتیں، تو میں تمہارے دل میں پناہ ڈھونڈ لیتا۔ اسی امید سے میں اپنے مضطرب دل کو لے کر تمہارے پاس دوڑا آیا تھا۔ لیکن آج جب میں نے صاف دیکھ لیا کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو، جب سنا کہ تم دوسرے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو تو میرے دل میں پھر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ میں نے دل میں جھانکا تو دیکھا کہ میں کملا کو پورے طور سے نہیں بھول سکا۔ اسے بھولوں یا نہ بھولوں، اس سے میرے سوا دنیا میں اور کسی کا نقصان نہیں۔ پھر میرا ہی نقصان کیسا؟ دنیا میں جن دو عورتوں کو میں نے دل سے چاہا ہے، انہیں بھول جانے کی طاقت مجھ میں نہیں۔ اور زندگی بھر اُن کی یاد رکھنے ہی میں میرا فائدہ ہے۔ میں بڑی خوشی سے اطمینانِ قلب سے تم سے رخصت چاہتا ہوں میں اپنے دل سے تم سے رخصت ہوں گا۔ ایشور مجھے طاقت دے کہ رخصت ہوتے وقت میں کسی قسم کی عاجزی یا کمزوری کا احساس نہ کروں۔ تم خوش رہو۔ راحت و آرام سے رہو۔ مجھے نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھنا، مجھ سے نفرت کرنے کی کوئی وجہ نہیں!"

آنند چرن بابو کرسی پر بیٹھے ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ یکایک نلنی کو دیکھ کر وہ چونک اُٹھے اور بولے "نلنی! تمہارا چہرہ اُترا ہوا ہے، طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت اچھی ہے بابوجی! رمیش بابو کا ایک خط ملا ہے، لیجئے پڑھ کر مجھے واپس دے دیجئے گا۔" یہ کہہ کر نلنی خط دے کر وہاں سے چلی گئی۔ آنند چرن بابو نے چشمہ لگا کر بڑے غور سے اس خط کو دوبارہ پڑھا۔ پھر نلنی کے پاس چھٹی واپس بھیج کر سوچنے لگے۔ دیر تک سوچنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے، کہ یہ اچھا ہی ہوا۔ رمیش کی نسبت کمل بن کہیں بہتر ہے۔ اچھا ہوا کہ رمیش خود ہی راستے سے ہٹ گیا۔

وہ سوچ ہی رہے تھے کہ کمل نین بابو آ گئے۔ انہیں دیکھ کر بابو آنند چرن کو حیرت سی ہوئی۔ صبح دیر تک کمل نین سے بات چیت ہوتی رہی تھی، پھر وہ دوبارہ کس لئے آئے ہیں؟ بڈھے نے دل ہی دل میں ہنس کر کہا: "کچھ نہیں، ممی کو دیکھنے کے لئے آیا ہوگا؛"

لتے میں کمل نین نے کہا: "بابو جی، میرے ساتھ آپ کی لڑکی کے بیاہ کی بات چیت ہو رہی ہے۔ بات طے ہونے سے پہلے میں اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں؛"

"ہاں ہاں کہو؛"

"آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میرا بیاہ پہلے ہی ہو چکا ہے؛"

"معلوم ہے۔ لیکن......"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اس بات کو جانتے ہیں۔ شاید آپ سمجھتے ہوں گے، کہ وہ مر گئی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہ زندہ ہے؛"

"ایشور کریں، یہی بات ہو؛"

یہ کہہ کر آنند چرن نے ممی کو بلا کر اس سے رمیش کی چٹھی لے کر کمل نین کو پڑھنے کے لئے دی۔

چٹھی پڑھ کر کمل نین سناٹے میں آ گئے۔ آنند چرن بولے: "ایسے حیرت انگیز واقعات عموماً نہیں ہوتے۔ اس خط سے آپ کے دل کو صدمہ تو پہنچا ہوگا۔ لیکن اسے آپ سے پوشیدہ رکھنا بھی مناسب تھا؛"

کچھ دیر تک چپ بیٹھے رہنے کے بعد کمل نین بابو، آنند چرن کو نمسکار کر کے چلے گئے۔

کمل نین کے چلے جانے پر جوگیندر آیا۔ آنند چرن نے پوچھا: "جوگیندر، کیوں اکیلے ہی؟"

"اور دوسرے کس شخص کی آپ کو امید تھی!"

"کیوں، رمیش؟"

"اس کے یہاں آتے ہی اس کا جو سواگت ہوا، وہ سمجھدار شخص آدمی کے لئے کافی

نہیں ؟ اگر اب تک گنگا کی لہروں میں پناہ نہ ڈھونڈ چکا ہو، تو کہہ نہیں سکتا کہ کہاں ہوگا! کل ہی سے لاپتہ ہے۔ میز پر ایک رقعے میں لکھا تھا" میں جا رہا ہوں ــــ تمہارا رمیش!" اس طرح کی شاعری میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"

بابو آنند چرن نے کہا: "نلنی کے لئے کچھ فیصلہ کر کے"

"آپ اس کا ذکر نہ کیجئے۔ میں کچھ فیصلہ کروں، اور آپ اسے رد کریں۔ یہ کھیل بہت دنوں تک اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اب جو آپ کے جی میں آئے۔ کیجئے۔ میں اس میں دخل نہ دوں گا۔ میں جو بات اچھی طرح نہیں سمجھتا، اسے پسند بھی نہیں کرتا۔ میں کل صبح کی گاڑی سے جا رہا ہوں۔ راستہ میں بانکی پور میں کچھ کام ہے؟"

بابو آنند چرن چپ چاپ سر کھجانے لگے۔ وہ پھر اسی الجھن کو سلجھانے میں اُلجھ گئے۔

(۶۰)

ان پورنا اور اس کے پتا چکرورتی جی کمل نین کے گھر آئے۔ ان پورنا کملا کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی۔ چکرورتی جی کمپانی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے کہا: "میری چھٹی تو ختم ہو گئی۔ کل ہی غازی پور جانا ہے۔ اگر ستی کسی طرح آپ کو دق کرتی ہو، یا اسے رکھنا....."

کمپانی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: "دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ آپ اپنا مطلب صاف صاف کہئے۔ آپ اپنی لڑکی کو کسی بہانے سے لے جانا تو نہیں چاہتے؟"

"مجھے ایسا شخص نہ سمجھیں۔ لیکن بابو کمل نین کو شاید ــــ"

"آپ قطعی فکر نہ کریں۔ کمل نین نے کبھی ستی کی شکایت نہیں کی ــــ وہ کسی سے ناراض ہونے والا ہی نہیں۔"

"آپ کی بات سے میرے دل کی فکر دور ہو گئی۔ پھر بھی جانے سے پہلے میں کمل نین سے اس بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد ان میں کمل نین کی شادی کا ذکر چھڑ گیا۔ چکرورتی جی نے کہا "میں نے سُنا ہے کمل نین کے بیاہ کی بات چیت ہو رہی ہے۔ لڑکی کی عمر بھی کچھ کم نہیں ہے تو پڑھی لکھی، لیکن اس کے طور طریقے اور رواج ہمارے سماج کے ساتھ نہیں ملتے۔ اسی لئے میں سوچتا تھا کہ شاید ستی ...."

"کیا میں یہ نہیں سمجھتی، واقعی یہ فکر کی بات تھی، لیکن اب وہ شادی نہیں ہوگی۔"

"کیا رشتہ ٹوٹ گیا؟"

"جب ہوا ہی نہیں تو ٹوٹے گا کیا؟ میں نے ہی ضد کر کے اسے راضی کیا تھا لیکن اب میں اسے اس بیاہ کے لئے مجبور نہ کروں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں مرنے سے پہلے بہو کا منہ نہ دیکھ سکوں گی۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کہیں۔ ہم سب بھی کس لئے؟ رشتہ کئے اور مٹھائی کھائے بغیر کیا ہم یونہی چلے جائیں گے؟"

"آپ کے منہ میں گھی شکر! مجھے ہر وقت کمل ہی کی فکر رہتی ہے۔ میری ہی وجہ سے وہ سب کچھ چھوڑ کر برہمچاری بنا ہوا ہے۔ اسی لئے میں نے جھٹ پٹ اس کی شادی طے کر دی تھی۔ لیکن اب میں نے اس امید کو چھوڑ دیا ہے۔ اب آپ ہی اس کی شادی کرا دیجئے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ جو کچھ آپ چاہتی ہیں، وہی ہوگا۔ آپ ابھی بہت دن جئیں گی۔ اور بہو کا چاند سا مکھڑا بھی دیکھیں گی۔"

کیانی سے رخصت ہو کر چکرورتی نے انّ پورنا اور کملا کے پاس آ کر دیکھا کہ کملا کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے ہیں۔ انہوں نے انّ پورنا کے پاس بیٹھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ انّ پورنا نے کہا: "میں کملا سے کہہ رہی تھی، کہ اب کمل نین بابو سے سب باتیں کھول کر کہنے کا موقعہ آ گیا ہے۔ اب خاموش رہنے سے کام نہ چلے گا۔ اسی لئے آپ کی یہ نادان ستی مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔"

کملا بولی: "نہیں بہن، میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ ایسی بات پھر نہ کہنا۔ یہ مجھ

سے کسی طرح نہ ہوگا"

ان پورنا نے کہا "تمہاری عقل بھی خوب ہے۔ تم چپکی سادھے بیٹھی رہو۔ اور نلنی کے ساتھ کمل نین کا بیاہ ہو جائے؟"

"لیکن میری باتیں کسی سے کہنے کے قابل ہیں بھی؟ میں سب کچھ برداشت کر سکوں گی، لیکن یہ شرم برداشت نہ کر سکوں گی۔ میں جس طرح ہوں، جس حالت میں ہوں، اچھی ہوں۔ مجھے کوئی دکھ نہیں، لیکن اگر میری سب باتیں ظاہر ہو جائیں گی، تو میں کس منہ سے ایک لمحہ بھی اس گھر میں رہ سکوں گی؟ شرم کے مارے میں زندہ کس طرح رہوں گی؟"

ان پورنا اس کا کوئی جواب دے سکی۔ چکرورتی نے کہا "جس بیاہ کا ذکر کر رہی ہو، کیا یہ لازمی ہے کہ وہ ہوگا ہی!"

ان پورنا بولی "سنتی ہوں سب کچھ طے ہو چکا ہے۔ کمل نین کی ماں آشیرواد کی رسم بھی ادا کر آئی ہیں"

چکرورتی جی نے کہا "اس بیاہ کی بات رک گئی ہے، کمل نین اس کے لئے رضامند نہیں ہوا۔ اور اس کی ماں بھی کچھ متذبذب ہیں"

اتنے میں امیش ہنستا ہوا اندر آیا۔ اور بولا "رمیش بابو نیچے کھڑے ہیں۔ وہ ڈاکٹر بابو سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں"

کملا کا چہرہ زرد ہو گیا۔ چکرورتی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے "بیٹی، ڈرو نہیں۔ میں ابھی جا کر سب کچھ ٹھیک کر آتا ہوں"

چکرورتی جی نے نیچے جا کر رمیش کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آج کدھر بھول پڑے؟ آیئے۔ ادھر آیئے۔ راستے میں چلتے چلتے آپ سے دو ایک باتیں کہوں"

رمیش نے متحیر ہو کر پوچھا "چکرورتی جی، آپ یہاں کیسے؟"

"آپ ہی کی تلاش میں آیا تھا۔ اچھا ہی ہوا کہ آپ مل گئے۔ اب دیر نہ کیجئے۔ ادھر آیئے۔ کام کی بات جلدی ہی ہو جانی چاہئے"

یہ کہہ کر رمیش کو بھیڑ سے لے جاکر چکرورتی جی نے ٹہلتے ٹہلتے کہا: "رمیش بابو! آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟"

رمیش نے کہا: "کمل نین بابو کی تلاش میں آیا تھا۔ ان سے کملا کے تمام حالات کہہ دینا چاہتا ہوں۔ میرے دل میں کبھی کبھی ایسا خیال آتا ہے کہ کملا مری نہیں، ابھی تک زندہ ہے۔"

چکرورتی جی بولے: "ہاں بیٹے کملا زندہ ہے اور کمل سے اس کی ملاقات بھی ہو گئی۔ تو پھر آپ کے منہ سے کملا کا تمام حال سننے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ ان کی بوڑھی ماں دھرم کی بڑی پابند ہیں۔ یہ باتیں سنیں گی تو کیا کملا کے لئے اچھا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتا کہ سماج کی رو سے کیا نتیجہ ہوگا۔ لیکن کمل نین بابو کو یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ کملا بے قصور ہے۔ کملا اگر مر گئی ہو گی، تو بھی کمل نین بابو عزت و احترام کے ساتھ اس کا نام لے سکیں گے۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، کملا زندہ ہو، یا مر گئی ہو۔ اس کی یاد تازہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سامنے جو مکان نظر آ رہا ہے۔ میں اسی میں ٹھہرا ہوں۔ اگر آپ کل صبح میرے یہاں آ جائیں، تو میں سب باتیں آپ سے کہہ دوں۔ لیکن اس سے پیشتر آپ کمل نین سے نہ ملئے گا۔"

"بہت اچھا" کہہ کر رمیش رخصت ہوا۔

چکرورتی جی نے وہاں سے لوٹ کر کملا سے کہا: "کل صبح تمہیں میرے گھر آنا ہوگا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے، وہاں تم خود سب باتیں سوچ سمجھ کر رمیش سے کہنا۔"

کملا سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اتنے میں کلیانی نے آکر کہا: "چکرورتی جی، مہربانی کر کے ذرا یہاں آیئے!"

دونوں میں کچھ دیر تک نہ جانے کیا باتیں ہوتی رہیں۔ کھانے کے بعد چکرورتی جی نے بیٹھک میں آکر کہا۔

"آپ سب یہاں بیٹھیں، میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے لمحہ ہی بھر میں

دوسرے کمرے سے کملا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمل نین اور کلیانی کے سامنے لا حاضر کیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ان پورنا بھی تھی۔ چکرورتی جی نے کہا: "کمل نین بابو! آپ ہماری ستی کو غیر نہ سمجھئے گا۔ اس بے چاری کو ہم آپ کے گھر میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اسے آپ اپنی بنا کر رکھئے۔ اسے اور کچھ نہ دینا ہوگا۔ صرف خدمت کا پورا پورا حق دیجئے۔ یہ آپ کے گھر کا سب کام کرے گی یقین کیجئے۔ یہ جان بوجھ کر کبھی کوئی قصور نہ کرے گی۔"

کملا شرم سے سمٹ کر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کلیانی نے کہا: "چکرورتی جی! آپ کچھ فکر نہ کریں۔ ستی اس گھر میں لڑکی کی طرح رہے گی۔ کسی کام کے لئے اسے آج تک کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ آہستہ آہستہ اس نے تمام انتظام و اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اپنی خوش انتظامی سے گھر کی تمام چابیاں میرے ہاتھوں سے چھین لی ہیں۔ کہئے اپنی اس "ڈکیت" لڑکی کے لئے آپ اور کیا چاہتے ہیں؟"

"اس جنم بھومی کی دکھیا کو آپ کے گھر آکر آرام و سکون میسر ہوا ہے۔ بھگوان اس کے اس سکھ کو قائم رکھیں۔ آپ لوگ ہمیشہ اس سے خوش رہیں۔ ہم دل سے یہی آشیرواد دیتے ہیں۔"

ایک دن صبح کمل نین کے ایک دوست نے ٹوکری بھر گلاب کے پھول بھیجے تھے۔ کلیانی نے گھر سجانے کے لئے پھول کملا کو دے دئے تھے۔ کمل نین کی خواب گاہ کے گلدان میں جو پھول رکھے تھے۔ ان کی بھینی بھینی روح افزا خوشبو کمل نین کے دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ کھڑکی کے راستے غروب آفتاب کی سرخ شعاعوں کے ساتھ مل کر گلاب کی خوشبو نے کمل نین کے دل میں ایک عجیب آرزو اور اشتیاق پیدا کر دیا تھا۔

کمل نین نے کھڑکی کے پاس سے لوٹ کر کمرے میں دیکھا، تو چارپائی کے سرہانے "کارنس" پر گلاب کے پھول سجے ہوئے تھے۔ نہ معلوم یہ کھلے ہوئے پھول کس کی مشتاق نظارہ آنکھوں کی طرح ان کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور چپ چاپ خود سپردگی کے عالم میں ان کے دل کے آستانے پر جھک گئے تھے۔

کمل نین نے ان میں سے ایک پھول اُٹھا لیا۔ پھول کے لمس سے انہیں یوں محسوس ہوا، جیسے کسی کی نرم و نازک انگلی نے ان کی انگلی کو چھو لیا ہے۔ ان کے جسم میں بجلی کی لہر سی دوڑ گئی۔ وہ اس خاموش پیامبرِ محبت کو اپنے رخساروں اور آنکھوں پر پھیرنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے سورج کی کرنوں نے آخری ہچکی لی۔ اور جلد مغرب میں منہ چھپا لیا۔ کمل نین نے کمرے سے باہر جانے سے پیشتر اس پھول کو بستر کی چادر ہٹا کر تکیے پر رکھ دیا۔ اور باہر جانے لگے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ چارپائی کے اس طرف کوئی آنچل سے منہ چھپائے شرم کے مارے زمین میں سما جانا چاہتی ہے۔ کملا اس کمرے کو گلاب کے پھولوں سے سجا کر اپنے ہاتھ سے کمل نین کا بستر سجا کر باہر جانا چاہتی تھی۔ کہ کمل نین کے آنے کی آہٹ پا کر الٹے پاؤں لوٹ آئی۔ اور چارپائی کے اس طرف جا چھپی۔ اب اس سے نہ بھاگتے ہی بنتا تھا، اور نہ چھپتے ہی! وہ شرم سے چور چور زمین پر اس طرح بیٹھی پکڑی گئی تھی۔

شرم سے گھری ہوئی کملا کو اس شرم و ندامت سے چھٹکارا دینے کے لئے کمل نین جلدی سے باہر جانے لگے۔ دروازے پر جا کر وہ یکایک رُک گئے۔ نہ جانے کیا سوچ کر وہ آہستہ آہستہ لوٹ آئے۔ اور کملا کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: "اٹھو مجھ سے کیا شرماتی ہو!"

(۶۱)

دوسرے دن صبح ہی کملا چکرورتی کے گھر پہنچی۔ ان پورنا کو تنہائی میں پاتے ہی کملا اس کے گلے سے لپٹ گئی۔ ان پورنا نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا: "کیوں بہن، آج اتنی خوش کیوں ہو؟"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن میرا دل یوں محسوس کر رہا ہے جیسے زندگی کا سب بوجھ سر سے اتر گیا ہے!"

"سب باتیں صاف صاف بتاؤ۔ ابھی کل شام تک تو ہم سب وہاں تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ کوئی نئی خبر ہے؟"

"خبر تو ایسی کچھ نہیں، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے وہ مجھے مل گئے ہیں۔

بھگوان گویا مجھ پر مہربان ہو گئے ہوں۔"

"بھگوان کریں یہی ہو، لیکن مجھ سے کچھ چھپاؤ نہیں۔"

"میرے پاس ہے ہی کیا جو چھپاؤں گی۔ آج صبح جب سو کر اٹھی تو مجھے محسوس ہوا جیسے میری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔ مجھے سب کچھ مل گیا۔ کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔"

اتنے میں چکرورتی جی نے آ کر کہا: "کملا، تمہیں ذرا باہر آنا ہوگا۔ رمیش بابو آئے ہیں۔"

اتنی دیر تک چکرورتی جی رمیش سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "آپ کا کملا سے کیا تعلق تھا یہ مجھے معلوم ہو گیا۔ اب میں آپ سے یہی کہوں گا، کہ آپکی زندگی اب الجھنوں سے نکل گئی۔ اب آپ کملا سے متعلق تمام باتیں بھول جائیں۔ اگر اس کی زندگی کی کوئی گرہ سلجھانے والی ہوگی، تو اسے ایشور خود سلجھائے گا۔ آپ اس میں ہاتھ نہ ڈالیں۔"

رمیش نے جواب میں کہا: "کملا کے متعلق تمام باتیں جب تک کمل نین سے نہ کہہ ڈالوں گا۔ اس وقت تک دل کو اطمینان نہ ہوگا۔"

"اچھا، آپ بیٹھئے، میں آتا ہوں۔"

رمیش کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک کسی کی آہٹ سن کر اس نے منہ پھیر کر دیکھا کہ ایک نازنین زمین پر سر ٹیک کر اسے پرنام کر رہی ہے۔ جب وہ پرنام کر کے اٹھی، تو رمیش بیٹھا نہ رہ سکا۔ وہ اٹھ کر بولا: "کملا!"

کملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش کھڑی رہی۔ چکرورتی جی نے کہا: "رمیش بابو، کملا نے ایک حادثہ کے باعث آج تک جو طرح طرح کے دکھ سہے ہیں، وہ ایشور کی مہربانی سے اب دور ہونے والے ہیں۔ ایشور اب اس کے دن پھیرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے مصیبت کے وقت اس کی مدد کی۔ اس کی حفاظت کے لئے آپ کو بھی کچھ کم آفتیں نہیں جھیلنی پڑیں۔ اب آپ سے ہمیشہ کے لئے الگ ہوتے وقت آپ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اسی لئے رخصت سے پہلے آپ سے آشیرواد لینے آئی ہے۔"

رمیش نے قدرے خاموشی کے بعد رکے ہوئے گلے کو صاف کر کے کہا: "کملا! تم سکھی رہو، میں نے جان بوجھ کر یا ناواقفیت میں تمہارا جو قصور کیا ہو، اسے معاف کر دو۔"

کملا اسکے جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔ دیوار کے سہارے چپ چاپ کھڑی رہی۔ رمیش نے پھر کہا: "اگر کسی سے کچھ کہنے کے لئے، کسی قسم کی رکاوٹ دور کرنے کے لئے میری ضرورت ہو، تو کہو۔"

کملا نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "میری یہی درخواست ہے کہ آپ کسی سے بھی میرے متعلق ذکر نہ کریں۔"

رمیش نے کہا: "میں نے کبھی تمہاری کوئی بات کسی سے نہیں کہی تھی۔ بڑی سخت مصیبت میں گرفتار رہنے پر بھی میں نے زبان نہ کھولی تھی۔ کچھ دن ہوئے ہیں نے یہ سوچ کر کہ یہ تمہارے حق میں برائی نہ ہوگی۔ صرف ایک خاندان کو تمہاری کوئی بات بتا دی ہے اس سے تمہاری بہتری ہی مقصود تھی۔ چکرورتی جی کو شاید اس کی خبر مل گئی ہوگی۔ آنند چرن بابو، جن کی لڑکی کے ساتھ......"

چکرورتی جی درمیان میں بول اُٹھے: "نلنی؟ کیا ان لوگوں کو یہ سب باتیں معلوم ہو گئی ہیں؟"

رمیش نے کہا: "ہاں، اگر ان لوگوں سے کچھ اور کہنے کی ضرورت ہو تو کہئے۔ میں جا کر کہہ سکتا ہوں۔" چکرورتی جی نے رمیش کا ہاتھ پکڑ کر محبت آمیز لہجے میں کہا: "نہیں رمیش بابو اب آپکو کچھ اور کہنے سننے یا کرنے کی ضرورت نہیں، آپ بہت تکلیفیں جھیل چکے ہیں۔"

جاتے وقت رمیش نے کملا کی طرف ہمدردی اور محبت سے لبریز نگاہ سے دیکھ کر کہا۔ "لو، اب میں جاتا ہوں۔"

کملا نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ صرف پیشانی زمین پر ٹیک کر رمیش کو پرنام کیا۔

(۶۲)

کملا نے چکرورتی کے یہاں سے لوٹ کر دیکھا کہ نلنی اور آنند چرن بابو، کلیانی کے پاس بیٹھے ہیں۔ کملا کو دیکھ کر کلیانی نے کہا: "لو ستی آ گئی۔ بیٹی، تم اپنی سکھی کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ میں آنند چرن بابو کو چائے پلاتی ہوں۔"

کملا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی نلنی نے کملا کے گلے سے لپٹ کر کہا "بہن کملا؟"

کملا نے انتہائی متحیر ہو کر کہا "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرا نام کملا ہے؟"

"میں نے ایک شخص سے تمہاری زندگی کی ساری داستان سُنی ہے۔ سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا، کہ تم ہی کملا ہو!"

"میں نہیں چاہتی کہ کسی کو میرا نام معلوم ہو، مجھے اس نام سے نفرت سی ہو گئی ہے!"

"لیکن اسی نام کے زور سے تو تمہیں اپنا حق ملے گا!"

کملا نے سر ہلا کر کہا! "یہ میں نہیں جانتی، نہ میرا کچھ حق ہے نہ زور۔ نہ میں طاقت سے کچھ لینا ہی چاہتی ہوں۔"

"تم اپنے تعارف سے اپنے سوامی کو کیسے محروم کر سکو گی؟ کیا تم اپنا بھلا بُرا اُن سے کچھ نہ کہو گی؟ ان سے یہ باتیں تم کب تک چھپا سکو گی؟"

کملا کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وہ اس کا کچھ جواب نہ سوچ سکی۔ اور چپ چاپ نلنی کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگی۔ نلنی پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔ "بہن! تو کیا تم چاہتی ہو کہ کوئی اور شخص ان سے تمہارا حال بیان کرے؟"

"نہیں نہیں" کملا نے مضطرب ہو کر کہا! "دوسرا کوئی ان سے نہ کہے۔ میں خود ہی سب باتیں کہہ دوں گی۔ میں ان سے کہہ سکوں گی!"

"ہاں، یہی ٹھیک ہے۔ اب ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ پھر نہ جانے تم سے ملاقات ہو یا نہ ہو، اس لئے یہی کہنے کے لئے آئی تھی۔"

"کہاں جا رہی ہو بہن!"

"کلکتے! اچھا اب تم اپنا کام کرو۔ میں جاتی ہوں۔ لیکن اپنی اس بہن کو بھول نہ جانا!"

کملا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا! "کیا مجھے چٹھی نہ لکھو گی؟"

"اچھا، لکھوں گی!"

نلنی آج اپنی پھلواری سے پھولوں کی ایک ڈکری دے گئی تھی۔ شام کے قریب کملا ان پھولوں کی مالا گوندھنے بیٹھی، کلیانی بھی اس کے پاس آ بیٹھیں، باہر پاؤں کی آہٹ سُن کر کلیانی نے پکارا "ادکل! سنو تو!!"

کملا نے جھٹ پٹ آنچل سے پھولوں اور مالا کو چھپا لیا۔ پھر لمبا گھونگھٹ کھینچ کر شرم سے سمٹ کر بیٹھ گئی۔ کمل نین کے آنے پر کلیانی نے کہا: "نلنی آج چلی گئی۔ کیا تم سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"ہوئی کیوں نہیں، انہیں گاڑی میں بٹھا کر سٹیشن ہی سے تو آ رہا ہوں۔"

"کمل، تم کچھ ہی کہو، میں نے نلنی جیسی اچھی لڑکی نہیں دیکھی۔"

کمل نین جواب دینے کی بجائے قدرے مسکرا دیا۔

کلیانی نے کہا: "بس ہنس دیا۔ میں نے تمہارے ساتھ نلنی کے بیاہ کی بات چیت کی۔ آشیرواد تک دے آئی۔ مگر تم نے ضد کر کے بنی بنائی بات بگاڑ دی۔"

کمل نین نے ایک بار متحیر نگاہ سے کملا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی کملا نے جھینپ کر نظر جھکا لی۔

کمل نین نے کہا: "تمہارا لڑکا کیا ایسا ہی اچھا ہے، کہ تمہارے بات چیت کرنے ہی سے بیاہ ہو جائے گا؟ میرے ایسے خشک آدمی کو کیا کوئی پسند کر سکتا ہے؟"

اس بات سے کملا کی نظر پھر اوپر اٹھی۔ اٹھتے ہی کمل نین کی مسکراتی ہوئی نگاہ اس پر پڑی۔ کملا پھر جھینپ گئی۔ اس کے جی میں آئی، کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔

کلیانی نے کمل سے کہا: "جاؤ جاؤ۔ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ تمہاری باتوں پر مجھے غصہ آتا ہے۔"

اس مجلس کے برخاست ہو جانے پر کملا نے پھولوں کا بہت بڑا ہار گوندھا۔ اور اس پر پانی چھڑک کر کمل نین کے ریاضت کدے (پوجا گھر) میں رکھ آئی۔ آج نلنی رخصت ہوتے وقت پھولوں کی ٹوکری کیا اسی لئے لائی تھی؟ یہ سوچ کر کملا کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔

رات کو اپنے بستر پر لیٹ کر کملا نے دل ہی دل میں عہد کیا، خواہ کچھ ہو۔ کل اپنے تمام حالات ضرور کہہ دوں گی۔

دوسرے دن علی الصبح اٹھ کر کملا نہانے کے لئے گئی۔ اشنان کر کے وہ روز ایک لوٹے میں گنگا جل لا کر کمل نین کے پوجا گھر کو خوب دھو کر پھر کوئی اور کام کرتی تھی۔

معمول کے مطابق آج بھی پوجا گھر میں گئی تو دیکھا، کمل نین آج بہت صبح سے اس کمرے میں موجود ہیں۔ ایسا تو پہلے کبھی نہ ہوتا تھا۔ کملا اس کمرے کا کام پہچانے بھرنے کا بوجھ لئے آہستہ آہستہ وہاں سے جانے لگی۔ کچھ دور جاکر وہ یکایک ٹھہر گئی۔ نہ معلوم کیا سوچ کر وہ پھر آہستہ آہستہ جاکر پوجا گھر کے دروازے پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے کتنی دیر گذر گئی، اس کا اسے احساس ہی نہ تھا۔ اچانک اس نے دیکھا، کمل نین اس کے سامنے آکھڑے ہوئے ہیں۔ کملا نے جھٹ پٹ ان کے پیروں پر سر رکھ کر انہیں پرنام کیا۔ اشنان کرنے کے باعث بھیگی ہوئی لٹوں نے کمل نین کے پیروں کو چھپا لیا۔ پرنام کرکے کملا اٹھی، اور مورتی کی طرح کھڑی رہی۔ اسے یاد ہی نہ رہا، کہ میرے سر سے کپڑا کھسک گیا ہے۔ اور کمل نین میرے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بیسی حالت غیر شعوری میں دل کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بے بس ہوکر اس نے کہا "میں کملا ہوں"

منہ سے اتنی بات نکلتے ہی اپنی ہی آواز سے اس کی مدہوشی دور ہوئی۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی، شرم سے سر جھک گیا۔ اور دل دھڑکنے لگا۔ وہاں سے ہلنے کی بھی اس میں طاقت نہ رہی۔

کمل نین نے اسے اپنے پوجا گھر میں لے جاکر اسی کے ہاتھوں کی گوندھی ہوئی پھولوں کی مالا اس کے گلے میں پہنا دی۔ اور کہا "آؤ، ہم تم دونوں اس پرماتما کو پرنام کریں"

پھر دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر سنگِ مرمر کے فرش پر پرماتما کے سامنے اپنی پیشانیاں جھکا دیں۔ کھڑکی کی راہ سے طلوع آفتاب کی ہلکی اور دلکش دھوپ ان کی پیشانیوں پر رقص کرنا اٹھی۔

ایشور کو پرنام کرکے کملا نے ایک بار پھر کمل نین کے پیر چھوکر پرنام کیا۔ اب اس کے دل میں ناقابلِ برداشت شرم و حجاب کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ آنسوؤں کی دھار رخساروں کو چومتی ہوئی بہنے لگی۔ اس کی زندگی میں درد و آلام کی جو گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ وہ آنکھوں کے راستے برس گئی۔ کمل نین نے اس سے اور کچھ نہیں کہا۔ صرف اپنے داہنے ہاتھ سے اس کے چہرے

پر لٹکتی ہوئی تم آگیں لٹوں کو ہٹا کر وہاں سے چلا گیا۔

کملا کی پوجا اب بھی ختم نہیں ہوئی۔ اس نے کمل نین کے کمرۂ خواب میں جاکر اپنے گلے کی مالا سے الماری والی کھڑاؤں کو صاف کیا۔ اور انہیں اپنی پیشانی سے لگا کر پھر وہیں رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ گھر کا کام کرنے لگی۔ آج اسے گھر کے سب کام دیوتا کی سیوا معلوم ہو رہے تھے۔ اسے آج کاموں میں اس طرح محو دیکھ کر کلیانی نے کہا: "بیٹی! تم کیا کر رہی ہو؟ کیا تم اکیلی، ایک ہی دن میں سارے گھر بار کو جھاڑ پونچھ کر اور لیپ پوت کر نیا بنا دو گی؟"

دن کے تیسرے پہر گھر کے کاموں سے فراغت پاکر کملا نے آج سلائی نہیں کی۔ بلکہ کمرے میں آرام سے جا بیٹھی۔ اتنے میں کمل نین ایک ٹوکری میں کنول کے پھول لیئے آکر بولے: "کملا، ان پھولوں کو پانی میں بھگو کر تازہ رکھو۔ آج شام کے بعد ہم تم دونوں ماں کو پرنام کرنے چلیں گے۔"

کملا نے سر جھکا کر کہا: "آپ نے میرا سب حال تو سنا ہی نہیں!"

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، میں سب جانتا ہوں۔"

کملا نے دا ہنے ہاتھ سے منہ چھپا کر کہا: "کیا ماں ــــ" کہہ کر رک گئی۔ پوری بات اس کے منہ سے نہ نکل سکی۔

کمل نین نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا کر اور اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "ماں جنم جنم سے ہمارے قصور معاف کرتی آئی ہیں۔ جو قصور ہی نہیں، وہ اسے ضرور معاف کر دیں گی۔"